عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم

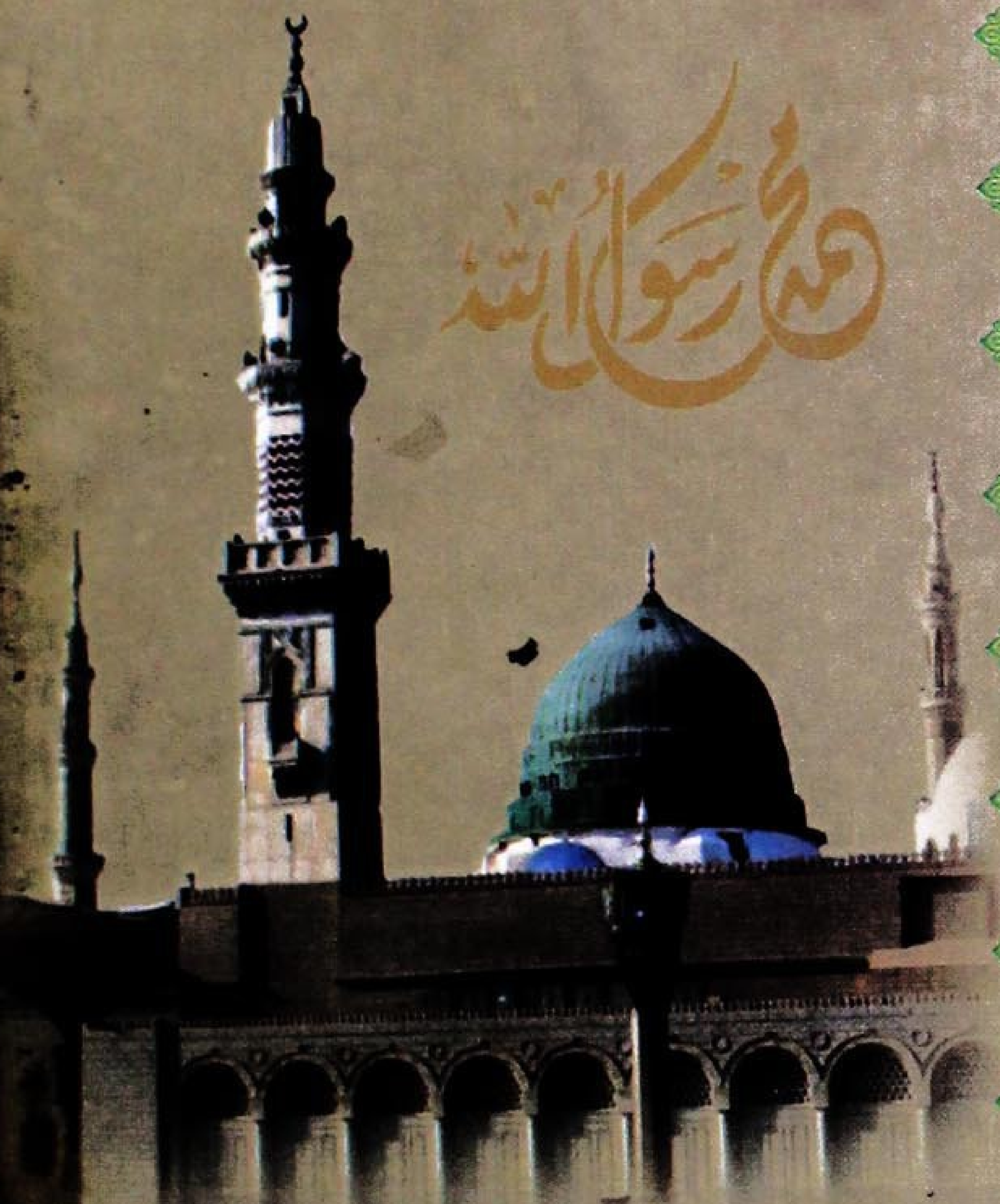

محمد رسول اللہ

- سیدنا ابوبکر صدیقؓ
- سیدنا عمر بن الخطابؓ
- سیدنا عثمان بن عفانؓ
- سیدنا علی بن ابی طالبؓ
- سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ
- سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ
- سیدنا زبیر بن العوامؓ
- سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ
- سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ
- سیدنا سعید بن زیدؓ

حکیم محمود احمد ظفر

نشریات

Marfat.com

Marfat.com

عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم

حکیم محمود احمد ظفر

DATA ENTERED
11-3-2013

نشریات
الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: 0321-4589419

Marfat.com

297.9922
ع 575 م
۱۴۱۵۶۳

جملہ حقوق محفوظ

۲۰۱۸ء

نام کتاب: .... عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم

مصنف: .... حکیم محمود احمد ظفر

اہتمام: .... نشریات

کمپوزنگ: .... دعا گرافکس

مطبع: .... عثمان، عمیر، شفیق پریس

ڈسٹری بیوٹرز

فضلی بک سپر مارکیٹ

اردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔

فون: 32212991-32629724

کتاب سرائے

پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ

اردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس: 37239884

ای میل: Kitabsaray@hotmail.com

Marfat.com

ترتیب

پیش لفظ	۱۳
سیدنا ابوبکر صدیق ؓ خلیفہ رسول ﷺ	۳۹
نام ونسب	۳۹
قبول اسلام	۴۱
غلاموں کا نجات دہندہ	۴۶
ہجرت حبشہ کا ارادہ	۴۶
سیدہ عائشہ ؓ رسول ﷺ کے عقد میں	۴۷
ہجرت مدینہ منورہ	۴۸
سیدنا ابوبکر ؓ کی علالت	۵۲
مواخات	۵۳
تعمیر مسجد	۵۳
سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کی رخصتی	۵۴
غزوات	۵۵
غزوۂ بدر اور سیدنا ابوبکر ؓ	۵۵
اسیران بدر اور سیدنا ابوبکر ؓ	۵۷
غزوہ احد اور سیدنا ابوبکر ؓ	۵۷
غزوہ بنی مصطلق اور سیدنا ابوبکر ؓ	۵۹
غزوہ احزاب اور سیدنا ابوبکر ؓ	۶۰
معاہدہ حدیبیہ اور سیدنا ابوبکر ؓ	۶۱
غزوۂ خیبر اور سیدنا ابوبکر ؓ	۶۴
فتح مکہ اور سیدنا ابوبکر ؓ	۶۵
غزوہ حنین اور سیدنا ابوبکر ؓ	۶۵
غزوہ طائف اور سیدنا ابوبکر ؓ	۶۶
غزوہ تبوک اور سیدنا ابوبکر ؓ	۶۷
سیدنا ابوبکر ؓ سب سے پہلے امیر حج	۶۸
حجۃ الوداع میں شرکت	۶۹
وفات نبوی ﷺ اور سیدنا ابوبکر ؓ	۶۹
واقعہ قرطاس اور وفات نبوی	۷۲
وفات نبوی اور خطبہ صدیقی	۷۳
سقیفہ بنی ساعدہ	۷۴
سیدنا ابوبکر ؓ خلیفہ کی حیثیت سے	۷۶
سیدنا ابوبکر ؓ کی بیعت عامہ	۷۶
کیا بعض حضرات نے سیدنا ابوبکر ؓ کی بیعت نہیں کی	۷۷
سیدنا ابوبکر ؓ اور وارثت رسول ﷺ	۷۸

Marfat.com

جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی	۷۹
مرتدین کی سرکوبی	۸۱
مدعیان نبوت کا استیصال	۸۱
مانعین زکوٰۃ	۸۲
فتوحات	۸۴
وفات	۸۷
زندگی کے کارنامے	۸۹
نظام حکومت	۸۹
ملکی نظام ونسق	۹۰
عہدیداران کا احتساب	۹۲
فوجی نظام	۹۲
اسلحہ کی فراہمی	۹۳
فوج کی اخلاقی تربیت	۹۳
مالی نظام	۹۳
مصارف	۹۴
اہل بیت کے مالی حقوق کی ادائیگی	۹۵
دینی خدمات	۹۶
اصلاح عقائد	۹۶
بدعات کا سدِ باب	۹۶
خدمت قرآن وحدیث	۹۷
محکمہ افتاء	۹۷
اشاعت اسلام	۹۸
علمی کمالات	۹۹
علم القرآن	۹۹
علم الحدیث	۱۰۰
قیاس واجتہاد	۱۰۱
تعبیر رؤیا	۱۰۱
علم الانساب	۱۰۱
ایام العرب	۱۰۲
تقریر وخطابت	۱۰۲
عادات واخلاق	۱۰۴
تقویٰ وطہارت	۱۰۴
خوف خدا	۱۰۵
زہد وورع	۱۰۶
تواضع	۱۰۶
فقر ودرویشی	۱۰۷
انفاق فی سبیل اللہ	۱۰۸
شجاعت وبہادری	۱۰۸
مقام صدیقیت	۱۰۹
ذاتی حالات	۱۱۳
ذریعہ معاش	۱۱۳
حلیہ	۱۱۴
ازواج واولاد	۱۱۴
اولیات ابوبکر رضی اللہ عنہ	۱۱۵
سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	۱۱۷
نام ونسب	۱۱۷

Marfat.com

اسلام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ	۱۱۸
مؤاخات	۱۱۹
غزوات	۱۲۰
علالت اور وفات نبوی	۱۲۶
سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع	۱۲۶
خلافت صدیقی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ	۱۲۷
فتوحات	۱۳۱
شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	۱۳۱
اسلامی نظام حکومت کا قیام	۱۳۲
احتساب	۱۳۳
زرعی اصلاحات	۱۳۴
ترقیاتی کام	۱۳۴
فوجی اصلاحات	۱۳۴
عدلیہ	۱۳۵
محاصل حکومت	۱۳۶
دینی خدمات	۱۳۸
رعایا کی خبرگیری	۱۳۹
فضل وکمال	۱۳۹
اخلاق وعادات	۱۴۰
خشیت الٰہی	۱۴۰
حب رسول ﷺ	۱۴۱
متعلقین رسالت کا احترام	۱۴۱
زہد وقناعت	۱۴۲
تشدد وترحم	۱۴۳
رفاہ عام	۱۴۶
غیرت	۱۴۶
خانگی زندگی	۱۴۷
ازواج واولاد	۱۴۸
سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	۱۵۱
نام ونسب	۱۵۱
لقب	۱۵۲
خاندان	۱۵۲
اسلامی اسٹیٹ اور بنوامیہ	۱۵۳
قبول اسلام	۱۵۳
دامادیٔ رسول ﷺ	۱۵۴
حبشہ کی پہلی ہجرت	۱۵۴
حبشہ کی دوسری ہجرت	۱۵۵
قیام مدینہ اور بئر رومہ کا وقف	۱۵۵
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوات نبوی	۱۵۶
غزوہ بدر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	۱۵۶
غزوہ احد اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	۱۵۶
معاہدہ حدیبیہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	۱۵۷
غزوہ تبوک اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	۱۵۸
عہد صدیقی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	۱۵۹
عہد فاروقی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	۱۵۹
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک خلیفہ کی حیثیت سے	۱۶۱

Marfat.com

فتوحات	۱۶۱
فتنہ کی لہریں	۱۶۳
گورنروں کی مجلس مشاورت	۱۶۴
گشتی مراسلہ	۱۶۴
مدینہ پر یورش	۱۶۵
عثمانی دور خلافت	۱۶۷
عمال سے احتساب	۱۶۷
اصلاحات	۱۶۸
فوجی اصلاحات	۱۶۹
بحری بیڑا	۱۶۹
دینی خدمات	۱۷۰
جمع القرآن	۱۷۰
فضائل ومناقب	۱۷۲
فضل وکمال	۱۷۳
ذاتی حالات	۱۷۷
شکل وصورت	۱۷۷
لباس وسکونت	۱۷۷
ازواج	۱۷۸
اولاد	۱۷۹
سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	۱۸۱
نام ونسب	۱۸۱
خاندان	۱۸۱
ابوطالب	۱۸۲
ابوطالب کی اولاد	۱۸۲
رسول اللہ ﷺ کی کفالت	۱۸۳
قبول اسلام	۱۸۳
اسلام کی معاونت کا اعلان	۱۸۳
سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ہجرت	۱۸۴
مسجد نبوی کی تعمیر میں حصہ	۱۸۵
ہجرت مدینہ کے بعد	۱۸۶
مواخات	۱۸۶
غزوہ بدر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۱۸۶
دامادی رسول ﷺ	۱۸۷
غزوہ احد اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۱۸۸
غزوہ خندق اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۱۸۹
غزوہ بنو قریظہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۱۹۱
صلح حدیبیہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۱۹۱
غزوہ خیبر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۱۹۲
فتح مکہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۱۹۳
غزوہ حنین اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۱۹۴
غزوہ تبوک اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۱۹۵
سورۃ برأت کی آیات کا اعلان	۱۹۶
سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یمن روانگی	۱۹۷
حجۃ الوداع اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۱۹۸
غدیر خم	۱۹۸
سانحہ جانکاہ	۲۰۰

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ وفات نبوی کے بعد	۲۰۱
سیدنا علی رضی اللہ عنہ عہد صدیقی میں	۲۰۱
سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت فاروقی میں	۲۰۳
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ داماد علی رضی اللہ عنہ	۲۰۴
سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت عثمانی میں	۲۰۵
سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے	۲۰۶
مدینہ طیبہ کی حالت	۲۰۷
جنگ جمل	۲۱۰
جنگ صفین	۲۱۱
تحکیم	۲۱۲
سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت	۲۱۴
اصلاحات	۲۱۶
نظم مملکت	۲۱۶
رعایا سے حسن سلوک	۲۱۷
عسکری انتظامات	۲۱۷
علم فضل	۲۱۷
تقریر و شاعری	۲۱۸
اخلاق و عادات	۲۱۹
خانگی زندگی	۲۲۰
ازواج و اولاد	۲۲۰
سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ	۲۲۳
نام و نسب	۲۲۳
قبول اسلام	۲۲۴
ہجرت	۲۲۴
غزوات میں شرکت	۲۲۵
سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں	۲۳۳
محاذ شام کی سپہ سالاری	۲۳۷
انطاکیہ پر قبضہ	۲۴۵
بیت المقدس کی فتح	۲۴۶
حمص پر دوبارہ قبضہ کی کوشش	۲۴۸
شام کی امارت	۲۴۹
طاعون عمواس	۲۵۰
اخلاق و عادات	۲۵۲
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مقام	۲۵۷
حلیہ	۲۵۸
— سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ	۲۵۹
نسب و خاندان	۲۵۹
قبول اسلام	۲۶۰
مواخات	۲۶۱
ہجرت	۲۶۲
غزوات میں شرکت	۲۶۲
غزوۂ احد	۲۶۳
متفرق غزوات و سرایا	۲۶۷
عہد صدیقی اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ	۲۷۰

Marfat.com

عہد فاروقی اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ	۲۷۰	مفتوحہ ممالک میں اراضی کی تقسیم کا مطالبہ	۳۱۴
عہد عثمانی اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ	۲۷۴		
عہد علوی اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ	۲۷۷	شہادت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ	۳۱۵
سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر قتل کا الزام اور اس کا جواب	۲۸۲	خلافت عثمانی اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ	۳۱۶
		خلافت علوی اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ	۳۱۶
اخلاق و عادات	۲۸۳	ایک روایت اور اس کا جواب	۳۲۰
داد و دہش	۲۸۵	شہادت	۳۲۲
اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع	۲۸۸	اخلاق و عادات	۳۲۳
ذریعہ معاش	۲۸۹	مساوات	۳۲۳
حسن معاشرت	۲۹۰	موت سے بے خوفی	۳۲۴
مال و دولت کی فراوانی	۲۹۰	فیاضی اور سخاوت	۳۲۴
لباس اور غذا	۲۹۱	امانت و دیانت	۳۲۵
حلیہ	۲۹۱	ذریعۂ معاش	۳۲۵
ازواج و اولاد	۲۹۱	زراعت	۳۲۶
سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	۲۹۳	فضائل و مناقب	۳۲۷
نام و نسب	۲۹۳	روایت حدیث	۳۲۸
اسلام	۲۹۴	اولاد سے محبت	۳۲۹
ہجرت	۲۹۵	غذا اور لباس	۳۳۰
غزوات میں شرکت	۲۹۷	حلیہ	۳۳۰
غزوۂ احد	۲۹۹	ازواج و اولاد	۳۳۱
غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنی قریظہ	۳۰۳	سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	۳۳۳
غزوۂ خیبر	۳۰۶	نام و نسب	۳۳۳
فتح مکہ	۳۰۶	اسلام	۳۳۳
فسطاط کی فتح	۳۱۱	مواخات	۳۳۶

Marfat.com

غزوات میں شرکت ۳۳۷
دومۃ الجندل ۳۴۲
سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور عہد صدیقی ۳۴۴
سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور عہد فاروقی ۳۴۶
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت اور مجلس مشاورت کا انتخاب ۳۵۰
سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور عہد عثمانی ۳۵۳
وفات ۳۵۵
علم وفضل ۳۵۶
خوفِ خدا ۳۶۱
حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۳۶۱
عدل وصداقت ۳۶۳
ذریعہ معاش ۳۶۵
دینی زندگی ۳۶۹
حلیہ ومعاشرت ۳۷۰
ازواج واولاد ۳۷۱
سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ۳۷۳
نام ونسب ۳۷۳
اسلام ۳۷۴
ہجرت ۳۷۷
غزوات میں شرکت ۳۷۷
غزوۂ بدر ۳۸۲
غزوۂ احد ۳۸۳
سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اور عہد فاروقی ۳۸۸
سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور جنگ قادسیہ ۳۹۱
مدائن اور دیگر علاقوں کی فتح ۴۰۴
معرکۂ جلولا ۴۱۳
کوفہ کی تعمیر ۴۱۴
سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی گورنری سے معزولی ۴۱۹
شہادت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور مجلس مشاورت کا انتخاب ۴۲۳
وفات ۴۲۵
علم وفضل ۴۲۷
اخلاق وعادات ۴۲۸
ذریعۂ معاش ۴۳۲
حلیہ ۴۳۲
ازواج واولاد ۴۳۳
سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ ۴۳۵
اسلام ۴۴۲
ایک غلط روایت ۴۴۳
غزوات میں شرکت ۴۴۹
وفات ۴۵۱
اخلاق وعادات ۴۵۲
فضائل ومناقب ۴۵۴
ازواج واولاد ۴۵۵

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

رسول اللہ ﷺ کا ہر صحابی اللہ کی رضا کا سرٹیفکیٹ لیے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا اور وہ یقیناً جنت کا مستحق ہے کیونکہ:

من رضی اللہ عنہ لم یسخط علیہ ابداً ان شاء اللہ تعالیٰ۔

''جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اس سے پھر کبھی ناراض نہیں ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسی خصوصیت کی وجہ سے امت کا یہ فیصلہ ہے کہ بڑے سے بڑا ولی، خواہ وہ غوث ہو یا قطب یا اس سے بھی بڑے درجہ کا حامل ہو، ایک چھوٹے سے چھوٹے صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ چھوٹے صحابی سے مراد یہ ہے کہ جس نے پانچ منٹ بھی ایمان کی حالت میں آپ ﷺ کو دیکھا اور پھر ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہوا۔ چنانچہ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز، ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ کیونکہ اول الذکر صحابی رسول ﷺ ہیں اور ثانی الذکر جلیل القدر تابعی ہیں، تو انہوں نے یہ جواب دیا:

لانعدل باصحاب محمد ﷺ احداً۔

(الروضۃ الندیہ شرح العقیدہ الواسطیۃ لابن تیمیہ: ص ۴۵)

''ہم اصحاب محمد ﷺ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔''

یہی سوال جب سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کیا گیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ میں سے کون افضل ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا:

''خدا کی قسم وہ غبار اور مٹی جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے نتھنوں میں آکر جم گئی وہ عمر بن عبدالعزیز سے ہزار درجہ افضل ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ جب آپ کہتے تھے

Marfat.com

"سمع الله لمن حمده" تو معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے "ربنا لك الحمد" اس شرف کے بعد اور بڑا اشرف کیا ہو سکتا ہے۔" (تطہیر الجنان: ص ۱۰۔۱۱)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے عمر بن عبدالعزیز کا کیا مقام ہے؟ یہ سوال سن کر وہ سخت غصے میں آ گئے اور فرمایا:

لايقاس باصحاب النبی ﷺ احد، معاوية صاحبه و صهره وكتابته وامينه علی وحی الله۔ (تطہیر الجنان: ص ۱۰)

"اصحاب رسول ﷺ کے مقابلہ کسی اور کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی، آپ کے برادر نسبتی، اللہ کی وحی کے کاتب اور امین ہیں۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ وہ اس وجہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور آپ کی نگاہ کیمیا اثر سے اسلام کا اصل مقصد پا لیا۔ اسلام آدمی کو مادیت کی سطح سے اٹھا کر روحانیت کی سطح پر پہنچاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آدمی زندگی کی اس سطح پر پہنچ جائے جہاں اس کی اپنی فکری سطح اور عالم حقیقت کی سطح دونوں ایک ہو جائیں۔ جب آدمی اس مقام پر پہنچتا ہے تو ایک طرف وہ فیضان الٰہی کا مہبط بن جاتا ہے اور دوسری طرف ظواہر کا پردہ اس سے اس طرح اٹھ جاتا ہے کہ وہ حقائق کو بے نقاب حالت میں دیکھنے لگتا ہے۔ زندگی کی اس سطح پر پہنچنے کی واحد شرط یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات کے خول سے باہر آئے۔ وہ اپنے آپ سے الگ ہو کر اپنے آپ کو دیکھنے لگے۔ جب آدمی اپنے خول سے باہر نکل آتا ہے تو اس وقت وہ فیضان الٰہی کی براہ راست زد میں آ جاتا ہے اور پھر اس کے لیے اس دنیا کے اور اُس دنیا کے حقائق اس طرح منکشف ہوتے ہیں کہ وہ اس کے لیے جانی پہچانی چیز بن جاتے ہیں جس طرح کہ ماں کے لیے اس کی اولاد۔ لیکن اس مقام پر پہنچنے کے لیے "نگاہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُرسوز" ہونا ضروری ہے۔ اس مقام پر پہنچنے کے لیے جس طرح اپنے آپ کو کچلنا پڑتا ہے، اس کی ہمت صرف اور صرف بلند فطرت لوگ ہی کر سکتے ہیں اور وہ لوگ اس مقام پر پہنچ سکتے ہیں جو تمام مصالح اور مفادات سے اوپر اٹھ کر سوچنے اور غور وفکر کرنے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ پست فطرت پوری زندگی اپنی ذات کے خول سے ہی نہیں نکل پاتے، اس لیے وہ اسلام کے اس اصل مقصد کا تجربہ نہیں کر سکتے۔

Marfat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے نفس کے خول سے نکل کر اسلام کے اس مقصد کو پالیا چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی میں اسلام کے اخروی پہلو کو سامنے رکھا اور دنیوی پہلو کو کبھی اخروی پہلو پر ترجیح نہ دی۔ اس بات کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ جنگ یرموک میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسلامی فوجوں کے سپریم کمانڈر تھے اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان کے ماتحت افسر کی حیثیت سے جنگ میں شریک تھے۔ رومی لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس کے مقابلہ میں اسلامی لشکر کی تعداد بہت کم تھی۔ چنانچہ صف آرائی کے دوران کسی شخص کے منہ سے نکل گیا کہ رومی کتنے زیادہ اور مسلمان کتنے کم ہیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا:

''مسلمان کتنے زیادہ اور رومی کتنے کم ہیں۔ مسلمانو! یاد رکھو، فوجیں تعداد کی کثرت سے نہیں ہمت اور جرأت کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوتی ہیں۔ خدا کی مدد ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتی ہے جو بہادر اور جرأت مند ہوتے ہیں۔ الحمدللہ! ہم بہادر بھی ہیں اور جرأت مند بھی اور صاحب ایمان بھی۔ ہم سے مقابلہ کون کرے گا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے بعض معاملات میں اپنا اسلوب تبدیل کرنے کے لیے کہا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ ان کا تعلق بنومخزوم سے تھا جو کہ تمام عرب میں امیر اور متمول قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔ ان کے والد ولید بن مغیرہ مخزومی زمانہ جاہلیت ہی سے امیر کبیر شخص تھے اور فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظامات کا عہدہ ان کے خاندان میں تھا۔ (عقد الفرید: ۱۲۶/۲) اور ظہور اسلام کے وقت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس معزز عہدہ پر فائز تھے۔ (الاستیعاب: ۱۵۷/۱) چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لیے آیا تھا، اس کے سردار سیدنا خالد رضی اللہ عنہ تھے۔ (بخاری، کتاب المغازی) اور غزوۂ احد کے موقع پر مشرکین مکہ کے اکھڑے ہوئے قدم انہی کی ہمت سے دوبارہ جمے اور مسلمانوں کے شدید نقصان کا باعث بنے۔ جاہلیت میں بھی کبھی کسی جنگ میں ہزیمت کا سامنا نہیں کیا۔ اس وجہ سے بچپن ہی سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اپنی رائے کو مبنی بر صواب سمجھتے تھے اور اکثر معاملات، خصوصی طور پر لڑائی میں ان کی رائے صحیح اور درست ہوتی تھی، لیکن چونکہ وہ فوجی اور مارشل قسم کے آدمی تھے، لہٰذا بعض معاملات میں کچھ غیر شعوری طور پر ایسی باتیں کر گزرتے تھے جو ایک منتظم شخص کے نزدیک درست نہیں ہوتی

Marfat.com

تھیں۔ان کی ہر بات ذاتی اغراض کے لیے نہیں بلکہ اسلام کے مفاد کے لیے ہوتی تھیں۔ چنانچہ جنگ موتہ کے موقع پر ان کی اسی جرأت اور بہادری کے صلہ میں انہیں ''اللہ تعالیٰ کی سونتی ہوئی تلوار'' کا خطاب ملا تھا جو بارگاہ نبوت کی طرف سے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ پوری زندگی انہوں نے سپہ سالاری کا حق ادا کیا۔ فتنہ ارتداد کا قلع قمع صرف انہی نے کیا۔ چنانچہ طبری نے لکھا ہے کہ

ان لفتوح فی اھل الردۃ کلھا کانت لخالد بن ولید۔

''ارتداد میں جتنی فتوحات ہوئیں، وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا کارنامہ ہیں۔''

ایک روایت کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کر دیا اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو ان کی ماتحتی میں دے دیا۔ یہ فرمان لے کر مدینہ سے جو شخص روانہ ہوا تھا وہ مقام جنگ میں اس وقت پہنچا جب کہ طویل مقابلہ کے بعد لڑائی اپنے آخری انجام کو پہنچنے والی تھی اور فتح کے مقدمات ظاہر ہو چکے تھے۔ قاصد نے معزولی کا یہ فرمان پہلے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرمان خلافت کے مطابق فوراً سپہ سالاری کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے کر فتح کا کریڈٹ حاصل کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں برابر لڑتے رہے۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ

''ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خبر کو مخفی رکھا اور خالد رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں اپنے کو اس مقام پر رکھا جہاں وہ تھے۔ یہاں تک کہ فتح کے مقدمات ظاہر ہو گئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ قیادت کا جھنڈا آپ نے فوراً کیوں نہ لے لیا۔ فرمایا: ''ما سلطان الدنیا ارید، ما اللدنیا اعمل'' یعنی میں دنیا کی بڑائی نہیں چاہتا اور نہ دنیا کے لیے عمل کرتا ہوں۔''

آخرت کا کریڈٹ یہ تھا کہ اس خبر کو چھپایا جائے اور دنیا کا کریڈٹ اس میں ملتا تھا کہ اس کو ظاہر کر دیا جائے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آخرت کا کریڈٹ لینا پسند فرمایا اور یہی ان کی شان کے لائق تھا اور دنیا کے کریڈٹ کو نظر انداز کر دیا۔

یہ تو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا کردار تھا۔ اب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا کردار ملاحظہ فرمائیں۔ روایات میں ہے کہ حمص کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ اسلامی مملکت کی سرحدوں کو مستحکم کرنے اور دشمنوں کے دلوں میں

Marfat.com

مسلمانوں کا رعب بٹھانے کے لیے تا کہ وہ آئندہ بغاوت کا سوچ بھی نہ سکیں، آرمینیہ کی طرف بڑھے یہاں تک کہ ''رہا'' پہنچ گئے۔ وہ جدھر سے گزرتے شہر فتح کرتے، مال غنیمت سمیٹتے اور کافروں کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب بٹھاتے جاتے۔ اس کے بعد جب وہ واپس قنسرین آئے تو ان کے پاس بہت سا مال غنیمت جمع ہو گیا تھا۔ اس لیے ادھر ادھر سے لوگ انعام کے لالچ میں ان کے پاس آئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں مایوس نہ ہونے دیا۔ ان لوگوں میں اشعث بن قیس بھی تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی دس ہزار درہم انعام میں دیے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے اس دس ہزار درہم کے انعام کا بہت چرچا ہوا۔ اس انعام کی خبر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں پہنچی۔ انہیں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ پر بہت غصہ آیا۔ انہوں نے محسوس کیا خالد رضی اللہ عنہ اپنی بے اعتدالیوں سے باز نہیں آرہے اور وہ عزت والوں، طاقت والوں اور زبان آوروں کو مال تقسیم کرتے پھر رہے ہیں۔ ایک مرتبہ انہیں بارگاہ خلافت سے یہ حکم بھی آیا تھا کہ ''امیر المومنین کی اجازت کے بغیر وہ کسی کو اونٹ اور بکری بھی انعام و بخشش کے طور پر نہ دیں، لیکن امیر المومنین کا یہ حکم ملنے کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ ''مجھے اپنا کام کرنے دیجیے ورنہ پھر آپ جانیں اور آپ کا کام۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ جواب درست نہ تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کے حق میں تھے چنانچہ انہوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مشورہ بھی دیا۔ اب جب زمام خلافت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی تو ایک روز فرمایا: ''بخدا! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سچا نہیں ہوں گا اگر جس حکم کا مشورہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیتا تھا اسے خود نافذ نہ کروں۔''

چنانچہ آپ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ خالد رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کے عمامے سے اس کی مشکیں کسو اور اس کی ٹوپی اتار کر پوچھو کہ اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم انعام تم نے اپنے پاس سے دیا ہے یا مال غنیمت میں سے؟ اگر مال غنیمت میں سے دیا ہے تو یہ خیانت کی ہے اور اگر یہ اپنے پاس سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے اور حکم فرمایا کہ دونوں صورتوں میں انہیں ان کے عہدہ سے معزول کر دیا جائے۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس خط کو پڑھ کر ورطۂ حیرت میں گم ہو گئے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے؟ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی ان کے دل میں بڑی عزت و توقیر تھی۔ وہ ان کے تمام کارناموں سے واقف تھے، لیکن امیر المومنین کے حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی، لہٰذا انہوں نے اس

Marfat.com

حکم کی تعمیل امیر المؤمنین کے قاصد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر چھوڑ دی۔ انہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو بلایا تو ان سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خط کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ لوگوں کو جمع کیا اور خود منبر پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم نے دس ہزار درہم اشعث بن قیس کو اپنے پاس سے دیے تھے یا مال غنیمت میں سے؟ خالد رضی اللہ عنہ نے جب یہ الفاظ سنے تو مبہوت ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا سوال دہرایا، لیکن خالد رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں کو کوئی جنبش نہ ہوئی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ منبر پر خاموش بیٹھے تھے اور انہوں نے اپنی زبان سے کچھ نہ کہا۔ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے قاصد کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ امیر المؤمنین کی ہدایت کے مطابق سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کی ٹوپی اتاری اور ان کے ہاتھ پیٹھ کی طرف لے جا کر عمامے سے باندھ دیے۔ اس کے بعد پھر پوچھا:

”کیا کہتے ہو، یہ دس ہزار درہم اپنے پاس سے دیے یا مال غنیمت سے؟“

یہ ایک عجیب منظر تھا۔ عراق و شام کی فتوحات کا سہرا جس سپہ سالار کے سر بندھا ہوا تھا، آج اس کی مشکیں کسی ہوئی ہیں، ٹوپی سر سے اتری ہوئی ہے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ان سے باز پرس کر رہے ہیں۔ خود اندازہ فرمائیں کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا اس وقت کیا حال ہوگا؟ جو مسلمان اس وقت موجود تھے ان کی حیرت بھی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی حیرت سے کسی طرح کم نہ تھی کیونکہ وہ عدیم المثال سپہ سالار جس کے نام سے قیصر و کسریٰ لرزتے اور کانپتے تھے اور جس نے ایران و روم کی قوتوں کو ناکوں چنے چبوائے تھے اور ان کو خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا اور جس کی بدولت کروڑوں دینار مال غنیمت حاصل ہوا تھا، آج کندہ کے امیر اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم انعام دینے پر اس سے یہ سلوک کیا جا رہا ہے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے لوگوں کے چہروں پر یہ سب تاثرات پڑھ رہے تھے اور لوگوں کے چہروں پر انہیں ناگواری کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو علم تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، خالد رضی اللہ عنہ کی بعض باتوں سے ناراض ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس ناراضی کو زائل کرنے کے لیے بہت کوشش کی تھی۔ انہوں نے معرکہ قنسرین کے بعد بارگاہ خلافت میں جو خط لکھا تھا، اس میں ان کے شاندار کارناموں کی بہت تعریف و تحسین کی تھی۔

اس خط کو پڑھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

”خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو خود امیر بنا لیا۔ اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے وہ مجھ سے زیادہ

Marfat.com

مردم شناس تھے۔"

جو قیامت اس وقت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے دل پر ٹوٹ پڑی ہوگی اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جو شخص جاہلیت اور اسلام میں عزت، خودداری اور بزرگی و عظمت کا ایک نمونہ تھا، جس نے آج تک کبھی کسی کے سامنے اپنا سر نہیں جھکایا تھا، آج وہ خود اپنے ہی عمامے میں جکڑا ہوا ہے حالانکہ اس نے اپنی زندگی میں سیکڑوں بار قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑا تھا۔ آج سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ان سے بار بار پوچھ رہے ہیں اور خالد رضی اللہ عنہ ان کے سوال کا جواب نہیں دے پا رہے اور جب تک خالد رضی اللہ عنہ اس سوال کا جواب نہیں دے بلال رضی اللہ عنہ مشکیں کھولنے والے نہیں، لیکن خالد رضی اللہ عنہ آخر خالد رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ خود کو اسلامی فوج کا ایک سپاہی سمجھ رہے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین۔ چنانچہ جب پھر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے وہ سوال دہرایا تو خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "اپنے پاس سے۔"

تمام حاضرین سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ جواب سن کر نہایت خوش ہوئے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سنا تو مشکیں کھول دیں اور ٹوپی ان کے سر پر رکھ دی۔ اس کے بعد اپنے ہاتھوں سے ان کا عمامہ باندھا اور کہا: "ہم اپنے حاکموں کے حکم سنتے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں۔" مجلس ختم ہوگئی۔ ہر شخص حیرت میں گم اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف مطمئن ہو کر چلا گیا۔ کچھ لوگ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے حامی ہو گئے، لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی حیرت ختم نہ ہوئی۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہوا؟ اور کیوں ہوا؟ اگر صرف یہی پوچھنا تھا تو اس کے پوچھنے کا اور طریقہ بھی ہوسکتا تھا۔ وہ کبھی خیال کرتے کہ میں اس بارہ میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے پوچھ لوں، لیکن وہ خاموش رہے اور اس بارے میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے کوئی سوال نہ کیا۔

مدینہ منورہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا انتظار فرما رہے تھے۔ انہیں یہ خیال نہ آیا کہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، خالد رضی اللہ عنہ کو معزولی کا حکم پہنچانے میں تکلف سے کام لیں گے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو طلبی کا خط لکھا اور جس حکم کو پہنچانے میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تکلف سے کام لیا تھا وہ براہِ راست انہیں بھیج دیا۔ خط پڑھ کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ فوری طور پر سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور غصے و محبت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا: "اللہ آپ پر رحم کرے، آپ نے مجھ سے وہ بات کیوں چھپائی جو میں آج آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے نہایت لطف و محبت کے لہجہ میں جواب دیا: "بخدا! میں چاہتا تھا کہ جہاں تک میرے امکان

Marfat.com

میں ہے میں آپ کو پریشان نہ کروں اور میں یہ بخوبی سمجھتا تھا کہ اس خبر سے آپ کو پریشانی ہوگی۔''
سیدنا خالد رضی اللہ عنہ قنسرین گئے اور وہاں تمام فوج کو اکٹھا کر کے ایک تقریر کی جس میں ان کی شاندار خدمات کو سراہا اور اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کو لے کر حمص پہنچے۔ حمص میں بھی ایک تقریر کی اور اہل حمص کو الوداع کہا، لیکن ان دونوں تقریروں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں کوئی برائی کا کلمہ زبان پر نہ لائے۔ پھر مدینہ روانہ ہو گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے حمص پہنچ کر اپنی معزولی کی تقریر میں یہ کہا کہ ''امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے شام فتح کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا۔'' اس فقرہ پر فوج کا ایک سپاہی کھڑا ہو گیا اور کہا: ''اے جرنیل! چپ رہ، ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں، لیکن عمر رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے فتنہ کا کوئی احتمال نہیں۔'' (کتاب الخراج لابی یوسف: ۸۷)

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جرنیلی سے معزول ہو گئے، لیکن اگر کوئی شخص انہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر ابھارنے کی کوشش کرتا تو وہ یہ کہہ کر اس کی بات ٹھکرا دیتے کہ جب تک عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہیں خالد رضی اللہ عنہ ان کی مخالفت نہیں کر سکتا اور خالد رضی اللہ عنہ ناراض ہو کر بغاوت کر بھی کیسے سکتے تھے کیونکہ وہ ایک سپاہی تھے جو نظم و ضبط پر ایمان رکھتا ہے۔ پھر وہ ایک صادق الایمان اور مخلص مسلمان تھا اور دین اسلام کی کامیابی ان کی زندگی کا مشن اور مقصد وحید تھا، چاہے وہ ان کے ہاتھوں عمل میں آئے یا ان کے سوا کسی اور کے ہاتھوں۔ اس بات کا بین ثبوت یہ بھی ہے کہ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کیا گیا تو کئی لوگوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچی اور ان کے اندر سخت بے چینی پیدا ہوئی۔ بہت سے لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور انہیں ابھارا کہ وہ خلیفہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیں اور وعدہ کیا کہ ہم سب آپ کا ساتھ دیں گے۔ لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اس قسم کے مشورہ کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ اس وقت انہوں نے جو جملہ ارشاد فرمایا، تاریخ نے وہ اپنے سینے میں محفوظ رکھا ہوا ہے اور اس سے ان کا اخلاص اور دین سے ان کی محبت ٹپکتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

انی لا اقاتل فی سبیل عمر ولکن اقاتل فی سبیل رب عمر۔

''میں عمر رضی اللہ عنہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتا بلکہ عمر رضی اللہ عنہ کے رب کی راہ میں جنگ کرتا ہوں۔''

Marfat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی انہی صفات حمیدہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن حکیم میں ان کو اپنی رضا کی وہ سند عطا فرمائی جو آج تک کسی غیر نبی کو عطا نہیں کی گئی۔ چنانچہ فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لیے نکالی گئی ہو تا کہ تم انہیں نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور اللہ پر ایمان لاؤ۔''

اس آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے افضل قرار دیا گیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس زمانے میں تھے وہ زمانہ خیر القرون، جس پیغمبر پر وہ ایمان لائے وہ پیغمبر خیر الرسل، جس کتاب سے انہوں نے ہدایت حاصل کی وہ کتاب خیر الکتب۔ اسی وجہ سے جمہور امت کا یہ مسلک ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل و برتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ تمام محدثین اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت کا صحیح مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے صاف اور صریح الفاظ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بہتر اور افضل قرار دیا ہے۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث نے من حیث الطبقہ کسی کو مقدس کہا ہے تو وہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے۔ اوروں میں افراد کی تعریف و تحسین کی گئی ہے لیکن طبقے کے طبقے کو مقدس کہنا یہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اور ایک جگہ فرمایا:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبہ: ۱۰۰)

''اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ، اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے یعنی اللہ سے، اور تیار کر رکھے ہیں ان کے واسطے باغ

Marfat.com

کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اسی میں ہمیشہ رہا کریں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔"

بتایا یہ کہ سابقین اولین مہاجرین ہوں یا انصار ہوں اور جو بعد میں ان کے ساتھ ملتے گئے ان سب کے مجموعہ کو کہا کہ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ تو اللہ تعالیٰ پورے طبقہ سے راضی۔ یہاں نام نہیں لیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے راضی یا عمر رضی اللہ عنہ سے راضی یا عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی بلکہ "من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان" مہاجرین اولین ہوں یا انصار اولین ہوں یا بعد میں ان کے ساتھ لاحق ہونے والے ہوں۔ سب کو کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ جس طبقہ میں طبقہ کی حیثیت سے کھوٹ ہو اللہ کبھی ان سے راضی نہیں ہوسکتا۔ رضا کا اعلان اس بات کی دلیل ہے کہ طبقے میں کوئی کھوٹ نہیں، طبقہ بہت مقدس ہے۔

پھر رضا کا اعلان بھی کوئی وقتی یا ہنگامی نہیں۔ یہ رضامندی کا اعلان قرآن میں کیا گیا اور قرآن قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ اس کا حاصل یہ کہ کوئی لمحہ درمیان میں ایسا نہیں گزرے گا کہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ناراض ہو۔ جو رضا ابتدا میں ہے وہی وسط میں ہے اور وہی انتہا میں ہے۔ قیامت تک وہ رضا باقی رہے گی اور قیامت کے بعد بھی رہے گی کیونکہ قیامت کے بعد قرآن حکیم اسی طرح موجود ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حافظ قرآن سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ ﴿رتل وارتق﴾ قرآن پڑھتا جا اور جہاں تک تیری طاقت میں ہے جنت کے درجات میں چڑھتا جا۔" تو وہاں بھی تلاوت قرآن ترقیات کا ذریعہ بنے گی۔ پتہ چلا کہ قرآن قیامت کو بھی ختم نہیں ہوگا۔ اس کے بعد بھی تلاوت قرآن ترقیات ذریعہ بنے گی۔ پتہ چلا کہ قرآن قیامت کو بھی ختم نہیں ہوگا۔ اس کے بعد بھی قرآن حکیم کا ہی دور حکومت ہے اور جب تک قرآن ہے "رضی الله عنهم ورضوا عنه" کا سرٹیفکیٹ موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ اب جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نزول قرآن کے وقت موجود ہیں۔ اب بھی ہم ان سے راضی، ان کی وفات کے بعد بھی ان سے راضی، قیامت میں بھی ہم ان سے راضی، اس کے بعد جنت میں بھی ان سے راضی۔ اور جنت چونکہ ابدالآباد تک رہے گی اور موت کا وجود ختم ہو جائے گا لہٰذا ابدالآباد تک ہم ان سے راضی ہیں۔ تو جس طبقہ کے بارے میں یہ کہا جائے کہ ہم علی الاطلاق ان سے راضی ہیں اور وہ علی

161544
Marfat.com

الاطلاق ہم سے راضی ہیں تو وہ طبقہ یقیناً بحیثیت طبقے کے مقدس ہے۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال کی تقدیس الگ کی گئی اور ان کے اخلاق کی تصدیق الگ کی گئی۔ ان کے مقامات کو مقدس الگ بتلایا گیا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح:۲۹)

''محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر شدید ہیں اور مومنوں کے لیے رحیم۔''

یعنی جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں ان کی شان یہ ہے کہ وہ کفر کے بارے میں شدید اور سخت ہیں اور مومنوں کے بارہ میں رحیم اور رقیق القلب ہیں۔ یہ ان کے مقامات کی تعریف و تحسین کی گئی کہ ان کے قلبی مقامات میں سے دو مقام یہ ہیں کہ ایمان کے سامنے اٹل اور کفر کے بارے میں بہت شدید اور سخت ہیں۔ کفر کا چھوٹے سے چھوٹا جزو بھی آ جائے اس کے سامنے جھک نہیں سکتے۔ کفر کی ہر شے کا رد کرتے ہیں۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے ایک اور طریقے سے بھی بیان فرمایا۔

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ (الحجرات:۷)

''یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے لیے خوشنما بنا دیا ہے اور کفر، گناہ اور نافرمانی کی نفرت پیدا کر دی ہے۔''

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایمان میں فرائض و مستحبات وغیرہ کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں کفر، فسوق اور عصیان کی تفصیل اختیار کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کامل فرائض و مستحبات کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس لیے ایمان کی محبت یہ ہے کہ بلا تفصیل اس کے تمام احکام کی محبت ہو، اس کے مقابل حالت بعض مرتبہ کفر ہو گی اور بعض مرتبہ صرف فسوق و عصیان کی حد تک رہے گی۔ مومن کامل کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف کفر سے نہیں بلکہ فسوق و عصیان سے بھی نفرت رکھے۔ یہ تین الفاظ اس لیے رکھے گئے ہیں

Marfat.com

کہ ہر فسق وعصیان کفر نہیں ہے اور نہ ہر عصیان فسق ہے۔ (کتاب الایمان: ص ۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں نہ صرف کفر کے لیے نفرت تھی بلکہ فسق وعصیان بھی ان کے لیے قابل نفرت شے تھے کیونکہ وہ سب سے زیادہ کامل الایمان اور نگاہ نبوت نے ان کے دلوں کو مزکی اور مصفی کر دیا تھا جس طرح ایک نفیس طبیعت اور پاکیزہ خصلت انسان گندگی اور غلاظت سے نفرت کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ نفرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں نہ صرف کفر بلکہ فسق وعصیان کے لیے بھی تھی اور یہ نفرت ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ڈالی تھی۔ اسی لیے قرآن حکیم میں ان کے لیے فرمایا گیا تھا:

﴿تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾

(الفتح:۲۹)

''انہیں جب دیکھو تو وہ رکوع وسجود میں ہیں، اللہ کی رضا اور اس کے فضل و کرم کے متلاشی ہیں۔''

پہلے قلبی مقامات بیان فرمائے اب ان کے اعمال بتلائے کہ انہیں جب دیکھو عبادت اور طاعت میں ہیں۔ رکوع وسجود میں ان کی جبینیں بارگاہ الوہیت میں جھکی ہوئی ہیں۔ ہر وقت اس کے آگے سجدہ ریز ہیں۔ پھر فرمایا:

﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ (الفتح:۲۹)

''بتایا یہ کہ جب کوئی ظرف بھر جاتا ہے تو پھر وہ چھلکنے لگتا ہے۔''

گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں اس قدر ایمان بھر چکا ہے کہ اب وہ چھلک کر ان کی پیشانیوں پر ظاہر اور نمایاں ہو رہا ہے۔ سجدوں کے آثار ان کی پیشانیوں پر چمک رہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ ان کی پیشانیاں ہر وقت بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز رہتی ہیں۔ یہ ان کے عمل اور ان کے اثرات بتائے گئے۔ پھر فرمایا:

﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾ (الفتح:۲۹)

''ان کی شانیں تورات میں بھی اور انجیل میں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔''

جب تورات وانجیل میں بھی ان کی شانیں بیان کر دی گئی ہیں تو پتہ چلا کہ پہلے سے انبیاء علیہم السلام انہیں سراہتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ تو پہلے انبیاء علیہم السلام نے ان کو الگ سراہا۔

Marfat.com

سید المرسلین ﷺ نے ان کو الگ سراہا۔ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن حکیم میں ان کی شانوں اور مناقب کو الگ بیان کیا اور قرآن چونکہ ہمیشہ رہے گا لہٰذا قیامت تک بلکہ قیامت کے بعد جنت میں بھی ان کے لیے رضا کا پروانہ جاری کر دیا گیا (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ) اور اس طرح بتایا کہ یہ طبقہ مقدس اور ہر قسم کے کھوٹ سے اور نیتوں کی خرابی سے بری ہے۔

ہاں اجتہادی غلطی اور خطا ہو سکتی ہے۔ خطائے اجتہادی تو انبیائے کرام علیہم السلام سے بھی ممکن ہے۔ وہ فکری خطا ہوتی ہے اور یہ عصمت کے منافی نہیں۔ اس کو معصیت نہیں کہتے۔ فرق اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اگر کبھی خطائے اجتہادی کرتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ انہیں فوراً راہ صواب پر پہنچا دیتے ہیں، لیکن غیر نبی اگر خطائے اجتہادی کرے وہ اس کے اوپر باقی رہ سکتا ہے، ضروری نہیں کہ اسے راہ صواب پر لایا جائے، مگر اس کی خطا پر بھی اسے اجر دیا جاتا ہے اس لیے کہ وہ فکری خطا ہے، نیت اور ارادے کی خطا نہیں، صورت عمل کی خطا ہے، تو جس طرح انبیاء علیہم السلام کی نیتیں پاک اور مقدس ہیں، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں بھی فرمایا کہ ان کے عمل بھی مقدس اور پاک، قلبی مقامات بھی پاک، کوئی ان میں کھوٹ نہیں، زر خالص ہیں۔ نیتیں بھی مقدس اور پاک ہیں، ارادے بھی مقدس اور پاک ہیں، فکری طور پر یا اجتہادی خطا واقع ہو یہ کوئی معصیت نہیں، کوئی برائی نہیں۔ یہ تو بڑے سے بڑے کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اس سے تو زیادہ سے زیادہ مخلوقیت ثابت ہوتی ہے، اور یہ کوئی عیب اور برائی نہیں۔ علم الٰہی ہے ہر قسم کی خطا سے بری اور پاک ہے لیکن مخلوق کے علم میں خطا آ جانا ممکن ہے۔ تو مخلوق ہونا کوئی برائی نہیں، کوئی عیب نہیں۔ انبیاء علیہم السلام بھی مخلوق ہیں، ملائکہ بھی مخلوق ہیں، اولیاء بھی مخلوق ہیں۔ خالق تو صرف ایک ہی ہے۔ بہر حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے شک مخلوق ہیں لیکن مخلوق ہونے کے بعد ان کا ظاہر و باطن، ان کا قلب و قالب مقدس اور پاک ہے۔

کہا جا سکتا ہے اور کہنے والے کہتے بھی ہیں کہ یہ تو ان کے ظاہری اعمال کا تقدس بیان کیا گیا ہے ممکن ہے کہ دلوں میں خرابی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کا رد بھی قرآن حکیم میں فرما دیا:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى﴾ (الحجرات:۳)

''اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ان کے قلوب کا امتحان کر لیا تھا تقویٰ کے معیار پر

Marfat.com

ان کے قلوب کو پرکھ لیا تھا اور یہ اس امتحان میں کامیاب وکامران نکلے۔"

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ (الحجرات:۷)

"یہ سارے کے سارے رشد وہدایت کے پیکر ہیں۔"

ہدایت ان کی اتباع سے ملتی ہے بلکہ یہ ہدایت کی روشنی کے مینار ہیں۔ان کو دیکھ کر لوگ اپنی ہدایت کی راہیں منتخب کرتے ہیں۔پھر فرمایا:

﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً﴾ (الحجرات:۸)

"یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا فضل اور اس کی ایک بہت بڑی نعمت ہے (جو انہیں دی گئی)۔"

تو قلب کو الگ سراہا، قالب کی الگ تحسین کی گئی۔قلبی مقامات اور قالب کے اعمال کو الگ سراہا گیا اور طبقے کی الگ تعریف کی گئی۔

پھر طبقات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تقدیس فرمائی گئی اور ہر طبقہ کا نام لے کر قرآن حکیم نے الگ تقدیس کی۔فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح:۱۸)

"اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے راضی ہو گیا جن سے آپ نے درخت کے نیچے بیعت لی تھی۔"

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈیڑھ ہزار کے قریب تھے۔تو یہ ایک صنف بتلائی گئی جن کو اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دیا۔پھر اصحاب بدر سے اپنی رضا کا اعلان فرمایا۔پھر عشرہ مبشرہ کا نام لے کر ان کو پروانہ رضا دیا گیا۔پھر اصحاب احد کی رضا کا اعلان کیا۔پھر پورے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تقدیس اور رضا کا اعلان کیا گیا۔

پھر نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دیا بلکہ جن مسلمانوں نے ان کی اتباع اور تابعداری کی، ان کو بھی رضا کا پروانہ دے دیا گیا۔چنانچہ قرآن ہی نے فرمایا:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ

Marfat.com

لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ (التوبہ:۱۰۰)

''اور مہاجرین اور انصار میں سے (نیکی میں) سبقت کرنے والے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے، اور جن مسلمانوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔''

گویا بتایا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا اور اس سے راضی ہو گا جو مہاجرین اور انصار کی اتباع بالاحسان کرے گا اور ان کے لیے نیک کلمات کہے گا۔ پس جس کو جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا چاہیے وہ مہاجرین اور انصار کی اتباع بالاحسان (نیکی میں اتباع) کرے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف خود جنتی ہیں بلکہ ہر وہ شخص بھی جنتی ہے اور اللہ کی رضا کا مستحق ہے جو ان کی نیکی میں تابعداری اور اتباع کرتا ہے اور اس آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ راضی ہے اور جن سے اللہ راضی ہو انہیں اس کو کیا پروا کہ کوئی دوسرا ان سے راضی ہو یا ناراض ہو۔ اور ایک بات اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوئی کہ اتباع صرف اس کی کرنی چاہیے جس سے اللہ راضی ہو۔ ہرا یرے غیرے کی اتباع سے روک دیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

من كان مستنا فليستن بمن قدمات، فان الحی لاتؤمن عليه الفتنة، اولئك اصحاب محمد ﷺ كانوا افضل هذه الامة، ابرها قلوباً واعمقها علماً، واقلها تكلفاً، اختارهم الله لصحبة نبيه، ولاقامة دينه، فاعرفوا لهم فضلهم، واتبعوا علىٰ آثارهم، وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم، فانهم كانوا علی الهدیٰ المستقيم۔ (مشکوٰۃ:ص۳۲)

''جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہے اسے چاہیے کہ وہ فوت شدہ لوگوں کی پیروی کرے کیونکہ زندہ کو فتنہ سے محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ فوت شدہ حضرات اصحاب رسول ﷺ

Marfat.com

ہیں، جو اس امت میں سب سے افضل تھے، ان کے دل نیک تھے، ان کا علم گہرا تھا، وہ تکلف سے بہت دور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور اس کے دین کی اقامت کے لیے چن لیا تھا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو۔ ان کے نقش پا کی پیروی کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق اور ان کی عادات سے سند پکڑو، بے شک وہ سیدھی راہ پر تھے۔''

امام بصری رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

اختارهم الله لصحبة نبيه ونقل دينه فتشبهوا باخلاقهم وطرائقهم، فهم كانوا على الهدى المستقيم۔ (شرح السنہ: ۲۱۴/۱)

''اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت کے لیے چن لیا اور اپنے دین کو اگلی نسلوں تک پہنچانے کے لیے، سو ان کے اخلاق اور طریقوں کو اپناؤ، وہ سب راہ مستقیم پر تھے۔''

جو ان کے نقش قدم پر چلتا ہے، وہی راہ مستقیم ہے وگرنہ پھر بدعت کی راہیں اس کے لیے کھلی ہیں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد كفيتم۔ (الاعتصام للشاطبی: ۵۴/۱)

''ہمارے (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے نقش پا پر چلتے رہو، دین میں نئی نئی باتیں نہ نکالو، ہماری پیروی تمہارے لیے کافی ہے۔''

اور امام نووی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں اپنے جذبات کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا:

انهم ائمة الاعلام، وقادة الاسلام، يقتدىٰ بهم فى عصرهم وبعدهم۔ (نووی شرح مسلم: ۳۸۲/۱)

''بے شک یہ حضرات بہت بڑے پیشوا تھے اور یہی لوگ قافلہ اسلام کے قائد تھے، ان کے اپنے وقتوں میں بھی ان کی اقتداء اور پیروی ہوتی تھی اور ان کے بعد بھی ہوگی۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس حیثیت کا بہت احساس تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

انكم ايها الرهط ائمة يقتدى بكم الناس۔ (موطا امام مالک: ص ۱۳۲)

''اے اس گروہ (صحابہ) کے لوگو! تم امام ہو، لوگ تمہاری اقتداء اور پیروی کریں گے۔''

Marfat.com

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خود بھی اپنی اس حیثیت سے بخوبی آشنائی تھی۔ چنانچہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب گھر میں نماز پڑھتے تو طویل نماز پڑھتے، رکوع وسجود بھی طویل کرتے اور جب مسجد میں نماز پڑھتے تو جلدی کرتے۔ آپ کے صاحبزادے مصعب رحمہ اللہ نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

یا بنی! انا ائمة یقتدی بنا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲/۳۶۷، مجمع الزوائد: ۱/۱۸۲)

''اے میرے بیٹے! بے شک ہم لوگ امام ہیں ہماری اقتداء امت میں کی جاتی رہے گی۔''

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے ان کے ایمان کو لوگوں کے لیے معیار بنایا اور فرمایا:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ﴾ (البقرہ: ۱۳۷)

''اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جس طرح (اے صحابہ!) تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت یافتہ ہوئے، اور اگر وہ منہ موڑیں تو وہ اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لیے حق کا نمونہ بھی ہیں اور قیامت تک کے لیے لوگوں کے لیے معیار حق و ایمان بھی یعنی ایمان وہی معتبر ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا ہو اور دین و ایمان کی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان سے مختلف ہو کر اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہو۔

ان کا ایمان کیسا تھا؟ جس کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے معیار حق بنایا۔ جب کہ سورۂ حجرات میں بتایا گیا ہے ایمان ان کے ہاں محبوب ترین شئے بن گیا تھا۔ وہ اسلام کے فائدے سے اس طرح خوش ہوتے تھے جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے کی کامیابی سے خوش ہوتا ہے اور اسلام کو اگر کوئی نقصان پہنچتا تھا تو وہ اسی طرح بے چین اور بے سکون ہو جاتے تھے جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کے متعلق کوئی ناخوشگوار خبر سن کر تڑپ اٹھتا ہے، اور اس وقت تک اسے چین نہیں آتا جب تک وہ اس کی صحیح طور پر تلافی نہ کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کوئی فوق البشر مخلوق نہ تھے۔ وہ انسان تھے اور ایک

Marfat.com

ایسے معاشرہ میں پیدا ہوئے جہاں ہر طرف کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے تھے۔ بداخلاقی کا بھوت ہر طرف ننگا ناچ رہا تھا، زنا اور دوسری اخلاقی بیماریوں کے جراثیم پوری سوسائٹی کو اس طرح کھا رہے تھے جس طرح تپ دق کے جراثیم پھیپھڑوں کو کھا جاتے ہیں۔ ان حالات میں انہوں نے داعی اسلام کی دعوت پر لبیک کہا۔ بس لبیک کہنا تھا کہ مصائب کے پہاڑ حق کے ان علم برداروں پر ٹوٹنے شروع ہوئے لیکن وہ صبر اور اولوالعزمی سے ان کو برداشت کرتے رہے۔ حوادثات کے طوفانوں میں بھی توحید کی شمع کو ہر قیمت پر روشن رکھا۔ ان کے اخلاص و عمل کا یہ حال تھا کہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ:

”ہر شخص جو ان کی زندگی کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انہوں نے راہ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوش حالی اور روح کے کامل سرور کے ساتھ اپنی زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں۔ ان میں جو لوگ اول دعوت میں ایمان لائے تھے ان پر شب و روز کی جان کاہیوں اور قربانیوں کے پورے تیئس برس گزر گئے لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہو۔ انہوں نے مال و علائق کی ہر قربانی اس جوش و مسرت کے ساتھ کی گویا دنیا و جہان کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لیے فراہم ہو گئیں ہیں۔ اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوشی خوشی گردنیں کٹوا دیں گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں موت میں تھی۔“ (ترجمان القرآن: ۱۴۳/۲)

اپنی اس تفسیر میں ایک اور مقام پر مولانا آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”محبت ایمان کی اس آزمائش میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے اور وہ محتاج بیان نہیں۔ بلا شائبہ و مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ حق میں کیا۔ انہوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اس کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے۔“

(ترجمان القرآن: ۱۲۶/۲)

Marfat.com

صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کے حالات زندگی پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان نہیں تھے ملاء اعلیٰ کے مقدس فرشتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی پاکیزگی کے لیے آدمیوں کی شکل میں بھیج دیا تھا اور جب کبھی دنیا کی سعادت و برکت کے دن آتے ہیں تو خدا زمین کے انسانوں ہی سے آسمانی فرشتوں کا کام لے لیتا ہے۔ وگرنہ آسمان کے فرشتے تو کبھی انسانی آبادیوں میں آکر آباد نہیں ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دنیا میں فرشتوں والا کام کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ صفت سب سے انوکھی تھی کہ انہوں نے اپنے ایک معاصر رسول کو پہچانا اور اس کا ساتھ دیا۔ یہ کام اتنا مشکل ہے کہ پوری تاریخ عالم میں جماعت کی سطح پر صرف اور صرف ایک بار پیش آیا ہے۔ ماضی کی تاریخ کے ہر دور میں یہ قصہ پیش آیا کہ رسولوں کے مخاطبین نے ان کا انکار کیا اور ان کا استہزاء اور مذاق اڑایا۔ وہ قدیم نبیوں کو مانتے تھے لیکن وقت کے نبی کا انکار کرتے تھے اور اس کے لیے ان کے پاس استہزاء اور تمسخر کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یہود نے معاصر رسول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور اپنے خیال کے مطابق ان کو صلیب پر چڑھایا، کانٹوں کا تاج ان کے سر پر رکھا حالانکہ وہ قدیم رسول موسیٰ علیہ السلام کو مانتے تھے۔ نصاریٰ نے قدیم رسول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف نبی بلکہ خدا کا بیٹا تسلیم کیا لیکن معاصر رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ اسی طرح قریش مکہ دعویدار تو دین ابراہیمی کے تھے اور اپنے کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا وارث ہونے پر فخر کرتے تھے، لیکن اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف انکار کیا بلکہ ان پر پتھروں کی بارش کی، مصائب کے پہاڑ توڑے، راستے میں کانٹے بچھائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کو گھر سے نکالا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم نبی کی نبوت تاریخی روایات کے نتیجے میں مسلمہ نبوت بن جاتی ہے اور وہ کسی قوم یا امت کے قومی اثاثہ کا ایک لازمی جزو ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے نبی کو کون نہیں مانے گا جس کی نبوت ثابت شدہ ہو لیکن وقت کے نبی کی نبوت مسلمہ نہیں بلکہ متنازعہ نبوت ہوتی ہے اس کو ماننے کے لیے ظواہر کے پردہ کو پھاڑ کر حقیقت کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اس کا ساتھ دینے کے لیے اپنی انا کو دفن کرنا ہوتا ہے۔ اس کی نبوت چونکہ لوگوں کے نزدیک ابھی ثابت شدہ نبوت نہیں ہوتی لہٰذا اس کے مشن کی راہ میں اپنا سرمایہ صرف کرنا ایسے مشن کی راہ میں اپنا سرمایہ خرچ کرنا ہوتا ہے جس کے مستقبل سے ابھی ناآشنائی ہوئی ہے اور جس کا برسرحق ہونا ابھی اختلافی ہوتا ہے۔ جس کے بارے میں تاریخ کی تصدیقات ابھی اکٹھی نہیں ہوئی ہوتیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ لوگ

Marfat.com

تھے جنہوں نے معاصر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مانا جس طرح کوئی شخص تاریخی رسول کو مانتا ہے۔

اس کی مثال تاریخ میں یوں ہے کہ غزوۂ خندق میں دس ہزار افراد پر مشتمل کافروں نے مدینہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا، مسلمان نہایت پریشانی کی حالت میں تھے، سخت سردی کا موسم تھا، ہر طرف سرد ہوائیں چل رہی تھیں، کپڑے پھٹے ہوئے، پیٹ میں بھوک بلکہ کئی کئی دن کا فاقہ اور قرآن حکیم نے ان کی کیفیت کو یوں بیان فرمایا:

"مسلمانو! یاد کرو اس وقت کو جب دشمن تمہارے سر آ پہنچا تھا، اوپر کی جانب سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور نگاہیں خیرہ ہوگئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کیے جانے لگے۔"

ان حالات میں مسلمانوں کے لیے معمولی ضروریات زندگی کی فراہمی بھی نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہوگئی۔ ان حالات میں ایک مسلمان کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا:

کان محمد یعدنا أن ناکل کنوز کسریٰ و قیصر واحدنا لا یأمن ان یذھب الی الغائط۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱۴۴/۲)

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے حاصل کریں گے جبکہ حالت یہ ہے کہ ہمارا ایک شخص بیت الخلاء جانے کے لیے بھی محفوظ نہیں۔"

قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے حاصل کرنے کا وعدہ بھی اس جنگ خندق ہی میں کیا گیا تھا جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال سے اس بھاری چٹان کو توڑا جو خندق کی کھدائی میں آڑے آئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: بخدا! ملک شام کی کنجیاں مجھے دی گئی ہیں۔ میں شام کے سرخ محلوں کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ بخدا! مجھے ملک فارس کی کنجیاں عطا کی گئیں ہیں اور مدائن کے قصر ابیض کو میں اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

(فتح الباری: ۳۰۴/۷۔۳۰۵، نسائی: ۵۶/۲، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۱۱۷)

لیکن اللہ کے رسول کا یہ وعدہ اس وقت صرف ایک لفظی وعدہ تھا۔ آج یہ ایک تاریخی واقعہ بن چکا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس وعدہ کے تاریخی واقعہ بننے سے پہلے رسول کی عظمت و نبوت کو مانا اور ہم آج اس وعدہ کے تاریخی واقعہ بننے کے بعد رسول کی عظمت کو مان رہے ہیں۔

Marfat.com

دونوں کے ماننے میں اتنا زیادہ فرق ہے کہ جتنا زمین اور آسمان میں۔ آج آپ ﷺ کی نبوت کو ماننا اتنا مشکل نہیں جتنا آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی عظمت اور نبوت کو پہچاننا مشکل تھا کہ صرف وہ لوگ اس کو پہچان سکتے تھے جنہیں خدا کی طرف سے خصوصی توفیق ملی ہو اور جن کے دلوں کے دروازے اللہ تعالیٰ نے نبوت کی دعوت کو خوش آمدید کہنے کے لیے کھول دیے تھے۔ ایسی حالت میں رسول کی رسالت کو ماننا مستقبل میں ظاہر ہونے والے واقعہ کو حال میں دیکھنا تھا۔ ایک چھپی ہوئی حقیقت کو اس کے ثابت شدہ بننے سے پہلے پالینا تھا، اور نبوت کے لیے اپنی عظمت کو کھو کر دوسرے کی عظمت میں گم ہونا پڑتا تھا۔ یہ اپنے مقابلے میں دوسری شخصیت کا اعتراف کرنا تھا اور وہ بھی ایسی شخصیت کا جس کی حقیقت ابھی مسلم نہ ہوئی ہو۔ اگر آج کوئی رسول ﷺ کی نبوت کو تسلیم کرتا ہے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ آج رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت بن چکی ہے۔ اس شخص کے ایمان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان سے کوئی نسبت ہی نہیں کیونکہ آج کا مومن تاریخ کے اختتام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کو تسلیم کر رہا ہے جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تاریخ کے آغاز پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کو مانا تھا۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن حکیم نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا﴾ (الحدید:۱۰)

"تم میں سے جو لوگ فتح (مکہ) کے بعد (اللہ کے راستہ میں ملا) خرچ کریں اور جہاد کریں، وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اپنے مال اللہ کے راستہ میں) خرچ کیے اور (اس کے راستہ میں) جہاد کیا۔ ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔"

وجہ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غیر ثابت شدہ صداقت و حقیقت کے لیے مال خرچ کیا لیکن آج اگر کوئی شخص دین کے نام پر مال خرچ کرے تو یہ عین ممکن ہے کہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے درمیان مقبولیت کی صورت میں اس کو بہت جلد اپنے انفاق سے زیادہ بڑی شئے مل جائے لیکن اصحاب رسول ﷺ کے زمانہ میں صورت حال مختلف تھی۔ اس وقت دین کے لیے مال

Marfat.com

خرچ کرنا دیوانگی کا خطاب پاتا تھا۔ اس وقت ایسا اقدام ایسی تحریک کے خانہ میں لکھا جانے والا تھا جس کی صداقت ابھی لوگوں کے نزدیک مشتبہ تھی۔ جس کی پشت پر تاریخ کی تصدیقات ابھی اکٹھی نہیں ہوئی تھیں۔ گویا یہ ایک غیر مسلمہ مد میں اپنا مال پیش کرنا تھا جب کہ آج کا مسلمان ایک مسلمہ مد میں اپنا اثاثہ پیش کرتا ہے۔

ابونعیم نے امام حسن بصری رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا:

لقد ادركت سبعين بدرياً اكثر لباسهم الصوف، ولو رايتموهم لقلتم مجانين، ولو رأوا اخياركم فقالوا مالهؤلاء من خلاق، ولو رأوا شراركم، لقالوا مايؤمن هؤلاء بيوم الحساب۔ (حلیۃ الاولیاء: ۱/۳۰۵)

”میں نے ستر بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے۔ ان کا لباس زیادہ تر صوف کا ہوتا تھا، اگر تم ان کو دیکھتے تو کہتے یہ پاگل ہیں، اور اگر وہ تمہارے اچھے لوگوں کو دیکھتے تو کہتے کہ ان کا دین میں کوئی حصہ نہیں، اور اگر وہ تمہارے بروں کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ یوم حساب (قیامت کے دن) پر ایمان نہیں رکھتے۔“

حافظ ابونعیم رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل فرمایا ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے زمانہ کے لوگوں کو فرمایا: تم لوگ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نماز روزہ رکھنے والے ہو اور ان سے زیادہ مجاہدہ کرتے ہو، مگر وہ تم سے بہت بہتر تھے۔ لوگوں نے پوچھا: کس وجہ سے؟ فرمایا:

هم كانوا ازهد فى الدنيا وارغب فى الاخرة۔ (حلیۃ الاولیاء: ۶/۱۳۶)

”وہ دنیا سے بہت زیادہ بے رغبت تھے اور آخرت کے بہت زیادہ مشتاق تھے۔“

ایسے ہی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا میں نے اپنی آنکھوں سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ آج کوئی شے ان کے مشابہ نہیں۔

لقد كانوا يصبحون صفراً شعثاً غبيراً، وحملت اعينهم حتى قبل لبابهم، والله! فكان القوم باتوا غافلين۔ (البدایہ والنہایہ: ۸/۶)

Marfat.com

''وہ خالی ہاتھ، پراگندہ منہ اور غبار آلود ہو کر صبح کرتے تھے۔ ان آنکھوں سے آنسو کے ذریعہ اتنا پانی ٹپکتا کہ ان کے کپڑے بھیگ جاتے، خدا کی قسم، تم لوگوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے غفلت میں رات گزاری۔''

ایسا کیوں تھا اس لیے کہ وہ اللہ کی طرف سے چنے گئے تھے اور دین اسلام اور پیغمبر اسلام کی انہوں نے اس طرح مدد کی کہ چشم آفتاب نے آج تک ایسے لوگ نہیں دیکھے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چن لیا۔ رسالت کے لیے آپ کی بعثت فرمائی، آپ کو آپ کے علم کی وجہ سے منتخب فرمالیا۔

ثـم نظر في قلوب الناس بعده، فاختار الله له اصحاباً فجعلهم انصار دينه و وزراء نبيه صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الاستیعاب:۶/۱)

''پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کو دیکھا اور آپ کے لیے آپ کے اصحاب کو چن لیا اور ان کو اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی کا وزیر بنایا۔''

بات طویل ہوتی جارہی ہے لیکن ''لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم'' صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر لذیذ اتنا ہے کہ خود بخود دراز کرنے کو جی چاہتا ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمارے قرآن اور حدیث نبوی کے اولین راوی ہیں۔ ان کی ذواتِ مقدسہ اگر مجروح کردی جائیں تو گویا قرآن وحدیث مجروح ہوگئے کیونکہ جب کسی کلام کے اولین راوی ہی عادل اور صادق نہ ہوں تو وہ کلام ناقابل اعتماد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں امام ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی اور تنقیص کر رہا ہو تو جان لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں، قرآن حکیم برحق ہے اور یہ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی نے پہنچائی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذوات میں نقص نکالنے والے اور ان کی عیب جوئی کرنے والے یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے ان گواہوں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو مجروح کردیں تاکہ قرآن وسنت کو باطل کیا جاسکے۔ وہ (لوگ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عیب نکالتے ہیں وہ خود جرح کے لائق ہیں (وهن زنادقه) اور یہ لوگ زندیق ہیں۔''

(تاریخ ابوزرعہ:۴۱۲/۱، کفایہ:۴۹)

Marfat.com

دین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسی مقام کی وجہ سے ان کی پیشوا اور مقتدانہ حیثیت امت میں ہمیشہ مسلم رہی اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ تو ان کی اتباع کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ یہی لوگ قافلہ اسلام کا ہراول دستہ تھے اور اسی وجہ سے ان کے بعد آنے والوں کو تابعین کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متبوعین تھے۔ چنانچہ جلیل القدر تابعی اور خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دینی بصیرت کا ان الفاظ میں تذکرہ فرماتے ہیں:

فارض لنفسك مارضی به القوم لانفسهم فانهم علی علم وقفوا وببصر نافذ كفوا وانهم علیٰ كشف الامور كانوا اقویٰ بفضل ماكانوا فيه اولیٰ فان كان الهدیٰ ماانتم عليه لقد سبقتموهم اليه۔ (سنن ابی داود:۲/۶۳۳)

”تم اپنے لیے وہی (عقیدہ وعمل) پسند کرو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے لیے پسند فرمایا تھا۔ وہ علم پر پوری طرح جمے ہوئے تھے اور دین میں بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ دینی حقائق کے کھولنے کی تم سب سے زیادہ اہلیت کے حامل تھے اور علم وفضل میں وہ تم سب سے زیادہ آگے تھے۔ اگر تم لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ (ان سے ہٹ کر) تم راہ راست پر ہو تو تم اس دعویٰ کے مدعی ہو کر دین میں ان سے آگے نکل گئے۔“

اسی وجہ سے اہل السنّت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ ”الصحابته كلهم عدول“ چنانچہ علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ شرح شفا میں فرماتے ہیں:

”صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام الحرمین (استاذ امام غزالی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، سب کے عادل ہونے پر علماء امت کا اتفاق ہے۔ اس لیے اپنے اپنے اجتہاد کی بنا پر بعض حضرات سے جو کام سرزد ہوئے، ان کی وجہ سے ان پر تنقید کرنا جائز نہیں۔“

(نسیم الریاض:۳/۴۲۶)

عدول کا مطلب یہ ہے کہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متقی پاکباز اور مقدس ہیں۔ امت میں کوئی غیر صحابی بزرگ صحابیت کی گرد راہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس واسطے کہ صحابی وہ ہے جس نے اپنی آنکھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ اپنے کانوں سے بلاواسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس

Marfat.com

کلام سنا ہے۔ یہ شرف کسی غیر صحابی بزرگ کو نصیب نہیں ہو سکتا، تو بلا واسطہ آفتاب نبوت کا نور جس طبقہ نے لیا جو تیزی اس میں ہو گی بالواسطہ نور میں وہ تیزی اور شدت نہیں ہو سکتی۔ وسائط کی وجہ سے کچھ نہ کچھ پھیکا پن ضرور آئے گا۔ سب سے پہلے ایمان کا اثر اور نقش جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب پر پڑا اور جو بلا واسطہ کسب فیض انہوں نے کیا وہ کسی اور نے نہیں کیا۔ ان کی نگاہیں بھی مقدس تھیں ان کے کان اور سماعتیں اور ان کی زبانیں بھی مقدس ہو گئیں اور ان کی ترقی قلوب ہو گئی۔ ان کی کیفیت یہ ہو گئی کہ انہوں نے اپنی ہر قوت کا مصرف یہ سمجھا کہ اس کے ذریعہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رضامندی کا اظہار کرتے جائیں۔ یہی ان کا دین و ایمان تھا۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سارے کے سارے عادل ہیں تو پھر وہ ہماری ہر قسم کی تنقید سے بالا ہیں۔ ہماری ہر حالت سے اونچے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ان کی ذوات کو سامنے رکھ کر اپنے ایمانوں کو جانچیں اور پرکھیں۔ اگر ہمارا ایمان ان کے ایمان کے مطابق ہو جائے تو ہمارا ایمان درست (فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا) ورنہ غلط ہے۔ اگر ہمارے اعمال ان کے اعمال پر منطبق ہو جائیں تو درست ورنہ ہمارے اعمال میں کھوٹ ہے۔ گویا وہ ہمارے ایمان اور اعمال کے پرکھنے کی ایک کسوٹی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ دین اسلام (قرآن و حدیث) کے اولین راوی ہیں۔ اگر ان میں معاذ اللہ کوئی خرابی ہے تو پھر ہمارے دین کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اگر بنیاد میں خرابی پڑ جائے تو ہم پھر صحیح ایمان نہیں لا سکتے۔ ہمارا دین تو انہی کے قدموں کے صدق میں ہے۔ درحقیقت وہ ہمارے ایمان کے پہچاننے کے لیے ایک کسوٹی ہیں، ہمارے علم و عمل کے صحیح اور درست ہونے کے لیے ایک معیار اس لیے کہ علم کی روایت انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے اور عمل کی روایت بھی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نجوم ہدایت تھے۔ ان کے علم و عمل کی روشنی کے بعد ہدایت کی منازل حاصل نہیں ہو سکتیں اور اللہ کے ہاں وہ ایمان ہی قبول نہیں جن پر ان کی چھاپ نہ ہو۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ان صحابہ کا درجہ نہایت بلند ہے جن کو لسان شریعت میں ''عشرہ مبشرہ'' کہا گیا ہے۔ ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات زندگی اس کتاب میں قرآن و سنت اور تاریخ اسلام کی روایات کی روشنی میں بیان کیے ہیں۔ ان کے حالات زندگی سے یہ پتا چلتا ہے کہ قبول اسلام سے پہلے یہ کچھ بھی نہیں تھے، لیکن جونہی اسلام کی دعوت کو قبول کیا اور اتباع رسالت کو اپنا شعار

Marfat.com

بنایا، سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے سانچے میں اپنی سیرت کو ڈھالا تو انہیں صحابیت کی وہ خلعت فاخرہ عطا کی گئی کہ دنیا کے سارے ولی، قطب، غوث اور ابدال مل کر بھی ایک چھوٹے سے چھوٹے صحابی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ انسانیت کے اس کاروان کے قائد اور راہبر ہو گئے جو اپنی منزل کی تلاش میں صدیوں سے بھٹک رہا تھا۔ انہوں نے نہ صرف کاروان انسانیت کی رہبری کی بلکہ مسافر کے دل میں منزل تک رسائی حاصل کرنے کا اتنا ذوق وشوق پیدا کر دیا کہ وہ ہر طرف سے پہلو بچا کر منزل کی طرف بے تابانہ گامزن ہو گیا۔

آخر میں مجھے امید ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ حالات زندگی قارئین کے لیے نہایت سودمند ہوں گے اور انہیں اپنے علم وعمل کو ان کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے آسانیاں حاصل ہو گی اور ساتھ ہی انہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ نگاہ نبوت نے ان ابجد ناشناس لوگوں کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

حکیم محمود احمد ظفر

Marfat.com

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نام ونسب

نام عبداللہ، کنیت ابوبکر، لقب صدیق اور عتیق، والد کا نام عثمان کنیت ابوقحافہ، والدہ کا نام سلمہ کنیت ام الخیر، رشتہ کے لحاظ سے اپنے شوہر کی چچازاد بہن تھیں۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کی ایک شاخ تیم سے تھا۔

والد کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن غالب فہر بن مالک بن کنانہ۔

اور والدہ کا نسب نامہ یہ ہے:

سلمٰی بن صخر بن عمرو بن کعب۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ عثمان اشراف مکہ میں سے تھے اور عمر کی کافی منزلیں طے کر چکے تھے جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا۔ یہ فتح مکہ کے روز حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ سیدنا ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے بڑی لمبی عمر پائی اور ۱۴ھ میں ۹۷ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ (الاصابہ: ج۲)

آپ کی والدہ سیدہ ام الخیر سلمٰی بنت صخر اپنے شوہر سے پہلے اسلام لائی تھیں۔ انہوں نے بھی طویل عمر پائی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد لیکن اپنے شوہر ابوقحافہ سے قبل انتقال فرمایا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ عام الفیل سے اڑھائی سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً تین برس

Marfat.com

چھوٹے تھے۔ والدین نے نام عبداللہ رکھا۔ آپ کا لقب صدیق تھا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کی رات جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ اس واقعہ کی تصدیق کون کرے گا؟ انہوں نے کہا ابوبکر آپ کی تصدیق کریں گے کیونکہ وہ صدیق ہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۱۰۷/۳) اور ابن قتیبہ نے بھی لکھا ہے:

وسمی صدیق لتصدیقه خبر الاسراء۔ (المعارف: ص ۷۳)

''یعنی آپ معراج کی خبر کی تصدیق کی وجہ سے ''صدیق'' کے نام سے موسوم کیے گئے۔''

آپ کا ایک لقب عتیق بھی ہے۔ اس کے معنی حسین و جمیل کے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ خوبصورتی اور حسن و جمال کا مجسمہ تھے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ عتیق کا لفظ ''عتق'' سے مشتق ہے جس کے معنی آزاد کرنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہ پاتا تھا۔ جب آپ پیدا ہوئے تو وہ آپ کو گود میں لیتے ہوئے قبلہ رو ہوئیں اور بارگاہ الوہیت میں دعا کی: ''اللھم ان ھذا عتیقك من النار فھبه لی۔'' لیکن حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دوعالم ﷺ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا تھا:

انت عتیق اللہ من النار۔ (ترمذی: ج ۲)

''تم اللہ کی طرف سے جہنم سے آزاد ہو۔''

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنا پہلا تجارتی سفر اٹھارہ سال کی عمر میں کیا۔ آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ بہت بڑا تاجر ہونے کے ناطے اور عقل و فہم اور اصابت رائے کی وجہ سے قریش میں اشناق کی خدمت آپ کے ذمہ تھی یعنی اگر کوئی قتل کا واقعہ پیش آجاتا تو قاتل سے دیت اور خون بہا لینے کا معاملہ ان کے ذمہ ہوتا۔ علم الانساب میں بھی آپ کا ایک خاص مقام تھا۔ (سیرت حلبیہ: ۳۰۸/۱)

دنیوی مہمات میں قریش آپ سے مشورہ طلب کرتے تھے اور پھر اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ آپ اس قدر صاحب جود و سخا تھے کہ ناواقف لوگوں کی حاجت روائی میں ضرب المثل تھے۔ تمام قریش میں تعبیر خواب میں بھی اپنی نظیر آپ تھے۔ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ جو علم تعبیر میں یکتائے روزگار تھے، فرمایا کرتے تھے: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام امت میں تعبیر خواب میں فائق اور ماہر تھے۔'' (سیرت حلبیہ: ۳۰۹/۱)

Marfat.com

قبول اسلام

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ سے ایک خاص محبت تھی جس سے دوستی کا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ ان دیرینہ تعلقات کی وجہ سے آپ قریباً ہر روز آپس میں ملتے تھے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم پر کوئی ایسا دن نہیں گزرا جب رسول اللہ ﷺ صبح وشام ہمارے گھر نہ آتے ہوں۔ (بخاری: ۵۵۲/۱)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ واحد شخص ہیں جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اس قدر گہرے تعلقات تھے۔ یہ تعلقات قبل بعثت استوار ہوئے اور آخر تک قائم ودائم رہے۔ چنانچہ اسی دوستی کے ناتے اور گزشتہ صحبتوں کے تجربات کی وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے جونہی آپ نے اسلام پیش کیا تو آپ نے اسے اسی وقت قبول کرلیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۹/۳)

کتابوں میں ہے کہ کچھ قریشی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: ''ابوبکر! تمہارے دوست جنون (مراد رسول اللہ ﷺ) کا شکار ہو گئے ہیں۔'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیسے؟ جواب دیا کہ وہ ایک معبود کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور اپنے بارے میں نبی ہونے کا گمان رکھتے ہیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''انہوں نے واقعی ایسا کہا؟'' قریش نے کہا: ''ہاں، ہاں۔''

اس گفتگو کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: ''ابوالقاسم! آپ کی بابت مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ ایک معبود کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے مجھے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔ مجھے تمام انسانوں کے لیے رسول ہونے کا شرف بخشا ہے۔

ابوبکر نے کہا: ''میں نے آپ سے کبھی بھی جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا۔ امانت داری، صلہ رحمی اور حسن افعال کے سبب آپ رسالت جیسے عظیم منصب کے اہل بھی ہیں۔ اور یہ قبا آپ پر سجتی بھی ہے۔ آپ ہاتھ بڑھائیں تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت اسلام کروں۔''

چنانچہ آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھایا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی بیعت کرکے آپ کی رسالت کی تصدیق کی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دعوت اسلام کے قبول کرنے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں کی۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت رسالت کرنے کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی ذات اور اہل وعیال سے ہی نہیں بلکہ دنیا و مافیہا سے بڑھ کر آپ ﷺ کو محبوب رکھتے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جناب رسالت مآب سے جو محبت تھی اس کا اظہار ہر جگہ، ہر قدم اور ہر بات میں ہوتا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ پر کعبۃ اللہ میں مشرکین کے حملہ کے وقت تنہا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا دفاع کیا اور کافروں سے فرمایا:

''تم اس مرد کامل کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب ایک اللہ ہے۔''

پھر خاص طور پر اس کا اظہار ہجرت کے وقت ہوا جب جناب رسول اللہ ﷺ غار ثور میں داخل ہونے لگے، لیکن آپ ﷺ سے پہلے ابو بکر رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے تا کہ حشرات الارض اور موذی جانوروں سے اس کو صاف کر سکیں۔ اور اظہار محبت کا ایک خاص موقع ہجرت ہی کے دوران راستہ میں ہوا جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کبھی آپ ﷺ کے پیچھے چلتے تو کبھی آگے۔ کبھی دائیں چلتے تو کبھی بائیں۔ سرور کائنات ﷺ نے پوچھا:

''ابو بکر! یہ کیوں؟'' جواباً عرض کیا:

''میں پیچھے سے خطرہ محسوس کرتا ہوں اور کسی کی آہٹ سنتا ہوں تو پیچھے چلنا شروع ہو جاتا ہوں اور اسی طرح کسی دوسری جانب سے آہٹ پاتا ہوں تو اس طرف ہو جاتا ہوں۔''

مختصر یہ کہ محبت کا وہ کون سا پہلو ہے جس سے جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ متصف نہیں ہوئے۔ ہر وہ مقام جہاں رسول اللہ ﷺ کی محبت نے تقاضا کیا، ابو بکر رضی اللہ عنہ سب سے آگے تھے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اس محبت کا جواب سرور کائنات ﷺ نے اسی طرح محبت و پیار سے دیا۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا یہ قول سب سے بڑی سند ہے۔

''اگر میں کسی کو خلیل (دوست) بناتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی اس اعزاز کے مستحق ہوتے، لیکن وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں۔'' (بخاری: ۱۷/۷، مسلم: ۱۸۵۵/۴)

ایک موقع پر سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو سب سے بڑھ کر محبوب کون ہے؟ فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا'' سوال ہوا مردوں میں سے؟'' فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد۔''

(ترمذی: ۷۰۷/۵)

سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آگے آگے چل رہا تھا۔ فرمایا: ''اس شخص کے آگے نہ چلو جو تم سے ہر اعتبار سے بہتر ہے۔ بے شک ابو بکر رضی اللہ عنہ ایسی بابرکت شخصیت ہیں کہ (انبیاء علیہم السلام) کے سوا کسی ایسی صاحب خیر شخصیت پر سورج طلوع یا غروب نہیں ہوا۔'' (مجمع الزوائد: ۹/۴۴)

اپنی آخری بیماری کے زمانے میں آپ نے ارشاد فرمایا:

''مسجد میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کے سوا سب کے دروازے کھڑکیاں بند کر دی جائیں۔''

(بخاری: ۷/۲۲۷)

مزید ارشاد فرمایا کہ

''ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر مجھ پر کسی کا احسان نہیں۔ انہوں نے اپنی جان و مال پر ہر طرح مجھے ترجیح دی اور اپنی صاحب زادی میرے حبالۂ عقد میں دے دی۔''

(معجم کبیر طبرانی: ۱۱/۱۹۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مجھ پر جس نے بھی کوئی احسان کیا میں نے اس کا بدلہ چکا دیا۔ اس کلیہ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ مستثنیٰ ہیں کہ ان کے احسانات کا بدلہ صبح قیامت حق تعالیٰ شانہ عطا فرمائیں گے۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مال سے بڑھ کر مجھے کسی کے مال نے نفع نہیں دیا۔'' (ترمذی)

زمانۂ رسالت میں لوگ اس تعلق خاطر کو بخوبی پہچانتے تھے۔ ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے معاملے میں اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ جب دونوں کے درمیان نزاع کی شکل پیدا ہوئی۔ سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ کے مسلم افراد ان کے پاس آئے تاکہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شکایت بارگاہ رسالت میں کی جائے۔ ربیعہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

''معلوم ہے ابو بکر رضی اللہ عنہ کون ہے؟ وہ ثانی اثنین ہیں۔ اسلام میں قدیم ترین، جن کے مقابلے میں تمہارے آدمی کی کوئی حیثیت نہیں۔ قوم نے انہیں بھڑکانا چاہا، لیکن متاثر نہ ہوئے۔ (ارشاد فرمایا) تم چاہتے ہو کہ ان کے مقابلے میں اقدام کروں، اس کا انجام ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ناراضی ہوگا اور پھر یہ سلسلہ یہیں نہ رکے گا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ناراضی سے سرکار دو عالم ﷺ بھی ناراض ہوں گے اور ان دونوں کی ناراضی اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا

Marfat.com

سبب ہوگی اور اس کا انجام ربیعہ کی ہلاکت ہوگی۔" (خلفائے راشدین، شیخ خالد البیطار)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میرے پاس جبریل آئے۔ میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے (لے جا کر) جنت کا دروازہ دکھلایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوبکر! تو میری امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔"

امانت یا ابابکر اول من یدخل الجنة من امتی۔

(سنن ابی داوود: ۲/۶۴۰، جامع الاصول، رقم: ۶۴۰۴)

یہ حدیث سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سابق الایمان ہونے کی واضح دلیل ہے۔ کیونکہ یہ مسلمہ بات ہے کہ جنت کا داخلہ سبقت ایمانی پر ہوگا۔ (الواقعہ: ۱۰)

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی شک اور تردد کے فی الفور دعوت اسلام کو قبول کیا۔ ایک لحظہ کی سوچ و بچار کے بغیر بس فوراً ہی آپ نے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اسلام کے اعلان میں آپ کی شجاعت کا کیا حال تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جس کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی اسی نے غور و فکر کے لیے مہلت مانگی۔

بعض وہ لوگ تھے جو اپنے اہل و عیال اور خاندان کا حساب لگانے میں مصروف تھے، اور بعض تجارت کی فکر میں پڑ گئے کہ قبول اسلام کے بعد ان کا انجام کیا ہوگا۔ بعض اپنی چودھراہٹ کے چکر میں پڑ گئے کہ مسلمان ہونے کے بعد یہ باقی رہے گی یا نہیں۔

غور و فکر کے بعد کچھ ایمان لائے اور کچھ اعلان کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ بعض محض اتنی بات پر رہ گئے کہ یہ دعوت بڑی عجیب ہے۔ اور کلام رسول کا حسن خوب ہے۔ اس سے آگے وہ قدم نہ اٹھا سکے۔ بعض شرائط لگانے لگے کہ آپ کے بعد نبوت اور حکومت کی وراثت ان کا حق ہو اور زمین کی چودھراہٹ انہیں ملے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ...... وہ اس طرح ایمان لائے کہ کسی چیز کی پروا نہ کی۔ لوگوں کے لیے جو خطرات تھے وہ کوئی خطرہ ان کے سامنے نہ تھا حالانکہ وہ ایک تاجر تھے۔ ان کے پاس مال و متاع تھا، نفع مندی کے مسائل تھے، معاشرتی وجاہت و عزت تھی، خاندان تھا، اہل و عیال تھے اور دوست احباب تھے۔ اس سب کچھ کے باوجود اسلام کی راہ میں کوئی رکاوٹ آڑے نہ آ سکی، حالانکہ بہت سے خطرات آپ کے سامنے تھے لیکن آپ نے کسی چیز کی پروا نہ

Marfat.com

کی۔ دعوت اسلام سنی تو دنیا اور اس کے جملہ مفادات کو پوری قوت و جرأت کے ساتھ تج دیا۔

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ دعوت کو کھلے بندوں قبول کیا۔ اعلانیہ نماز پڑھی۔ اعلانیہ قرأت کی بلکہ اپنے احباب کے پاس گئے اور انہیں کھلے بندوں دعوت دی۔ اس کا نتیجہ واضح تھا کہ ان کے احباب کم سے کم تر ہو گئے بلکہ انہوں نے دشمنی کا رویہ اختیار کیا اور آپ سے قطع تعلقی کر لی، لیکن آپ نے اس کی کوئی پروانہ کی۔ انہوں نے جس حق کا مشاہدہ کیا۔ چاہا کہ اپنے احباب کو اس کا مشاہدہ کرائیں۔ اس کے لیے ہر طریق اختیار کیا۔ یہ کیسا تھا؟...... یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری تھی۔ آخر اس کوشش کے ثمرات بھی سامنے آئے اور اکابر صحابہ کی ایک جماعت نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا زبیر بن عوام، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا طلحہ بن عبیداللہ، سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا عثمان بن مظعون، سیدنا ابوسلمہ الارقم، سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہم جیسے حضرات آپ کی ہی دعوت سے مشرف باسلام ہوئے۔

قریش میں سے یہ حضرات اسلام کے لیے سورج کی روشنی کی مانند تھے۔ اسلام کی بلند و بالا عمارت کے لیے یہ لوگ بنیادی اینٹیں تھیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کی شجاعت و بہادری توفیق الٰہی پر منحصر تھی، اور اس راہ میں یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے ایک عظیم تر فضیلت ہے۔ وہ راہ حق کی طرف سے اس طرح دعوت دیتے جس میں نہ خوف تھا نہ ڈر۔ بڑی صراحت و وضاحت اور اخلاص کے ساتھ دعوت کا کام ان کی شان تھی۔

روایات میں ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ چنانچہ امام نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ابوبکر اول من اسلم" ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص ہیں جو ایمان لائے۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۷/۳، طبری: ۵۵/۲، تاریخ الخلفاء: ص ۳۳)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"آزاد مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے، عورتوں میں خدیجہ رضی اللہ عنہا، غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایمان لائے تھے۔"

(البدایہ والنہایہ: ۲۹/۲، طبری: ۶۰/۲، فتح الباری: ۱۳۰/۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد مکہ کے ہر گلی کوچہ سے لوگ آپ کی مخالفت

Marfat.com

میں اٹھ کھڑے ہوئے، اور آپ کو اس قدر تکالیف پہنچائیں کہ قلم کو تاب نگارش نہیں۔ پھر جس جس شخص نے بھی دعوت اسلامی میں آپ کا ساتھ دیا وہ بھی قریش مکہ کے ظلم وستم کا نشانہ بنا۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی کفار مکہ کے ظلم کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن یہ چونکہ سایہ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر وقت ہوتے تھے۔ لہٰذا آپ کو اپنی چنداں فکر نہ ہوتی البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وقت دھیان رہتا کہ کہیں آپ کی ذات اطہر واقدس کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے اپنی چادر آپ کی گردن میں ڈال کر اس زور سے اس کو بل دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دم گھٹنے لگا۔ اتنے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے۔ انہوں نے عقبہ کو دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور فرمایا: ’’ظالموں! کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔‘‘ (بخاری: ۵۴۴/۱، اسی طرح کی روایت فتح الباری: ۱۲۹/۱ پر بھی ہے۔)

غلاموں کا نجات دہندہ:

ابتدا میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جن لوگوں نے لبیک کہا، ان میں اچھی خاصی تعداد غلاموں کی بھی تھی۔ جن میں سیدنا بلال، سیدنا عامر بن فہیرہ، سیدنا ابوفکیہہ رضی اللہ عنہم، سیدہ لبینہ رضی اللہ عنہا، سیدہ زنیرہ رضی اللہ عنہا، سیدہ نہدیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام عبیس رضی اللہ عنہا وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قریش نے ان لوگوں پر ہر قسم کے جور وستم روا رکھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سب کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کر دیا اور انہیں قریش کے ظلم شدید سے نجات دلائی۔

ہجرت حبشہ کا ارادہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے والوں پر جب قریش نے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھانے شروع کر دیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ بہت سے ستم رسیدہ مسلمان حبشہ کی طرف روانہ بھی ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی ذاتی وجاہت اور اعزاز کے باوجود اس دار وگیر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اس وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ فرما لیا، لیکن جب آپ مکہ سے یمن کی طرف پانچ روز کی مسافت پر واقع مقام برک الغماد پہنچے تو آپ کی قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوگئی۔ ابن الدغنہ نے

Marfat.com

پوچھا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! کہاں کا ارادہ ہے؟'' آپ نے جواب میں فرمایا کہ میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے اب یہ سوچتا ہوں کہ کسی اور ملک کو چلا جاؤں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا: ''تم جیسا شخص کس طرح جلا وطن ہو سکتا ہے؟ تم غریبوں اور ناداروں کی دست گیری کرتے ہو، بے سہاروں کا سہارا ہو، قرابت داروں کی پاس داری کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو، میں تمہیں کسی صورت نہیں جانے دوں گا۔ تم میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے شہر ہی میں اپنے رب کی عبادت کرو۔'' چنانچہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ واپس مکہ لے آیا اور قریش سے مخاطب ہو کر کہا: ''کیا غضب ہے کہ تم ان اوصاف کے حامل شخص کو شہر میں رہنے نہیں دیتے۔ یہ اب میری امان میں ہیں۔'' قریش نے کہا: ''ابن الدغنہ! تم نے جو انہیں پناہ دی ہے وہ ہمیں اس شرط کے ساتھ منظور ہے کہ وہ چھپ کر عبادت کریں۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ دنوں تک پوشیدہ طور پر ہی عبادت کرتے رہے لیکن آخر اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی۔ آپ اس میں عبادت بھی کرتے اور قرآن حکیم کی بڑے درد انگیز لہجے میں تلاوت کرتے۔ قریش نے اس بات کی ابن الدغنہ سے شکایت کی۔ ابن الدغنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قریش کی اس شکایت کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ''مجھ کو تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں، میں اب اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں۔''

(بخاری: ۲۵۲/۱)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں

سنہ ۱۰ نبوی میں ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اس جان گسار اہلیہ کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر غمگین نظر آتے۔ اسی اثنا میں خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی تحریک کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں ایک خواب بھی آیا تھا۔ (بخاری: ۵۵۱/۱) لہٰذا آپ اس نکاح پر راضی ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا کی معرفت اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے چار سو درہم حق مہر پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا، لیکن اس وقت صرف نکاح ہوا۔ رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ہوئی۔

(اس نکاح کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت۔'')

Marfat.com

ہجرت مدینہ منورہ

مکہ مکرمہ کی ستم رانیاں دن بدن زیادہ ہو رہی تھیں اور اسلام کا نام لینے والوں کے لیے عرصہ حیات تنگ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ادھر مدینہ منورہ میں اسلام کے آفتاب عالم تاب کی کرنیں اہل مدینہ کے قلوب کو منور کر رہی تھیں، لہٰذا بارگاہ نبوت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ چنانچہ اکثر جانثار ہجرت کر کے مدینہ میں آباد ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت کا حکم ہوگا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔'' عرض کیا: ''یارسول اللہ! مجھے بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں تم بھی ساتھ چلو گے لیکن ابھی انتظار کرو۔'' چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیوں کو چار ماہ قبل ہی ببول کی پتیاں کھلانا شروع کر دیں تاکہ سفر ہجرت میں یہ کام آئیں۔

چار ماہ انتظار میں گزر گئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز ہم سب گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عین دوپہر کا وقت تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ گھر کے کسی فرد نے دور سے دیکھ کر کہا: ''وہ دیکھو! رسول اللہ سر پر کپڑا لپیٹے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔'' اس سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس وقت تشریف نہیں لائے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دل میں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے وقت تشریف آوری کا مقصد ضرور کوئی اہم کام ہے۔'' اتنے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچ گئے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر آپ اندر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''یہاں جو لوگ موجود ہیں انہیں باہر بھیج دیں۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ تو آپ ہی کے گھر والے ہیں۔ یہ دونوں میری بیٹیاں ہیں، اسماء اور عائشہ۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے ہجرت کا حکم مل گیا ہے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''کیا میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا؟'' فرمایا: ''ہاں۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی آپ لے لیجیے، میں نے انہیں سفر ہی کے لیے تیار کیا ہے۔'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیمتاً لوں گا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے جلدی جلدی سفر کی تیاری کی۔ راستہ طویل تھا، لہٰذا

Marfat.com

کچھ کھانا پکا کر چمڑے کے ایک تھیلے میں رکھ دیا۔ سیدہ اسماء نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''تھیلا باندھنے کے لیے میرے آزاد بند کے سوا اور کچھ نہیں۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اس کے دو ٹکڑے کرلو۔'' سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آزار بند کے دو ٹکڑے کیے، ایک سے مشکیزہ اور تھیلے (توشہ دان) کا منہ باندھا اور دوسرے ٹکڑے سے اپنے آزار کو باندھ لیا۔ اسی وجہ سے ان کا لقب ''ذات النطاقین'' یعنی دو کمر بند والی ہوگیا۔ (بخاری: ۱/۵۵)

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مکان کی پچھلی جانب کی کھڑکی سے خاموشی سے نکل کر اپنی اپنی سواری پر سوار جبل ثور کی طرف روانہ ہوگئے اور دونوں حضرات اس پہاڑ کی غار میں پہنچ گئے اور تین روز تک وہاں چھپے رہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ نہایت ذہین نوجوان تھے۔ وہ رات غار ہی میں گزارتے اور صبح کے وقت وہاں سے چلے جاتے اور قریش مکہ کے ساتھ اس طرح صبح کرتے کہ جیسے رات کو وہیں رہے ہوں۔ قریش ان دونوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے خلاف دن میں جو جو بات کرتے یا منصوبے بناتے، عبداللہ انہیں ذہن میں محفوظ رکھتے۔ پھر رات کی تاریکی میں غار ثور میں پہنچ کر صبح کی ساری باتیں ان دونوں حضرات کو بتاتے۔ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق سیدنا عبداللہ ان دونوں حضرات کے لیے گھر کا کھانا بھی لاتے تھے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ غار کے قریب بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جب چاروں طرف اندھیرا چھا جاتا تو وہ ان بکریوں کو ان دونوں کے پاس لے جاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان بکریوں کا دودھ پی لیا کرتے تھے۔ صبح کو اندھیرے ہی میں سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ان بکریوں کو ہانک کر لے جایا کرتے تھے۔ تین روز تک ان کا یہی معمول رہا۔

ادھر غار ثور میں آقا اور خادم روپوش تھے، ادھر قریش مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ ابوجہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر نہ پا کر سخت بے چین تھا وہ فوری طور پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آیا اور آپ کی بڑی بیٹی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے ان کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ ابوجہل نے غضب ناک ہوکر سیدہ اسماء کے منہ پر زوردار تھپڑ مارا۔ ابوجہل اور دوسرے قریش مکہ کو یقین ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں اکٹھے ہی ہیں۔ قریش مکہ نے آپ کو اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنا شروع کردیا اور اعلان کیا کہ جو شخص رسول اللہ

Marfat.com

اور ابو بکر کو تلاش کر کے لائے تو ہر ایک کے عوض سو اونٹ دیے جائیں گے۔ چنانچہ کئی لوگوں نے اس انعام کے لالچ میں ان دونوں کی تلاش شروع کر دی۔ تلاش کرنے والے آبادی، ویرانہ، جنگل اور پہاڑ ہر جگہ پہنچ گئے، چنانچہ ایک جماعت جبل ثور کے اس غار کے دہانہ تک پہنچ گئی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ روپوش تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کی آہٹ پا کر سخت پریشان ہوئے اور بارگاہِ رسالت میں عرض کی: ''یا رسول اللہ! یہ لوگ اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو ہم نظر آ جائیں۔'' سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ابو بکر! ان دونوں کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہو۔'' (بخاری ۱/۵۱۶)

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنو دیل کے ایک شخص کو اجرت پر ملازم رکھ لیا تھا۔ یہ شخص بنو عبد بن عدی کے گھرانے کا ایک فرد تھا اور راستے کے پیچ وخم اور نشیب و فراز سے خوب آشنا تھا۔ یہ شخص عاص بن وائل سہمی کا حلیف تھا اور ابھی تک قریش مکہ کے دین پر قائم تھا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنا امین بنا لیا۔ غارِ ثور پہنچ کر دونوں اونٹنیاں اس کے حوالہ کر دیں اور تین رات بعد صبح کے وقت اونٹنیاں لانے کا وعدہ لے لیا۔ تیسرے دن یہ دونوں حضرات اور ان کے ساتھ سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ اور راہبر عبداللہ بن اریقط کی راہ نمائی میں غارِ ثور سے روانہ ہوئے اور ساحلِ سمندر کا رخ کیا۔ یہ کارواں غارِ ثور سے چلا۔ اب اس میں دو کے بجائے چار افراد تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے کبھی آگے بڑھ جاتے اور کبھی پیچھے ہو جاتے۔ اس طرح شمع نبوت کا یہ پروانہ دیوانہ وار پھرتا۔

ایک موقع پر سراقہ بن جعشم نے جو بنی مدلج سے تعلق رکھتا تھا، آپ کا تعاقب کیا تاکہ آپ کو پکڑ کر قریش کا اعلان کردہ انعام حاصل کرے۔ جب وہ گھوڑے پر سوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ اس سے نیچے گر گیا۔ انعام کے لالچ میں وہ پھر گھوڑے پر سوار ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گیا، اتنا قریب کہ اس کو رسول اللہ کی قرأت سنائی دینے لگی۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی خاطر ادھر ادھر نگاہ رکھتے تھے، لہٰذا انہوں نے سراقہ کو دیکھا تو گھبرا گئے اور بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: ''یا رسول اللہ! یہ شخص ہماری تلاش میں آ گیا ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لاتحزن ان اللہ معنا" ابو بکر! گھبراؤ نہیں، بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے مڑ کے دیکھا اور دعا کی:

Marfat.com

''اے اللہ! اسے گرادے۔'' فوراً سراقہ کے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور سراقہ زمین پر گر پڑا۔ سراقہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: ''آپ میرے لیے دعا فرمائیں، میں آپ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔'' آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ آپ کی دعا کی برکت سے اسے نجات ملی۔ اس کے بعد اس نے اپنے گھوڑے کو ڈانٹا تو بڑی مشکل سے اس کے پاؤں زمین سے باہر نکلے۔ جب گھوڑا سیدھا کھڑا ہوا تو اس کی وجہ سے بہت سا غبار دھویں کی شکل میں آسمان تک بلند ہوا۔ گھوڑا ہنہنانے لگا سراقہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں سے امان طلب کی۔ نبی اور صدیق کا یہ قافلہ ٹھہر گیا سراقہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ سراقہ نے کہا: ''مجھے ایک پروانہ امن لکھ دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا، انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امن کی تحریر لکھ دی۔ پروانہ امن لے کر سراقہ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس آگیا۔ (بخاری: ۱/۵۵۶)

راستہ میں کئی واقعات پیش آئے جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب تاریخ اسلام اور سیرۃ خاتم النبیین ﷺ میں دی ہے۔

مختصر یہ کہ یہ قافلہ کئی روز سفر کر کے ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء دوشنبہ کے روز ۸ ربیع الاول کو اپنی منزل مقصود پر پہنچا۔ قبا میں کچھ دنوں کے قیام کے بعد آپ ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ طیبہ کی ایک مرتفع بستی یعنی بنی عمرو بن عوف کے ایک محلّہ میں قیام فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ سواری سے اتر کر خاموش بیٹھ گئے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لوگوں سے بات چیت کرنے کے لیے کھڑے رہے۔ انصار کے جن لوگوں نے آپ ﷺ کو ابھی دیکھا نہیں تھا، وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آتے اور انہیں ہی اللہ کا رسول سمجھ کر سلام کرتے تھے۔ اتنے میں دھوپ تیز ہوگئی۔ جان نثار نبوت نے اپنی چادر سے رسول اللہ ﷺ کے سر پر سایہ کر دیا۔ تب لوگوں نے سمجھا کہ ان کا گوہر مقصود کون ہے۔ (بخاری: ۱/۵۵۹)

مدینہ طیبہ میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا شرف میزبانی حاصل ہوا۔ لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے قریب ''سخ'' نامی بستی میں خارجہ بن زید بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام فرمایا اور یہیں تجارت کا کاروبار شروع کر دیا۔ بعد میں آپ نے خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح بھی کر لیا اور ایک مستقل مکان میں رہنے لگے۔ چندروز

Marfat.com

کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سب اہل وعیال مکہ سے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے چھ ماہ بعد تک یہیں قیام فرمایا۔

(زرقانی: ۱/۳۵۱، وفاء الوفاء: ۱/۱۷۶، طبقات ابن سعد: ۱/۱۵۶)

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی علالت

مدینہ کی آب وہوا مہاجرین کو موافق نہ آئی، لہٰذا مدینہ پہنچ کر کئی صحابہ علیل ہو گئے۔ انہیں مختلف قسم کے بخاروں نے آ گھیرا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی شدید تپ لرزہ میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ زندگی سے مایوس ہو گئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک روز اپنے ابا کی بیمار پرسی کے لیے آئیں تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اس وقت یہ شعر پڑھ رہے تھے

كل امرء مصبح في اهله
والموت ادنىٰ من شراك نعله

یعنی ہر شخص اپنے اہل وعیال میں داد عیش دیتا ہے حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اس کیفیت کو دیکھ کر گھبرا گئیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حالت کو بیان کیا۔ پھر کچھ روز گزرے کہ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بخار ہو گیا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ بیٹی کی بیماری کو دیکھ کر سخت پریشان ہو گئے۔ اسی پریشانی کی حالت میں بیٹی کے پاس اس کی بیمار پرسی کے لیے آتے۔ (بخاری: ۱/۵۵۷)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس حالت کو دیکھ کر ایک روز رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت جوش میں آئی اور بارگاہ الوہیت میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر یوں گویا ہوئے:

''خداوندا! ہمارے لیے مدینہ کو بھی ایسا ہی محبوب بنا دے جیسا کہ مکہ کو محبوب بنایا تھا یا مکہ سے بھی زیادہ ہمیں مدینہ کی محبت عطا فرما۔ اے اللہ! مدینہ کے صاع اور مد میں ہمارے لیے برکت عطا فرما۔ اے اللہ! ہمارے لیے مدینہ کی آب وہوا کو خوش گوار اور صحت بخش بنا دے اور اس کے بخار کو یہاں سے منتقل کر کے جحفہ پہنچا دے۔''

(بخاری: ۱/۵۵۹)

Marfat.com

نبوت کی یہ دعا قبول ہوئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم صحت یاب ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ آج بھی مدینہ طیبہ اپنی آب و ہوا کے لحاظ سے تمام حجاز میں سب سے بہترین مقام ہے۔

مواخات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچتے ہی اخلاص و ایثار کے پیکر انصار اور غریب الوطن مہاجرین کے مابین بھائی چارہ قائم کر دیا۔ یہ بھائی چارہ اور مواخات سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان پر ہوئی۔ (عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/۳۲۲)

اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ کل نوے آدمی، ان میں آدھے انصار اور آدھے مہاجر تھے۔ بھائی چارے کی بنیاد امام سہیلی کے قول کے مطابق یہ تھی کہ مہاجرین کے دلوں سے غربت اور اجنبیت کی وحشت کو دور کیا جائے اور ایک دوسرے کے دلوں میں غم خواری اور غم گساری کے جذبات پیدا کیے جائیں۔ انصار نے اس بھائی چارہ کو اس طریق سے نبھایا کہ چشم فلک نے آج تک ایسا بھائی چارہ نہیں دیکھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ ابن سید الناس رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مواخات دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں جس میں مہاجرین میں باہمی رشتہ مواخات قائم فرمایا گیا اور دوسری ہجرت کے بعد مدینہ میں مہاجرین اور انصار کے درمیان قائم کی گئی جس میں ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی قرار دیا گیا۔ (عیون الاثر: ۱/۳۲۱، فتح الباری: ۷/۲۱۰۔۲۱۱)

مواخات قائم کرتے وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طرفین کی حیثیت کا پورا پورا لحاظ رکھا۔ چنانچہ آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سیدنا خارجہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ جو ایک تجارت پیشہ تھے، کا بھائی بنایا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۱/۵۰۴، عیون الاثر: ۱/۳۲۴، تاریخ الخمیس: ۱/۳۵۲، فتح الباری: ۷/۲۱۰۔۲۱۱، الدرر فی المغازی والسیر: ص ۹۱۔۹۲)

تعمیر مسجد

عبادت خداوندی اور مسلمانوں کی اجتماعیت کے قیام کے لیے مسجد کی اشد ضرورت تھی،

Marfat.com

لہٰذا آپ ﷺ نے ایک مسجد تعمیر کرنا چاہی۔ اس مقصد کے لیے جو قطعہ اراضی پسند فرمایا وہ دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کا تھا۔ انہوں نے مسجد کے لیے جگہ آپ ﷺ کو بلا قیمت دینا چاہی، لیکن آپ ﷺ نے بلا قیمت لینے سے انکار کر دیا۔ آخر آپ ﷺ نے زمین کی قیمت کچھ دینار طے کی جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی گرہ سے ادا کر دی۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ مسجد کی تعمیر میں بھی شریک رہے۔ (فتح الباری: ۱۹۳/۷)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اکثر مہاجرین کو مدینہ منورہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی اور وہ بیمار ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی بستر علالت پر جا پڑے۔ وہ تندرست ہوئے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی تیمارداری کرتے کرتے بیمار ہو گئیں۔ شدت علالت کی وجہ سے سیدہ رضی اللہ عنہا کے سر کے تمام بال گر گئے۔ جب انہیں صحت ہوئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی: ''یا رسول اللہ! آپ ﷺ اپنی اہلیہ کو اپنے گھر کیوں نہیں لے آتے؟'' آپ نے ارشاد فرمایا: ''اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کے لیے رقم نہیں ہے۔'' جان نثار نبوت نے عرض کی: ''میری دولت کس کام آئے گی۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے پانچ سو درہم ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قرض لے کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھجوا دیے۔ اب انصار کی چند عورتیں دلہن لانے کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کاشانہ پر گئیں۔ اور نہایت سادگی سے رخصتی کی یہ رسم ادا ہوئی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری، حدیث نمبر ۳۸۹۴، مسلم، حدیث نمبر: ۱۴۲۲، ابن حبان، حدیث نمبر: ۷۰۵۵، معجم کبیر طبرانی: ۲۳/۲۳، مسند احمد: ۳۱۰/۶، سنن کبریٰ بیہقی: ۱۲۹/۷، فتح الباری: ۲۶۶/۷، طبقات ابن سعد: ۶۱/۸، مجمع الزوائد: ۲۲۵/۹، ۲۸۸)

سیدہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی اس سادگی سے ہوئی کہ نہ کوئی رسم ادا کی گئی اور نہ ہی کسی شان و شوکت کا اظہار کیا گیا، چنانچہ سیدہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ ''بخدا! میری رخصتی میں نہ کوئی اونٹ ذبح کیا گیا اور نہ کوئی بکری، ہاں ایک کھانے کا پیالہ تھا جس کو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا ہوا تھا۔ رخصتی کے وقت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۹۔۲۰ سال تھی۔

Marfat.com

غزوات

مدینہ منورہ میں اسلام کی پہلی ریاست قائم ہوئی جس کے سربراہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔اس ریاست کا کام منتشر قوتوں کی شیرازہ بندی، غیر قوتوں کے ساتھ معاہدے کرنا اور اپنی اجتماعی اور قومی تنظیم کا دستور العمل مرتب کرنا وغیرہ تھا۔ان تمام معاملات میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی دانشوری، اصابت رائے، دوراندیشی اور حسن تدبیر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست رہے۔

کفار مکہ کو مسلمانوں کی یہ روز افزوں ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لیے طاقت استعمال کی لیکن ان سب مہمات میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک تجربہ کار سپاہی، ایک مشیر با تدبیر اور ایک حلیم و باوقار وزیر کی طرح ساتھ ساتھ رہے کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک اونچے درجہ کے مطیع و فرماں بردار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ قائد بھی تھے۔

غزوۂ بدر اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

یہ اسلام کا سب سے پہلا غزوہ ہے جو حق و باطل کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اس معرکہ میں مجاہدین اسلام کی تعداد ۳۱۳ تھی جب کہ قریش مکہ کی تعداد ان سے تین گنا زیادہ تھی۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف ان سرفروش مجاہدوں کو دشمنوں کے مقابلہ میں صف آرا کیا اور دوسری طرف اللہ کا رسول ایک سائبان (عریش) کے نیچے اللہ سے رو رو کر یہ دعا کر رہا تھا:

”اے اللہ! تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، اس کو پورا فرما۔اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ ہوگی۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک دامن پھیلائے ہوئے یہی دعا فرماتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی محویت سے یہ دعا فرما رہے تھے کہ چادر دوش مبارک سے گر گر پڑتی تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ردا مبارک دوش نبوی پر ڈالتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر سے چمٹ گئے اور عرض کی: ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بس کافی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حضور بہت الحاح وزاری کی۔“ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نہایت بیتابی اور اضطراب سے دامن پھیلا کر اور پُرنم آنکھوں کے ساتھ دست بدعا تھے۔ اللہ کی عظمت اور اس کا جلال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں تھا آپ کی اس حالت کو دیکھ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کو یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مقبول ہو گئی ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ سے کیے گئے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا۔'' چنانچہ فرشتوں کا نزول ہوا۔

اس جنگ میں ایک تو آپ رضی اللہ عنہ رفیق نبوت تھے۔ دوسرے رسول اللہ کی حفاظت اور نگرانی آپ رضی اللہ عنہ کے ذمہ تھی اور یہ سب سے مشکل کام تھا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ بدر کے دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تلوار نیام سے باہر نکالے نبوت کے گرد ہالہ بنائے پہرہ دے رہے تھے۔ جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے کی کوشش کرتا، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس پر ٹوٹ پڑتے۔ اس بات کو بیان کرنے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے بہادر انسان تھے۔'' (سیرۃ حلبیہ: ۱۱۶/۳)

تاریخ نے ایک اور اہم واقعہ بھی اس جنگ کا اپنے سینے میں محفوظ رکھا ہوا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے جو ابھی تک حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے، قریش کے لشکر کے ایک سپاہی کی حیثیت سے بدر میں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے میدان میں بڑھ کر دعوت مبارزت دی۔ اس کے جواب میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خود تلوار لے کر مقابلہ کے لیے نکلے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوارا نہ ہوا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو روکا اور فرمایا: ''ابوبکر! تم مجھے اپنی ذات سے متمتع ہونے دو۔'' (اسد الغابہ: ۳۰۵/۳) یہ ایک عجیب منظر تھا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے سگے بیٹے کے مقابلے میں نکلے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عجیب انداز میں بیٹے کے مقابلہ سے روکا۔

سید الانبیاء کی ہمت بے پناہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کا رابطہ اپنے رب سے بہت مضبوط ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے باہر تشریف لائے اس حالت میں کہ زرہ جسم مبارک پر ڈھلک رہی تھی اور تلوار حمائل کیے ہوئے تھے۔ (سیرۃ حلبیہ: ۱۶۵/۳) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر وہی آیت تھی جو چند سال قبل مکہ میں نازل ہو چکی تھی۔

﴿سیھزم الجمع ویولون الدبر﴾

''عنقریب کافروں کی یہ جماعت شکست کھائے گی اور پشت پھیر کر بھاگے گی۔''

(زرقانی: ۹۱۴/۱، فتح الباری: ۲۴۲/۷، البدایہ والنہایہ: ۲۷۸/۳)

Marfat.com

اسیران بدر اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

کافروں کی شکست کے بعد ان کے ستر قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے۔ مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیا اور ان سے حسن سلوک کا حکم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کا کیا کیا جائے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ اپنے خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آگے چل کر یہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور پھر یہی لوگ کافروں کے مقابلے میں ہمارے مددگار ہوں گے، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح ان کے ساتھ حسن سلوک بھی ہوگا اور ہماری اپنی اقتصادی حالت کی بہتری کے لیے سرمایہ بھی فراہم ہو جائے گا۔ (مسند احمد: ۲۴۳/۳، مجمع الزوائد: ۸۷/۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کو پسند فرماتے ہوئے فدیہ لینے کا حکم فرمایا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔

جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں دی ہے۔

غزوہ احد اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

غزوہ احد سنہ ۳ھ میں پیش آیا۔ قریش مکہ کو غزوہ بدر میں جو شکست فاش ہوئی تھی اور ان کے بڑے بڑے سردار ابوجہل، عتبہ اور شیبہ وغیرہ اس میں مارے گئے تھے، ان کا بدلہ لینے کے لیے اگلے ہی سال مسلمانوں پر بھرپور انداز میں حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو ایک تیز رو قاصد کے ذریعہ قریش کی ان تیاریوں کی اطلاع دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات سو جان نثاروں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے اور جبل احد کی پشت پر پہنچ کر صفوں کو آراستہ کیا۔ پچاس ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ وادی قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی پر متعین فرمایا اور اسے ہدایت فرمائی کہ عقب سے قریش کے حملہ کو روکنا ہے، اور اگر ہمیں مشرکین پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور اگر مشرکین کو ہم پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی اس جگہ سے سرک کر ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔ (بخاری: ۴۲۶/۱)

Marfat.com

جنگ میں مسلمانوں کی فتح ہوئی اور دشمن بھاگنے پر مجبور ہو گیا کچھ مسلمان بھاگتے دشمن کے تعاقب میں تھے اور کچھ اس کا مال اکٹھا کر رہے تھے۔ دشمن کو کافی دور تک چھوڑ کر تعاقب کرنے والے بھی واپس آکر مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے اس مرحلہ پر مسلمانوں سے ایک خوفناک غلطی سرزد ہو گئی یعنی وہ پچاس تیرانداز جنہیں پہاڑ پر متعین کیا گیا تھا، اس درہ کو چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ دشمن نے درہ کو خالی دیکھ کر عقب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ایک افراتفری کا عالم پیدا ہو گیا۔ اسی اثنا میں دشمنوں نے یہ خبر اڑا دی کہ سرور کائنات ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ اس خبر نے بڑے بڑے لوگوں کے اوسان خطا کر دیے۔ سرور کائنات ﷺ اس وقت چند جانبازوں کے ساتھ میدان جنگ کے ایک گوشہ میں کھڑے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص پر میری نگاہ پڑی۔ اس کے سب طرف دشمن تھے اور پچھلی طرف میں تھا۔ یہ دشمنوں پر اپنی تلوار کے جوہر دکھلا رہا تھا اور سرکار دو عالم ﷺ کی طرف کھسک رہا تھا۔ میں تو حضور ﷺ کے پاس تھا اور یہ شخص ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھا جو دشمنوں کو آپ ﷺ کی ذات اقدس سے پیچھے ہٹا رہا تھا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا روئے انور شدید زخمی تھا۔ دندان مبارک شہید ہو گئے تھے۔ مغفر کی کڑیاں رخسار مبارک میں گڑی ہوئی تھیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی کڑیاں نکالنے کا ارادہ فرمایا تو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے قسم دے کر کہا کہ یہ سعادت مجھے حاصل کرنے دیجیے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دانتوں سے دبا کر ایک کڑی کو اس زور سے کھینچا کہ کڑی تو نکل گئی لیکن ساتھ ہی سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ دوسری کڑی پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نکالنا چاہتے تھے لیکن سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے پھر قسم دے کر یہ سعادت حاص کرنے کی درخواست کی۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اب دوسرے دانت سے کڑی دبا کر نکالی لیکن اب کی دفعہ دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے دو دانت تو ٹوٹ گئے لیکن چہرہ کی رونق ایسی بڑھ گئی کہ کوئی ٹوٹا ہوا دانت اتنا حسین وجمیل نہیں معلوم ہوتا تھا۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۲/۷۷، البدایہ والنہایہ: ۲۹/۴، زاد المعاد: ۸۷/۴)

قریش کے لشکر نے جب واپسی کی تیاری کر لی تو ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی:

Marfat.com

''کیا تم لوگوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس آواز کا کوئی جواب نہ دے۔'' جب مسلمانوں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو اس نے پھر یہ آواز دی: ''کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) زندہ ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی جواب نہ دے۔'' جب کوئی جواب نہ آیا تو ابوسفیان نے پھر یہ آواز دی: ''کیا تم میں عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) زندہ ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دینے سے بھی روک دیا۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے خوش ہو کر کہا: ''یہ سب قتل ہو گئے ہیں، اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔'' لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ ہم سب زندہ ہیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ ابوسفیان نے ان تین کے سوا کسی اور کے بارے میں نہیں پوچھا کیوں کہ کفر بھی یہ سمجھتا تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہی اس ملت کی قیادت کر سکتے ہیں اور اب اگر یہ تینوں زندہ نہیں رہے تو ہمیں فکر کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اب دین اسلام اور مسلمان ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری: ۲/۵۷۹، فتح الباری: ۷/۲۷۲، زرقانی: ۲/۴۷، زاد المعاد: ۲/۹۴، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۹۳-۹۴، عیون الاثر: ۲/۲۹)

مسلمانوں کو جب معلوم ہو گیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو ان کی ہمتیں جوان ہو گئیں، اور مسلمانوں کے لشکر نے ایک دفعہ پھر منظم ہو کر قریش پر اس جوش و خروش سے حملہ کیا کہ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے اور خالد کی عسکری عبقریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسکری عبقریت کے سامنے ناکام ہو گئی۔ (فشلت عبقرية خالد امام عبقريته رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کا تعاقب کون کرے گا؟'' ستر (۷۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے لیے اپنے نام پیش کیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ناموں کی بھی تصریح کی ہے۔ (بخاری: ۲/۵۸۴)

غزوہ بنی مصطلق اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

غزوہ بنی مصطلق کا دوسرا نام غزوہ مریسیع (میم پر پیش اور را پر زبر) ہے۔ بنو مصطلق ایک قبیلہ کا نام ہے اور چونکہ اس غزوہ میں مریسیع کے چشمہ پر دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی تھی، اس وجہ

Marfat.com

سے اس کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنو مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلے اور کچھ دوسرے عربوں کی فوج اکٹھی کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اطلاع کی تصدیق کے بعد مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا اور شعبان سنہ ۵ھ کو بنو مصطلق کی طرف روانہ ہوئے اور ازواج مطہرات میں سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔

(زرقانی: ۹۶/۲، طبقات ابن سعد: ۴۵/۲، عیون الاثر: ۱۳۴/۲، ابن ہشام: ۲۸۹/۲)

بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیز رفتاری کے ساتھ چل کر بنو مصطلق پر اس وقت اچانک حملہ کر دیا جب وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ (بخاری: ۳۴۵/۱)

اس غزوہ میں مہاجرین کے علم بردار سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے جبکہ انصار کا پرچم سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ جنگ میں غنیم کے دس آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کا ان کی اپنی غلطی سے انہی کے ہاتھوں ایک آدمی شہید ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بھائی کو اس کا خون بہا ادا کر دیا۔ اس غزوہ میں قریباً چھ سو قیدی ہاتھ آئے۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت میں مسلمانوں کو ملیں۔ قیدیوں میں بنو مصطلق کے رئیس حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھیں جس سے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرما لیا۔ یہی وہ غزوہ ہے جس سے واپسی پر واقعہ افک پیش آیا (جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت" اور "سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم" میں بیان کر دی ہے)۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۲۸۹/۲، عیون الاثر: ج ۲، زاد المعاد: ۱۱۲/۲-۱۱۳)

غزوہ احزاب اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ

اس غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں کیونکہ اس جنگ میں عرب کے کئی قبائل نے متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ کفار کی تعداد دس ہزار تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھودی اور شہر بند ہو کر بیٹھ گئے۔ اس غزوہ میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ خندق کے مختلف مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے مختلف دستے متعین فرما رکھے تھے جو مشرکین کو خندق پار کرنے سے روکتے۔ ایسے ہی ایک دستہ کی کمان سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سپرد بھی تھی۔ جس مقام پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے دستہ کے ساتھ متعین تھے اس جگہ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر ایک مسجد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام سے تعمیر ہے۔ (ازالۃ الخفا: ۱۳/۲)

Marfat.com

معاہدہ حدیبیہ اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ مکرمہ سے گئے ہوئے چھ سال گزر گئے۔ ان چھ سالوں میں وہ بیت اللہ کی زیارت اور حج وعمرہ کے دینی فریضہ کی ادائیگی سے قاصر رہے تھے۔ مہاجرین کو تو دیگر غموں کے علاوہ مکہ کی جدائی کا الم بھی گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک روز یہ خواب دکھلایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوئے، اور وہاں طواف اور عمرہ کیا، پر بعض لوگوں نے سر کے بال منڈوائے اور بعض نے کتروائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ خواب سنا تو زیارت کعبہ کے شوق میں انہوں نے اسی سال سفر کعبہ کی تیاری شروع کر دی۔

یکم ذی قعدہ سنہ ۶ھ اتوار کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا۔ ایک روایت کے مطابق چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں۔ بند تلواروں کے سوا اور کسی قسم کا کوئی ہتھیار آپ کے پاس نہ تھا۔

(زرقانی: ۲/۱۰۸، فتح الباری: ۵/۲۴۲، طبقات ابن سعد: ۲/۶۹، عیون الاثر: ۲/۱۶۰۔۱۶۱)

قریش مکہ کو جب مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ مسلمانوں کو روکنے کے لیے روانہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: ”قریش پر افسوس، وہ جنگوں میں تباہ ہو گئے ہیں لیکن پھر بھی انہیں عقل نہیں آئی۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”اللہ اور اس کا رسول اس بارے میں بہتر جانتے ہیں لیکن ہم تو عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں، کسی سے جنگ کرنے اور لڑنے نہیں آئے، البتہ جو ہمیں بیت اللہ جانے سے روکے گا اس سے ضرور جنگ کریں گے۔“

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تب چلو“ اور آپ نے اپنا سفر جاری رکھا لیکن راستہ بدل دیا اور حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا۔ (فتح الباری: ۵/۲۴۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیج کر قریش کو بتایا کہ ہم جنگ کے لیے نہیں بلکہ صرف بیت اللہ کے طواف اور عمرہ

Marfat.com

کے لیے آئے ہیں۔ قریش نے مختلف دانشوروں کو آپ ﷺ سے بات چیت کرنے کے لیے بھیجا، لیکن یہ بات چیت کوئی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی۔ اب قریش نے عروہ بن مسعود کو جوان کی نگاہ میں نہایت ذہین اور دانش ور تھے، آپ ﷺ سے بات چیت کے لیے بھیجا۔ عروہ نے آپ سے کہا:

''اے محمد! یہ فرمایئے اگر آپ نے اپنی قوم کا صفایا بھی کر دیا تو آپ نے اس سے پہلے کبھی کسی عرب کے متعلق سنا کہ اس نے اپنی قوم کا صفایا کر دیا ہو، اور اگر قریش غالب آ گئے تو میں دیکھتا ہوں کہ یہ جو مختلف قوموں اور قبائل کے ملے جلے لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ آپ کو چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی رگ حمیت فوراً پھڑکی انہوں نے غصہ میں آ کر کہا، حالانکہ آپ بڑے حلیم اور بردبار تھے: ''جا، لات کی شرم گاہ چوس، کیا ہم حضور ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔'' عروہ نے پوچھا: ''یہ کون صاحب ہیں؟'' لوگوں نے کہا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔'' اس نے کہا: ''خدا کی قسم! اگر ان کا مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا اب تک میں بدلہ نہیں چکا سکا تو ان کی اس بات کا ضرور جواب دیتا۔'' (بخاری: ۳۷۸/۱)

عروہ کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عظیم احسان تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر ایک پر احسان کرنے والے تھے۔ عروہ رئیس اور متمول ہونے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کا زیر بار احسان تھا۔

آخر میں قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو صلح کی تجاویز لے کر آئے اور فریقین میں چند شرائط کے ساتھ صلح ہو گئی۔ صلح نامہ کے کاتب تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے اور مسلمانوں کی طرف سے دستخط کرنے والوں میں ایک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ صلح تو ہو گئی اور صلح نامہ لکھا گیا لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بارے میں سخت پریشان تھے۔ آخر جب ان سے ضبط نہ ہو سکا تو انہوں نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول نہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں۔'' پھر عرض کی: ''کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک۔'' عرض کی: ''پھر ہم یہ ذلت آمیز شرائط کیوں قبول کریں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ کا برحق نبی ہوں، اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اور وہ میرا معین و مددگار ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی دور نہ ہوئی، چنانچہ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ان سے بھی یہی گفتگو

Marfat.com

کی اور انہوں نے بھی وہی جواب دیے۔ اس سے پتہ چلا کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ان تمام شرائط کو بالکل درست اور صحیح سمجھتے تھے اور یہی ایک صدیق کی شان ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل اور عمل سے اختلاف نہیں کیا بلکہ اختلاف کا خیال بھی دل میں نہیں لائے۔ چنانچہ وقت کے دھارے اور حالات کی کروٹوں نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تصدیق کردی۔

کتابوں میں مرقوم ہے کہ صلح حدیبیہ کی شرائط صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پھیل گئی۔ مسلمان ان شرائط کو سن کر حیران و ششدرہ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان شرائط پر کیسے متفق ہو گئے۔ مکہ میں داخل ہونے کے وعدہ کا کیا بنا؟ مسلمان عمرہ کے بغیر کیسے واپس جائیں جب کہ وہ مکہ کے پھاٹک تک آ پہنچے ہیں اور قربانیوں کے جانور بھی ان کے ساتھ ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ موقف برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا، لیکن کیا کیا جائے؟ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ سر کے بال بکھرے ہوئے۔ ان سے وہ سوالات کیے جن کو زبان پر لانا مشکل تھا لیکن دکھ اور اندوہ کے ساتھ۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''ابو بکر رضی اللہ عنہ! کیا ہمارے آقا رسول نہیں؟'' سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''کیوں نہیں، آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' ''کیا ہم مسلمان نہیں؟'' ''الحمد للہ ہم مسلمان ہیں۔'' سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ کچھ اور بھی سوالات کیے۔ ان سب سوالات کے جواب میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''عمر! اپنے دائرہ میں رہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔

یہ حکیمانہ کلام ہے ایک ایسے شخص کی طرف سے جو حکیم و دانا ہے۔ اس کے باوجود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے ذاتی طور پر گفتگو کی، اور کچھ اسی قسم کے سوالات کیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ان سوالات کے جواب میں جناب ختمی مرتبت نے فرمایا: ''عمر! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اس کے حکم کی مخالفت کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہی میرا رب مجھے ضائع کرے گا۔ پریشانی کا جو حال تھا اس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تنہا نہ تھے بلکہ سبھی مسلمان پریشان تھے۔ کیونکہ جس انداز سے سفر کا اختتام ہو رہا تھا وہ ان کے دلوں پر ایک سنگین بوجھ تھا۔ ان کی نظریں پتھرا چکی تھیں۔ اس لیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اٹھو! اور قربانی کے جانور ذبح کر کے سر منڈا دو۔ تو کوئی بھی نہ اٹھا۔ مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ لوگ عمرہ کا احرام

Marfat.com

اتار کر حالت احرام سے نکل جائیں۔ تین مرتبہ یہ بات دہرائی گئی۔ یہ خوف اپنی جگہ تھا کہ نبوت کے حکم کی نافرمانی کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔ اس کشمکش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ ان سے اس صورت حال کا ذکر کیا۔ انہوں نے عرض کیا:

''میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ کسی سے کوئی بات نہ کریں۔ تشریف لے جا کر قربانی فرما دیں اور حجام کو بلا کر سر منڈا دیں۔'' (اس سے لوگ خود بخود ایسا ہی کر لیں گے۔)''

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ پر عمل فرمایا۔ جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ طبائع پر بوجھ کی وجہ سے دماغ ماؤف تھے۔ اس سے چھٹکارا ملا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے محسوس کیا کہ اب ایسا نہ کرنا نبوت کی نافرمانی ہوگی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر قربانی کرنے لگے اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے حتیٰ کہ افراتفری میں نقصان کا احتمال نظر آنے لگا کہ حجامت کا ہتھیار ادھر ادھر آ کر زخمی کرنے کا سبب نہ بن جائے۔

سب لوگوں کا یہ حال تھا۔ بے چینی، اضطراب، پریشانی، افراتفری لیکن تنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے جن کا حال مختلف تھا، جن کی سوچ دوسری تھی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۵/۲۴۵، ۲۵۶، زرقانی: ۲/۲۱۰، طبقات ابن سعد: ۳/۷۰، عیون الاثر: ۲/۱۶۰، بخاری: ۱/۳۷۸_۳۸۱، ۲/۵۹۸_۶۰۰، مسلم: ۲/۱۰۳_۱۰۶، زاد المعاد: ۲/۱۲۲_۱۲۷، ابن ہشام: ۲/۳۰۸)

غزوۂ خیبر اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

خیبر عرب میں یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا اور متعدد مضبوط قلعوں پر مشتمل تھا۔ سنہ ۶ ھ کے اواخر یا سنہ ۷ ھ کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سرکوبی کے لیے تشریف لے گئے۔ خیبر کے مختلف قلعوں کی فتح کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد دستے متعین فرمائے اور ہر دستے کا الگ الگ امیر متعین فرمایا۔ پورے لشکر کی کمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔ قلعہ قموص جو سب سے مضبوط قلعہ تھا اور مشہور بہادر شہ زور مرحب کا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درد شقیقہ کی وجہ سے میدان میں تشریف نہ لا سکے، اس لیے علم دے کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، لیکن یہ قلعہ ان کے ہاتھوں فتح نہ ہو سکا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسی سال بنی کلاب کی سرکوبی کے لیے مامور کیا گیا اور وہاں سے فتح

Marfat.com

یاب ہوکر واپس لوٹے۔ بعد میں انہیں بنو فزارہ کی تنبیہ کے لیے ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا گیا، چنانچہ وہاں سے بھی وہ کامیاب و کامران واپس لوٹے اور بہت سے قیدی اور مال غنیمت لے کر آئے۔ (زرقانی:۲/۲۸۷،طبری:۲/۲۸۸،مسلم:۲/۲۸۷،فتح الباری:۷/۳۶۷)

فتح مکہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

سنہ ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ سرزمین مکہ کو فتح کیا۔ یہ اسلامی تاریخ کا نہایت عظیم الشان واقعہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے دوپٹوں سے گھوڑوں کے منہ پر طمانچے مار رہی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور پوچھا: ''ابوبکر! تم کو حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے وہ شعر یاد ہیں جس میں اس نے اس منظر کا ذکر کیا ہے؟'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وہ اشعار یاد تھے اور آپ نے وہ فوراً پڑھ کر سنا دیے۔ (ازالۃ الخفاء:۲/۱۶)

فتح کے بعد کچھ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے عمر رسیدہ والد ماجد ابوقحافہ کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ابوقحافہ مکہ میں رہتے تھے اور ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوقحافہ کی عمر کو دیکھ کر فرمایا: ''ابوبکر! تم نے انہیں گھر پر ہی کیوں نہ رہنے دیا؟ میں خود ہی ان کے پاس چلا جاتا۔'' جان نثار نبوت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ کے پاس چل کر جائیں اس سے یہ بہتر ہے کہ میرا باپ خود اپنے پاؤں پر چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ پر دست مبارک پھیرا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مسلمان ہونے پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دی، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا، اگر ابوطالب اسلام لے آتے تو مجھے ابوقحافہ سے زیادہ خوشی ہوتی۔'' (سیرت حلبیہ:۲/۲۱۲)

غزوہ حنین اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ فتح مکہ نے دوسرے قبیلوں

Marfat.com

کو بھی مغلوب کر دیا اور وہ دعوت اسلام پر لبیک کہنے لگے، لیکن ہوازن اور ثقیف دو قبیلے کچھ اکھڑ بھی تھے اور فنون سپہ گری کے ماہر اور جنگ جوئی کے میدان کے شہسوار بھی تھے۔ ۶ شوال سنہ ۸ ھ میں اسلامی فوج نے جس کی تعداد بارہ ہزار تھی پیش قدمی کر کے ہوازن پر حملہ کر دیا۔ بنو ہوازن جو نامور تیر انداز تھے، انہوں نے اسلامی لشکر پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی جس سے اسلامی لشکر کے قدم اکھڑ گئے اور جناب ختمی مرتبت ﷺ صرف چند جاں نثاروں کے ساتھ تنہا رہ گئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نام سرفہرست ہے۔ (طبری: ۳۴۷/۲)

اب اسلامی لشکر نے دوبارہ منظم ہو کر جو حملہ کیا تو غنیم کے چھکے چھوٹ گئے اور اسے شکست فاش ہوئی۔ چنانچہ اس جنگ میں بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ مال غنیمت اکٹھا ہوا تو سرکار دوعالم ﷺ نے اعلان فرمایا: "من قتل قتیلاً فله سلبه" جو شخص کسی کو قتل کرے گا تو اس کا اسلحہ اسی کو ملے گا۔ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک بہادر اور طاقت ور مشرک کو قتل کیا، لیکن اس بارے میں انہیں کوئی شہادت دینے والا نہ ملا۔ انہوں نے اصل واقعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ایک شخص بولا: ''یا رسول اللہ! ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سچ کہتے ہیں، لیکن ان کے مقتول کا سامان میرے پاس ہے، لہٰذا اب یہ مجھ ہی کو دے دیجیے۔'' سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس شخص کی بات سن کر بولے: ''بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ ایک بزدل شخص کو مقتول کا سامان دے دیں، اور اللہ کے اس شیر کو نہ دیں جس نے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر جنگ کی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''ابو بکر سچ کہتے ہیں۔'' چنانچہ وہ سامان سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا گیا۔ (بخاری: ج ۲، غزوہ حنین)

غزوہ طائف اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ

حنین کی شکست خوردہ فوج طائف میں قلعہ بند ہو گئی تھی۔ اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر طائف کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ کئی روز کے محاصرہ کے بعد قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کسی نے مجھے ایک لبالب بھرا ہوا پیالہ پیش کیا ہے، لیکن ایک مرغے نے اس میں ٹھونگ ماری اور جو کچھ پیالہ میں تھا وہ گر پڑا۔'' سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اس خواب سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس محاصرہ میں کامیابی

Marfat.com

نہیں ہوگی۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔" چنانچہ محاصرہ اٹھالیا گیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۳۵۰/۴، طبری: ۳۵۵/۲، ازالۃ الخفاء: ۱۶/۲)

اس محاصرے میں آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے اور زخم مندمل نہ ہو سکے، اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دنوں میں یہی زخم سیدنا عبداللہ کی وفات کا سبب بنے۔ (الاصابہ تذکرہ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ)

غزوہ تبوک اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

یہ غزوہ سنہ ۹ھ میں واقع ہوا کیونکہ یہ افواہ پھیلی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ موقع خشک سالی اور عام مالی تنگ دستی اور زبوں حالی کا تھا اس وجہ سے اس کو جنگ عسرت بھی کہتے ہیں۔ اس جنگ میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا امتیازی وصف یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کل مال جس کی قیمت چار ہزار تھی، آپ ﷺ کی خدمت میں لاکر پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "ابوبکر! اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑ کر آئے؟" عرض کی: "صرف اللہ اور اس کے رسول کو۔" (زرقانی: ۶۴/۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کسی صورت نہیں بڑھ سکتا۔ (ترمذی)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس غزوہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شرکت کی مندرجہ ذیل خصوصیات بھی ہیں:

① اسلامی فوج کا جائزہ لینے اور اس کی امارت کی خدمت آپ کے سپرد تھی۔

② دوران سفر میں سرکار دو عالم ﷺ نے چند لوگوں کے ساتھ ایک جگہ رات گزاری اور لشکر اسلام سے دور ہو گئے۔ اس حالت میں زبان مبارک سے ارشاد فرمایا:

"اگر لشکر ابوبکر اور عمر کی پیروی کرے گا تو راہ یاب اور کامیاب ہوگا۔"

اسلامی لشکر مدینہ طیبہ سے باہر جمع ہوا۔ جب تک سرکار دو عالم ﷺ مدینہ طیبہ کے انتظام وانصرام کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے، نماز کی امامت کے فرائض سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ادا فرماتے رہے۔ (عیون الاثر: ۲۹۳/۲)

Marfat.com

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے امیر حج

ذی قعدہ سنہ ۹ ھ کو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر فرما کر مکہ مکرمہ روانہ فرمایا۔ اس لحاظ سے یہ اسلام میں سب سے پہلے امیر الحج ہیں۔ سنہ ۸ ھ میں مکہ فتح ہو گیا تھا اور اب مکہ کا پورا کنٹرول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین سو افراد پر مشتمل ایک کاروان حج تھا جس کے ساتھ بیس اونٹ تھے اور خود سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اپنے پانچ اونٹ بھی قربانی کے لیے ساتھ تھے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد سورۃ التوبہ کا ابتدائی رکوع نازل ہوا جس میں مشرکین سے کیے گئے عہد و پیمان کو برابری کی بنیاد پر ختم کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس حکم کے آنے کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے روانہ فرمایا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس کا اعلان کر دیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زیادہ مناسب یہ تھا کہ اس کا اعلان اس شخص کی زبانی ہونا چاہیے جو عہد کرنے والے کے خاندان سے ہو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنی ناقہ ''عضباء'' پر سوار کر کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے روانہ کر دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ''عرج'' یا وادی ضجنان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ کی آواز سنی تو گمان ہوا کہ شاید سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے آئے ہیں۔ مڑ کر دیکھا تو ناقہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "امیراً او مامور" یعنی آپ رضی اللہ عنہ امیر بن کر آئے ہیں یا مامور بن کر۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''مامور بن کر آیا ہوں۔'' پھر یہ دونوں حضرات آگے بڑھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امیر حج ہونے کی حیثیت سے لوگوں کو حج کرایا۔ جب ۱۰/ ذی الحجہ کو قربانی کا دن آیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جمرہ عقبیٰ کے قریب کھڑے ہو کر لوگوں میں وہ اعلان کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو بھیج کر ان باتوں کا اعلان عام کر دیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گویا جزیرہ نما عرب میں بت پرستی کے خاتمہ کا اعلان تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری: ۲۰۰/۱، ص ۴۵۱، ۶۲۶/۲، زرقانی: ۸۹/۳، فتح الباری: ۶۵/۸، زاد المعاد: ۲۵/۲، سیرۃ ابن ہشام: ۵۴۶/۲، نسائی: ۴۳/۲)

Marfat.com

حجۃ الوداع میں شرکت

۲۳ سال کی شبانہ روز دعوت و تبلیغ اور غزوات وسرایا کی کامیابی سے لوگ اب جوق در جوق اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور ہو رہے تھے، لہٰذا اب آپ نے حج پر جانے کا اعلان فرمایا: چنانچہ یہ خبر پوری مملکت اسلامیہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور صحرا کے بادیہ نشین، پہاڑوں کی گھاٹیوں میں بسنے والے، دیہات اور شہروں کے باسی دور ونزدیک ہر طرف سے امنڈ کر مدینہ منورہ میں سمٹ آئے۔ مدینہ کے باہر خیموں کا ایک نیا شہر آباد ہو گیا۔ ۲۶ ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ بروز ہفتہ سرکار دو عالم ﷺ ظہر اور عصر کے درمیان مدینہ سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ہم رکاب تھے، بلکہ آپ ﷺ کا سامان سفر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اونٹنی پر ہی لدا ہوا تھا۔ یہ اونٹ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام کی تحویل میں تھا۔ غلام سے یہ اونٹ راستہ میں کہیں گم ہو گیا۔ کافی انتظار کے بعد جب وہ غلام منزل پر بغیر اونٹ کے پہنچا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غلام کی اس غفلت پر غصہ آ گیا۔ چنانچہ آپ نے اس کو دو چار معمولی تھپڑ لگا دیے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''ذرا اس محرم (احرام باندھنے والے) کو تو دیکھو کیا کر رہا ہے۔'' (مسند احمد: ۳۴۴/۶)

وفات نبوی ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

حجۃ الوداع میں تکمیل دین کی جو بشارت دی گئی تھی اس کے بعد آپ ﷺ کے جذبات و احساسات اور احوال وظروف بلکہ گفتار و کردار سے بھی یہی ظاہر ہونا شروع ہو گیا کہ اب آپ ﷺ اس دنیا کے باسیوں کو الوداع کہنے والے ہیں۔ حجۃ الوداع میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ مدینہ واپس آ کر رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو دنیا میں اور اس چیز میں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اختیار دیا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کرے۔ اس بندہ نے جو اللہ کے پاس ہے یعنی قرب خداوندی اس کو پسند فرمایا۔'' یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت حیرانی ہوئی کہ یہ رونے کا کون سا مقام ہے۔ لیکن رمز شناس کلام رسالت اور محرم اسرار نبوت فوراً سمجھ گئے کہ اس بندہ سے مراد خود آپ ﷺ کی ذات گرامی ہے، اور اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کا وقت آ پہنچا

Marfat.com

ہے۔(بخاری:۵۱۶/۱)

چند روز بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے۔ بیماری میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ مسجد میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہیں۔ لہٰذا عمر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ وہ نماز پڑھائیں۔ ساتھ ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سفارش کی، لیکن جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عذر قبول نہ فرمایا، اور پھر اصرار کے ساتھ حکم فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے بگڑ کر فرمایا: ''تم انہیں عورتوں میں سے ہو جنہوں نے یوسف علیہ السلام کو جُل دیا تھا۔'' (بخاری:۹۳/۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے مطابق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تین روز تک نماز پڑھاتے رہے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ محسوس ہوا تو حجرہ سے نکل کر خود مسجد میں تشریف لائے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آتا دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے منع فرمایا اور خود سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب جا کر بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب امام ہو گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ مقتدی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں سے قرأت شروع کی جہاں تک ابوبکر رضی اللہ عنہ قرأت کر چکے تھے۔

(ابن ماجہ: ص ۸۸، مسند احمد بن حنبل: ۲۰۹/۱، ۲۳۲، طحاوی: ۱۹۷/۱، سنن کبریٰ بیہقی: ۸۱/۳)

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیوی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائیں، لیکن محقق سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اکیس (۲۱) نمازیں پڑھائی ہیں۔ ان اکیس نمازوں میں وہ نماز بھی شامل ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب بیٹھ کر تمام لوگوں کو خود نماز پڑھائی۔ ان نمازوں میں وہ نماز بھی ہے جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جا کر جماعت میں شامل ہوئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بدستور امام جماعت رہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں جس میں آپ کی وفات ہوئی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔

(البدایہ والنہایہ: ۲۳۴/۵)

Marfat.com

اور سیرۃ حلبیہ میں بھی مذکور ہے کہ ''سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے مرض وفات میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے اقتداء کر کے تین دفعہ نماز پڑھی۔'' یہ لکھ کر صاحب سیرۃ حلبیہ فرماتے ہیں:

ولم ینکر ھذا الا جاھل لاعلم له بالروایة۔

''اور اس بات کا انکار وہی شخص کرے گا جو علم روایت سے جاہل ہے۔''

روایات میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کے بارے میں آپ ﷺ نے نہایت سختی سے حکم فرمایا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اتفاقاً مرض الوفات میں کسی ایک نماز کے موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ سیدنا عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ اور دوسری روایت کے مطابق سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نماز پڑھا دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ امامت کے مصلیٰ پر تشریف لائے۔ تکبیر تحریمہ کہی اور قرأت شروع کر دی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جونہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی، فرمایا: ''نہیں، نہیں، نہیں، ابن ابی قحافہ (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے علاوہ اور کوئی امامت نہ کرائے سرکار دو عالم ﷺ کے منہ سے جونہی یہ الفاظ نکلے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس نماز سے ہٹ گئے، صفیں ٹوٹ گئیں، لوگ وہیں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ابو قحافہ کے بیٹے (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) آئے اور امامت کے مصلیٰ پر کھڑے ہو کر لوگوں کی نماز پڑھائی۔ (سیرت حلبیہ: ۳/۳۸۷)

نبی اکرم ﷺ کا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس قدر تاکید فرمانا بڑا معنی خیز اور پُر حکمت تھا۔ گویا آپ ﷺ یہ بتانا چاہتے تھے کہ جس طرح میری موجودگی میں امامت میں خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے اسی طرح میری وفات کے بعد بھی میرا جانشین اور خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہوگا۔

ایک روز پھر حسب معمول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے کہ حجرہ نبوی کا پردہ اٹھا اور روئے انور ظاہر ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر وہ پردہ گرا دیا۔ (بخاری: ۱/۹۴)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ آخری نماز تھی جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور یہ فجر کی نماز تھی۔ (البدایہ والنہایہ: ۵/۲۴۴)

Marfat.com

واقعہ قرطاس اور وفات نبوی

وفات سے چار روز قبل جمعرات کو جب آپ ﷺ سخت تکلیف سے دوچار تھے تو آپ ﷺ نے حجرہ نبوی میں موجود لوگوں سے فرمایا: ''کاغذ اور قلم دوات لے آؤ تاکہ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔'' یہ سن کر وہاں موجود لوگوں میں اختلاف ہو گیا، لہٰذا آپ کی تکلیف کی شدت کے پیش نظر کاغذ اور قلم دوات نہ لایا گیا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس کاغذ اور قلم منگوانے میں آپ ﷺ کا مقصود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی دستاویز لکھوانی تھی۔

روایات کا تسلسل تو اس کی تصدیق نہیں کرتا اور اگر خلافت ہی لکھوانا مقصود تھا تو وہ خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نہ تھی بلکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت لکھوانا مقصود تھی جس کی تائید بخاری اور مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: سیدہ فرماتی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے اپنی بیماری کی حالت میں فرمایا: ''میرا ارادہ ہوا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اس کے فرزند (عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ) کو بلانے کے لیے کسی کو بھیج دوں اور ان کو وصیت کر دوں اور ان کو اپنا جانشین بنا دوں تاکہ کہنے والے کچھ نہ کہہ سکیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کر سکیں، لیکن میں نے پھر اپنا ارادہ فسخ کر دیا اور یہ کہا کہ وصیت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ انکار کرے گا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بجائے کوئی اور خلیفہ ہو، اور اہل ایمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کی خلافت کو قبول نہیں کریں گے۔'' (بخاری: ۲/۱۰۷۲)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

معاذ الله! ان يختلف الناس على ابى بكر۔

''اللہ کی پناہ کہ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اختلاف کریں۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت لکھوانا مراد ہے۔ اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ نے کتاب الاحکام میں اس حدیث پر جو ترجمۃ الباب رکھا ہے وہ ''باب الاستخلاف'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے اشارہ خلافت کی طرف ہے۔ (قسطلانی: ۱۰/۲۶۰، فتح الباری: ۱۳/۱۱۷، زرقانی: ۸/۲۵۷)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز صبح سے فارغ ہو کر سیدھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کو دیکھ کر سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو اب قدرے

Marfat.com

سکون ہے، اور جو بے چینی طبیعت میں پہلے تھی وہ اب نہیں رہی کیونکہ اس سے قبل آپ ﷺ کی طبیعت میں بہت کرب اور بے چینی تھی۔'' اس افاقہ اور سکون کو دیکھ کر مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ روبصحت ہو رہے ہیں۔ وہ آپ ﷺ کی اس حالت کو دیکھ کر کافی مطمئن ہوئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ کی صحت اللہ کے فضل و کرم سے اچھی ہو رہی ہے۔ میری اہلیہ حبیبہ بنت خارجہ کی باری کا دن ہے، اگر اجازت ہو تو اس کے ہاں سے ہو آؤں اور آپ ﷺ کی صحت کی خوش خبری بھی اسے دے آؤں؟ فرمایا: ''اجازت ہے۔'' چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ''سخ'' تشریف لے گئے کیونکہ اب ہر شخص آپ ﷺ کے مزاج کے بارے میں مطمئن تھا۔

جب چاشت کا وقت ہوا تو سرور انبیاء ﷺ اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو انتقال فرما گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سالم بن عبید رضی اللہ عنہ کے ذریعہ آپ ﷺ کے انتقال کی خبر ملی۔ آپ رضی اللہ عنہ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ دیکھا کہ مسجد نبوی جان نثاران نبوت سے بھری ہوئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کسی سے کوئی بات نہ کی اور سیدھے کاشانہ نبوت پر تشریف لے گئے اور جسد اطہر کے قریب کھڑے ہو کر روئے چہرہ انور سے چادر اٹھائی، پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور رو کر کہا:

''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، آپ ﷺ موت و حیات دونوں کیفیتوں میں کیسے پاکیزہ تھے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔'' (بخاری: ۱/۵۱۷، ۲/۶۴۰)

پھر فرمایا:

''جو موت اللہ نے آپ ﷺ کے لیے لکھی تھی وہ آپ ﷺ پر وارد ہو چکی ہے۔''

(بخاری: ۱/۱۶۶)

ابن ابی شیبہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آتے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن لی تھی کہ رسول اللہ ﷺ پر جو صورت حال پیش ہے، وہ موت نہیں ہے۔

وفات نبوی اور خطبہ صدیقی

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات سے لوگوں کو سخت حیرت ہو رہی تھی۔ مسلمان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات

Marfat.com

سے کچھ تذبذب میں پڑ گئے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آتے ہی اس بات کو بھانپ لیا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لائے اور لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ارشادات سننے کے لیے بیٹھ گئے۔ آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا: ''لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا، اسے جان لینا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پا گئے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول، جیسے اور بھی بہت سے اللہ کے رسول گزر چکے ہیں۔ سو اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو جائے تو وہ اللہ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔'' (بخاری: ۲/۶۴۰)

اس کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ارشاد فرمائیں جن کو علامہ زرقانی رحمہ اللہ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ (زرقانی: ۸/۲۸۰، البدایہ والنہایہ: ۵/۲۴۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''بخدا! میں نے جونہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا میں نہایت دہشت زدہ اور متحیر ہو کر رہ گیا یہاں تک کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا رہے تھے۔'' چنانچہ میں زمین پر گر پڑا کیونکہ مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے۔ (بخاری: ۲/۶۴۱)

سقیفہ بنی ساعدہ

ادھر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں، ادھر منافقین کی سازش سے مدینہ منورہ میں خلافت کا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ انصار مدینہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جو ان کا دار المشورہ تھا، اکٹھے ہو کر خلافت کی بحث چھیڑ دی۔ انصار کا خیال تھا کہ جانشین رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ہو۔ کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ بجائے ایک کے دو امیر ہوں، ایک انصار میں سے اور دوسرا مہاجرین میں سے اگر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بروقت مداخلت نہ کرتے تو شاید مہاجرین وانصار باہم دست وگریبان ہو جاتے اور ایک ایسا فتنہ جنم لیتا جو شاید اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دیتا، لیکن ان دونوں حضرات کی عقل وبصیرت نے اس فتنہ کو ایسا ختم کیا کہ پھر کبھی انصار نے نہ تو خلافت کی تمنا کی اور نہ ہی اظہار۔

Marfat.com

روایات میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے۔ وہاں ایک شور وغل برپا تھا۔ جب یہ تینوں حضرات بیٹھ گئے تو انصار کے ایک خطیب نے اٹھ کر کہا:

''ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں، اور اے مہاجرین! تم ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہو لیکن اب تم ہم سے برگشتہ ہو گئے ہو اور ہمیں ہمارے مقام سے الگ کرنا چاہتے ہو۔''

اس تقریر کے ختم ہونے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ بولنا چاہا، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں روک دیا اور خود کھڑے ہو کر ایک نہایت فصیح و بلیغ فی البدیہ تقریر فرمائی جس میں پہلے تو مہاجرین کے فضائل اور اسلام کے لیے ان کی غیر معمولی قربانیوں کا تذکرہ فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے رشتہ وقرابت کا ذکر فرمایا، پھر فرمایا:

''اے انصار! تم جو کچھ اپنے بارے میں کہتے ہو، بے شک اس کے اہل ہو، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی تمہارا گہرا تعلق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات تم ہی میں سے تھیں، لیکن عرب اس معاملہ میں سوائے قریش کے اور کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔''

آپ رضی اللہ عنہ کی تقریر ختم ہوئی تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا تھا کہ انصار و مہاجرین سب بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔

(یہ واقعہ بخاری کے کئی مقامات پر منقول ہے۔ ہم نے ان سے اختصار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری: ۵۱۸/۱، ۱۰۰۹/۲، طبری: ۴۵۷/۲، اس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب سیرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں دی ہے۔)

سقیفہ بنی ساعدہ سے فراغت کے بعد یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاشانہ نبوت پر حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس بیان پر کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کسی نبی کی روح اسی جگہ قبض کرتا ہے جہاں اس کو دفن ہونا پسند ہوتا ہے۔'' چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی خواب گاہ یعنی حجرہ عائشہ میں دفن کر دیا۔

Marfat.com

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ
خلیفہ کی حیثیت سے

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت عامہ

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار و مہاجرین میں سے جو لوگ موجود تھے ان سب نے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، لیکن یہ صرف چند لوگ تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں سیدنا علی، سیدنا عباس، سیدنا زبیر، سیدنا طلحہ اور دیگر کئی کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود نہیں تھے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دوسرے روز یعنی ۱۳ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ مطابق ۲۸ مئی سنہ ۶۳۲ء کو مسجد نبوی میں بیعت عامہ کا اہتمام کیا گیا۔ سب انصار و مہاجرین اکٹھے ہوئے۔ پہلے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا، پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو خاموش بیٹھے ہوئے تھے، کہا: ''منبر پر تشریف لائیے۔'' لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ آخر جب دو تین مرتبہ کہا گیا تو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور تمام مسلمانوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (بخاری: ۲/۱۰۷۲)

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! میں تمہارا امیر بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرو، اور اگر میں برا کام کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت، تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلا دوں گا ان شاء اللہ، اور ان شاء اللہ تمہارا قوی فرد میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں۔

Marfat.com

جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اس پر خدا ذلت وخواری مسلط کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر مصیبت کے سائے منڈلانے لگ جاتے ہیں۔ جب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو، اور جب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت ضروری نہیں۔ اچھا اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۲۴۸/۵، طبقات ابن سعد: ۱۲۹/۳)

کیا بعض حضرات نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی

تاریخ کی بعض کتابوں میں ہے کہ بعض اہم شخصیات نے اس دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی جس دن دوسرے سب لوگوں نے بیعت کی تھی۔ ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، بنو ہاشم اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔

(ابن اثیر: ۳۳۱/۲، طبری: ۴۴۸/۳، سنن کبریٰ بیہقی: ۳۰۰/۲، مسند ابی عوانہ: ۱۴۶/۴، بخاری: ۶۰۹/۲، انساب الاشراف: ۵۸۶/۱ وغیرہ)

قبیلہ خزرج کے سردار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ یہ سب روایات سبائیوں کی وضع کردہ ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان سب حضرات نے بغیر کسی توقف اور ہچکچاہٹ کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ جہاں تک سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے، بہت سی روایات میں ہے کہ انہوں نے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ چنانچہ علامہ ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جو یہ لکھا ہے کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔ روایات سے اس کی تغلیط ہوتی ہے۔ (الصواعق المحرقہ: ص ۷)

اور طبری نے تو ایک روایت میں صاف صاف لکھا ہے کہ ''ساری قوم نے بیعت کی اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) کی بیعت کی۔'' (طبری: ۴۵۹/۲)

اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات ملتی ہیں کہ انہوں نے بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا:

Marfat.com

"بے شک ہم ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سب لوگوں سے زیادہ خلافت کا حق دار سمجھتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار کے ساتھی ہیں اور ثانی اثنین ہیں۔ ہم ان کی شرافت اور بزرگی کا دل و جان سے اعتراف کرتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں انہیں لوگوں کی نماز کا امام بنایا تھا۔ اس روایت کی سند عمدہ اور جید ہے۔"

(البدایہ والنہایہ:۲۵۰/۵، ۳۰۲/۶، مستدرک حاکم:۶۶/۳، سنن کبریٰ بیہقی:۱۹۲/۸، ابن ابی الحدید:۵/۲)

باقی رہا معاملہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا تو اس بارے میں بھی بکثرت روایات موجود ہیں جن میں صاف لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت قبول کر لی تھی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"یہ اسناد صحیح اور محفوظ ہیں...... اور اس سے بڑی مفید شے ثابت ہوئی وہ یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلے روز یا دوسرے روز سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی اور یہی حق بات ہے۔" (البدایہ والنہایہ:۲۴۹/۵)

ایسا ہی طبری:۴۴۷/۲ اور بلاذری نے انساب الاشراف:۵۸۵/۱ میں لکھا ہے۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور وراثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ کی وراثت کا مسئلہ پیدا ہوا ازواج مطہرات نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی معرفت خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ متروکات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہماری میراث کا حصہ دیا جائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں کہا کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا کہ ہماری وراثت نہیں ہوتی ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

(بخاری:۹۹۶/۲)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں نے انہیں یہ بتایا تو وہ اپنے مطالبہ سے رک گئیں۔ (بخاری:۵۷۶/۲، فتوح البلدان:ص ۳۷)

دوسری طرف سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا۔ ان کو بھی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہی جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہم انبیاء کی وراثت (مالی) جاری نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ کر رخصت ہوتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ لہٰذا جس طرح

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے دور میں مالی اخراجات آل رسول ﷺ کے لیے ان اموال سے جاری رہتے تھے، ٹھیک اسی طرح ہم بھی اس پر عمل جاری رکھیں گے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

(بخاری: ۱/۵۲۶، ۲/۵۷۶، طحاوی: ۱/۲۹۸)

رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات، چچا اور صاحب زادی کے بالمقابل یہ محتاط اور مبنی برحق موقف بڑی جرأت اور بہادری کا معاملہ ہے۔ یہ صحیح ترین موقف ہے۔ ایسا موقف جو صدق و دیانت، جذبہ اطاعت رسول اور دین اسلام سے سچی وابستگی پر مبنی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور آپ ﷺ کی صاحب زادی اور چچا آتے ہیں۔ ان کا مطالبہ ہے کہ انہیں حق وراثت دیا جائے لیکن جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کلام رسول کے حافظ ہیں۔ ان کا مقصد حکم رسول کا نفاذ اور اس کو عملی جامہ پہنانا ہے۔ معاملہ دین کا ہے۔ محض چند شخصیات کی خوشی اور ان کی رعایت کا نہیں۔ باوجودیکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کلام رسول خوب یاد تھا اور اس کا حکم واضح تھا، لیکن پھر بھی آپ نے سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم وغیرہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کیا اور فرمایا:

''وہ رب جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، اس کی قسم دے کر میں تم لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ''ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ ان سب نے کہا: ''بلاشبہ یہ بات صحیح ہے۔''

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس مال پر اسی طرح عمل کیا جس طرح حضور عمل فرماتے تھے۔ (اس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ'' میں دی ہے۔)

جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں جب زمام خلافت سنبھالی تو وہ وقت نہایت نازک، کٹھن اور صبر آزما تھا۔ ایک طرف تو رسول اللہ ﷺ کی وفات کا حادثہ تھا جس کے جانکاہ صدمہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظروں میں دنیا تیرہ و تار کر دی تھی، اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر تو اس حادثہ کے اور بھی زیادہ اثرات تھے۔ دوسری طرف جھوٹے مدعیان نبوت، مرتدین عن الاسلام، مانعین

Marfat.com

زکوٰۃ اور دوسرے کئی ایک فتنوں نے سر اٹھانا شروع کیا۔ گویا مشکلات و مصائب کا ایک پہاڑ تھا جو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا تھا، لیکن سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس نازک وقت پر اس ثابت قدمی، صبر و تحمل سے امور مملکت کو انجام دیا کہ اس کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ صحیح ترجمانی کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ہم مسلمانوں کو ایسے حالات سے سابقہ پڑا کہ اگر اللہ تعالیٰ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم کو عطا کر کے ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہم ہلاک ہو جاتے۔'' (فتوح البلدان: ص ۱۰۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں ایک لشکر سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں شام کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ یہ لشکر مدینہ طیبہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر واقع مقام جرف میں پہنچا تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ مقرر ہوتے ہی سب سے پہلے لشکر اسامہ کو روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بارگاہِ خلافت میں عرض کی کہ یہ وقت اس لشکر کی روانگی کا نہیں ہے کیونکہ مدینہ کے اردگرد کے دیہاتی سردار باغی ہو رہے ہیں اور مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں، لہٰذا پہلے نزدیکی خطرات کا خیال کیا جائے، پھر جب امن ہو جائے گا تو لشکر اسامہ کو روانہ کر دیا جائے گا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تجویز کو درخور اعتناء نہ سمجھا اور فرمایا:

''جس لشکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا میں اس کو ہرگز نہیں روک سکتا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر مدینہ اس طرح خالی ہو جائے کہ میں یکہ و تنہا رہ جاؤں اور درندے اور کتے مجھے کھا جائیں پھر بھی میں اسامہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اس مہم پر روانہ کروں گا۔''

(طبری: ۶۳۱/۲، تاریخ الخلفاء: ص ۱۷۱، ابن عساکر: ۱۱۷/۱)

مختصر یہ کہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اس مہم پر روانہ ہو گئے اور ۷۰ دن اور ایک روایت کے مطابق ۴۰ دن کے بعد اس مہم سے کامیاب و کامران واپس ہوئے۔ ان کی واپسی پر مدینہ میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ خواتین بھی ان کے استقبال کے لیے موجود تھیں۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اس شان سے مدینہ میں داخل ہوئے کہ اپنے باپ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار تھے۔ ان کے آگے آگے سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ پرچم اٹھائے چل رہے تھے۔ یہ وہی

Marfat.com

پرچم تھا جس کے بارے میں جیش اسامہ کی روانگی کے وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''جس پرچم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولا تھا میں اسے کس طرح لپیٹ کر رکھ سکتا ہوں۔''

مرتدین کی سرکوبی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بہت سے سرداران عرب مرتد ہو گئے اور ہر ایک اپنے اپنے علاقہ میں خود مختار ہو گیا۔ محققین کے مطابق یہ ارتداد زیادہ تر سیاسی تھا، دینی ارتداد بہت ہی کم تھا۔ ان سرکش اور باغی قبائل میں سے بنوتمیم، بنوحنیفہ، قبیلہ مضر، قبیلہ دوس، اہل نجران اور اہل حضرموت وغیرہ تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے بھی پورا پورا انتظام کیا اور چند ہی روز میں اپنی سیاسی بصیرت سے ان کا قلع قمع کر دیا۔

مدعیان نبوت کا استیصال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیوی زندگی کے آخری ایام میں عرب کے کچھ قبائل کے لیڈروں نے اپنی بغاوت کی سیاسی تحریک کو مذہبی رنگ دینے کے لیے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا شخص جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، وہ قبیلہ مذلج کی شاخ عنس کا الاسود تھا۔ یہ ہر وقت اپنے سر پر ایک دوپٹہ اوڑھے رکھتا تھا، اس وجہ سے اس کو ''ذوالخمار'' بھی کہتے تھے۔

(ابن اثیر: ۲/۲۵۴)

اسود عنسی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے مسلمانوں کو اس کا مقابلہ کرنے کا پیغام بھیجا۔ چنانچہ فیروز دیلمی نے اسے قتل کر دیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ روز قبل کچھ لوگوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ لیکن اس کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دس (۱۰) روز بعد مدینہ پہنچی۔ (ابن اثیر: ۲/۲۵۵، فتوح البلدان: ص ۱۱۲، البدایہ والنہایہ: ۶/۳۱۰)

دوسرا مدعی نبوت طلیحہ تھا جو بنو اسد قبیلہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ''الاسدی'' کہلاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ سیدنا ضرار رضی اللہ عنہ کے کچھ لوگوں نے طلیحہ کو پکڑ کر اس کے سر پر تلوار ماری لیکن اتفاق سے وہ بچ کر نکل گیا۔ چنانچہ اس نے اس بات کو اپنے پراپیگنڈے کے طور پر استعمال کیا کہ تلوار مجھ پر اثر نہیں کرتی۔ اسی اثنا میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا

Marfat.com

انتقال ہو گیا۔ طلیحہ کا ایک مکار دوست عیینہ بن حصن الفزاری لوگوں کو کہتا پھرتا تھا کہ ''دیکھو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہو گیا لیکن ہمارا نبی زندہ ہے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ انہوں نے طلیحہ کے ساتھیوں پر حملہ کر کے قتل کیا اور بعض کو گرفتار کر کے مدینہ بھجوایا، لیکن طلیحہ بن خویلد اسدی شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے توبہ کر کے دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور اس طرح وہ دوبارہ مومنین کے حلقہ میں داخل ہو گیا۔ (طبری: ۴۸۹/۲، یعقوبی: ۱۴۵/۲)

بنو تغلب کی ایک عورت سجاح بنت الحارث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ بنو تغلب اور بنو تمیم کے کچھ لوگ اس کے پیروکار ہو گئے۔ مالک بن نویرہ جو مرتد ہو گیا تھا وہ اس کا دست راست تھا۔ سجاح نے آخر میں مسیلمہ کذاب سے شادی کر لی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمان ہو گئی۔ (طبری: ۴۹۶/۲)

ایک اور شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا، وہ مسیلمہ کذاب بن حبیب تھا۔ اس کا تعلق بنو حنیفہ سے تھا۔ اس کی سرکوبی کے لیے سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا گیا، لیکن پیشتر اس کے کہ وہ حملہ کریں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی امداد کے لیے روانہ کیا گیا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور مسیلمہ کی فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا جو جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے بہت سے لوگ شہید ہوئے جن میں حفاظ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ لیکن بالآخر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ مسیلمہ کو سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ اس کی بیوی سجاح بھاگ کر بصرہ چلی گئی اور ایک روایت کے مطابق چند دنوں کے بعد مر گئی۔

(یعقوبی: ۱۴۷/۲، البدایہ والنہایہ: ۳۲۵/۶، ابن اثیر: ۲۷۲/۲، طبری: ۵۰۴/۲)

مانعین زکوٰۃ

بعض عرب قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، یہ کہتے ہوئے کہ ہم نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ عرب کی اس وقت کی حالت دیکھ کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''فی الحال مانعین زکوٰۃ سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔'' لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: ''بخدا! اگر یہ لوگ اونٹ کی ایک رسی سے بھی

Marfat.com

جسے وہ رسول اللہ کے زمانے میں ادا کرتے تھے، انکار کریں گے تو میں اس پر ان سے جنگ کروں گا۔" بعد ازیں فرمایا: "زکوٰۃ مال کا حق ہے جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے، میں ان سے قتال کروں گا۔"

مانعین زکوٰۃ کے بارے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ ان حالات یہ فتنہ جگا سکتے ہیں کہ کل کو کوئی طبقہ نماز کا انکار کر دے اور کوئی دوسرا روزے چھوڑ بیٹھے۔ اسی طرح جو ان کی اپنی خواہش اور رائے ہوگی وہ اسی کی دعوت دے گا اور اس کے اردگرد ضعیف الایمان لوگوں کی ایک بھیڑ جمع ہو جائے گی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو فرائض اور ذمہ داریوں سے خلاصی چاہتے ہیں۔ اس طرح دین اسلام گھٹتا جائے گا اور بالآخر ختم ہو جائے گا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے استفادہ کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا جب قبیلہ ثقیف کا وفد حاضر خدمت ہوا اور اس نے اس شرط پر قبول اسلام کی حامی بھری کہ انہیں نماز معاف کر دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہیں۔" (لا خیر فی دین لا صلوٰۃ فیه)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام کو قبول نہیں فرمایا جس میں نماز نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ زکوٰۃ بھی نماز کی مانند ہے۔ اور قرآن حکیم میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم بھی ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حالات کی نزاکت دیکھ کر عرض کیا:

"رسول گرامی کے خلیفہ! لوگوں سے نرمی برتیں اور حسن سلوک کریں۔ آپ ان کے ساتھ کیوں کر جنگ کر سکتے ہیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے اس وقت تک جب تک وہ کلمہ نہ پڑھ لیں (یا مسلمانوں کی بالادستی قبول نہ کرلیں) جب کلمہ پڑھ لیں تو ان کے جان و مال ہم سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اب قتل ۔۔ گا تو حق کی بنا پر۔ (یعنی قتل کے جرم میں، ایسے ہی جرم میں شرعاً لازم ہے)۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غضبناک ہو کر فرمایا:

"ابن خطاب! جاہلیت میں تم بڑے سخت اور متشدد تھے، اب اسلام میں اتنے بزدل۔ میں تمہاری مدد کا متمنی ہوں اور تم میرے پاس رسوائی کا پروگرام لے کر آئے ہو؟ اس

Marfat.com

میں کوئی شک نہیں کہ نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہوگا اور دین مکمل ہوگیا۔ دین میں کمی کی جائے اور میں زندہ رہوں؟ (یہ ممکن نہیں) بخدا! ان لوگوں سے میں ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کریں گے (جس طرح نماز جسم کا حق ہے) اسی طرح زکوٰۃ مالی حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر مانعین زکوٰۃ اس مد میں آنے والی ایک رسی بھی روکیں گے جو وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو دیتے تھے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''مجھے یقین ہوگیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے منکرین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کے بارے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شرح صدر فرمادیا تھا، اور صحیح اور درست بات وہی تھی جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہی۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک باقاعدہ فوج کے ذریعہ ان قبائل پر حملہ کردیا۔ تھوڑی سی شدت اور سختی کے بعد ان قبائل کے سردار اپنی اپنی زکوٰۃ لے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

(بخاری: ۱۸۰/۱، طبری: ۴۷۸/۲، البدایہ والنہایہ: ۳۱۵/۶، ابن اثیر: ۲۶۱/۲، فتوح البلدان: ص ۱۰۱)

فتوحات

عرب کی سرحد دنیا کی دو عظیم الشان اور سپر پاور حکومتوں سے ٹکراتی تھی۔ ایک طرف شام تھا جس پر بازنطینی سلطنت کا قبضہ تھا اور دوسری طرف عراق جس پر ایرانی حکومت کا پرچم لہرا رہا تھا۔ عراق اور شام دونوں کی سرحدیں جزیرہ نما عرب سے ملتی تھیں، اس لیے عرب کے خانہ بدوش اور بدو قبائل ان ملکوں میں گھس کر لوٹ مار کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے دونوں حکومتیں ان سے پریشان تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں نے باہم مل کر یہ پالیسی اختیار کی کہ عربوں کو اپنے ملک کی سرحدوں پر آباد کر کے ان کی باقاعدہ ریاستیں قائم کردیں تاکہ اس طریقہ سے وہ عربوں کی لوٹ مار سے محفوظ رہیں اور اگر بازنطینی اور ساسانی حکومتوں میں جنگ ہو تو ہر ایک دست پروردہ عرب حکومت اس کی مدد کر سکے۔ ساسانی یا ایرانی حکومت کے تحت جو عرب حکومت قائم ہوئی وہ حیرہ یا لخمی حکومت کہلاتی تھی اور قیصر روم کے زیر سایہ جو عرب حکومت معرض وجود میں آئی، اس کا نام حکومت غساسنہ تھا۔

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ایرانیوں کا رویہ عربوں کے ساتھ بڑا تحقیر آمیز تھا۔

Marfat.com

چنانچہ عرب بھی دل سے ایرانیوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ جس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف رکھتے تھے، اس زمانے میں ایرانیوں اور عربوں کے قبیلہ بنو بکر کا بڑے زور کا معرکہ ہوا جس میں ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس شکست کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج عرب نے عجم سے اپنا بدلہ لے لیا۔'' (ابن خلدون: ۲۶۸/۲، العقد الفرید: ۸۱/۳)

اس جنگ کو جنگ ذی قار کا نام دیا گیا کیونکہ یہ ذی قار کے مقام پر ہوئی تھی۔

مدینہ طیبہ میں جب دعوت اسلام کا چرچا ہوا تو ایرانی حکومت کو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ اسلام سے وابستہ ہو کر عرب منظم اور مضبوط طاقت بن رہے ہیں، اور ایرانی حکومت اس کو اپنے لیے ایک عظیم خطرہ سمجھتی تھی۔ اس کے مقابلے میں عرب بھی یہ سمجھتے تھے کہ جب تک عراق کے عربوں کو ایرانی شہنشاہیت کے جوئے سے آزاد نہ کرا لیا جائے جزیرہ نما عرب کی مشرقی سرحد محفوظ نہیں ہو سکتی۔

ایک طرف ایران کے ساتھ عربوں کے یہ تعلقات تھے اور دوسری طرف شام کے ساتھ تعلقات کی نوعیت یہ تھی کہ ابتدا میں بنو قضاعہ کے چند قبائل نے وہاں جا کر سکونت اختیار کی۔ وہاں رومیوں کی حکومت تھی، انہوں نے ایک خاص پالیسی کے تحت ان میں سے ایک سردار کو ان کا حاکم مقرر کر دیا۔ ان سرداروں کو ملوک کہا جاتا تھا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد غسانی قبیلہ یمن سے ہجرت کر کے وہاں آباد ہو گیا۔ اس قبیلہ نے کچھ دنوں بعد اس قدر طاقت حاصل کر لی کہ بنو قضاعہ پر غالب آ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بازنطینی حکومت نے انہیں اب ملوک تسلیم کر لیا۔ غسانیوں نے اس علاقہ میں قریباً چار سو سال حکومت کی۔ ان کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم غسانی تھا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آیا اور پھر مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ مختصر یہ کہ شام اور عراق کی سرحدوں پر جو عرب قبائل آباد تھے وہ کہنے کو تو خود مختار تھے لیکن دراصل ساسانی اور بازنطینی حکومت کے باجگذار تھے، اور یہ حکومتیں ان کو طرح طرح کی تکالیف دیتیں، بھاری ٹیکس ان سے وصول کیے جاتے، اور بعض دفعہ معمولی معمولی باتوں پر انہیں سخت سزائیں دی جاتیں۔ اسلام کی دعوت کا جب غلغلہ بلند ہوا اور اس کے ذریعہ عربوں میں قومی تنظیم پیدا ہوئی تو ساسانی حکومت کی طرح بازنطینی حکومت کو بھی سخت خطرہ لاحق ہوا۔ اس خطرہ سے محفوظ رہنے کے لیے اس نے ان عربوں کو استعمال کیا جو حدود شام میں آباد تھے تا کہ اہل اسلام کی اس عظیم سیاسی

Marfat.com

طاقت کو ابھرنے نہ دیا جائے۔

سنہ ٦ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے اور بادشاہوں کی طرح قیصر روم ہرقل کو بھی ایک خط لکھا جو رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔ واپسی پر جب وہ مقام جذام پر پہنچے تو شامی عربوں نے بازنطینی حکومت کے اشارہ پر ان پر حملہ کیا اور ان کے مال و متاع کو لوٹ لیا۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے بصریٰ کے حاکم کو اسلام کی دعوت کا خط لکھا اور سیدنا حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ بطور سفیر اس خط کو لے کر گئے تو شرحبیل بن عمرو جو شام کے سرحدی علاقے کا ایک عرب حکمران اور قیصر کا باجگذار تھا، اس نے سیدنا حارث رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ اس کا انتقام لینے کے لیے جنگ موتہ کا واقعہ پیش آیا جس میں سیدنا زید بن حارثہ، سیدنا جعفر طیار اور سیدنا عبداللہ بن رواحہ جیسے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔

جنگ موتہ کے بعد رومیوں کا حوصلہ بڑھا اور انہوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ان تیاریوں کی خبریں موصول ہوئیں تو آپ ﷺ ایک لشکر جرار لے کر تبوک کی طرف بڑھے۔ رومیوں کو جب اسلامی لشکر کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ میدان میں نہ آئے۔

اپنے انتقال سے چند روز قبل آپ ﷺ نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت جو لشکر ارسال فرمایا تھا وہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو اتنی اہمیت دی کہ زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی ہزاروں مشکلوں کے باوجود اور باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت کے اس لشکر کو حدود شام کی طرف روانہ فرما دیا۔ مشہور مستشرق ولیم میور نے لکھا ہے:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ کام انتہائی سیاسی دانش مندی پر مبنی تھا کیونکہ اس عمل نے اسلام کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے دلوں پر اسلام کی سیاسی طاقت دھاک بٹھا دی۔''

(The Caliphate, Muir, P. 42)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان اس وقت کی دو سپر طاقتوں ایران اور روم کے درمیان گھرے ہوئے تھے، اور یہ دونوں قوتیں اس وقت اسلام کے لیے عظیم خطرہ تھیں۔ اس وجہ سے جب تک ان دونوں حکومتوں کی سرکوبی نہ کی جاتی، اسلام کو پھیلنے اور بڑھنے کا ہرگز موقع نہ مل سکتا تھا۔ یہ تھے وہ حالات جن میں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اور جانشین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے

Marfat.com

لیے ناگزیر تھا کہ وہ ان دونوں حکومتوں کی سرکوبی کرتے اور اسلام کی دعوت کو چار دانگ عالم میں پھلنے پھولنے اور پھیلنے کا موقع بہم پہنچاتے۔ چنانچہ خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارتداد اور بغاوت کے اندرونی فتنوں سے فراغت کے بعد عراق وشام کی طرف توجہ دی، اور عراق اور شام میں مختلف کمانڈروں کے ذریعہ بے شمار فتوحات حاصل کیں۔ (جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب سیرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صفحہ ۱۷۲ سے لے کر ۵۸۷ تک بیان کر دی ہیں۔)

وفات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پُر ملال پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا شدید غم اور صدمہ تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ اس غم میں اندر ہی اندر گھلتے رہے۔ آخر ۷ر جمادی الآخرہ سنہ ۱۳ھ بروز اتوار آپ رضی اللہ عنہ نے غسل فرمایا۔ اس روز شدید سردی تھی۔ غسل کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو بخار ہو گیا جو قریباً ۱۵ روز تک رہا۔ علاج بہت کرایا گیا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اسی بخار کی حالت میں آپ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں امت کو نماز بھی پڑھاتے رہے، لیکن آخر میں کمزوری اس قدر بڑھ گئی کہ باہر نماز کے لیے بھی نہیں جا سکتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نماز کے لیے حکم فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ حارث بن کلدہ کے ساتھ ایک یہودی نے آپ رضی اللہ عنہ کے چاولوں میں زہر دیا تھا جو سال بھر کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب بنا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی بیماری کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت تشویش تھی۔ سب عیادت کو آتے، لیکن سیدنا عثمان عفان رضی اللہ عنہ چونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے پڑوس میں رہتے تھے، لہٰذا وہ سب سے زیادہ تیمارداری کے لیے تشریف لاتے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے مرض میں کوئی افاقہ نہ دیکھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا کر اپنی جانشینی کے لیے مشورہ فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا ذاتی رجحان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانب تھا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کا نام مختلف صحابہ کرام کے سامنے پیش کیا۔ کچھ نے اس نام کی موافقت کی لیکن اکثر نے مخالفت کی، لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان کو بلا کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانشینی کا وصیت نامہ لکھوایا۔

(الامامۃ والسیاسۃ: ۱۹/۱، العواصم من القواصم: ص ۵۱، عثمان بن عفان للعقاد: ص ۱۵۰)

وصیت نامہ کی تحریر لکھی گئی اور آپ رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں کچھ افاقہ ہوا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

بالا خانہ میں تشریف لائے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ”اے لوگو! خلافت کے بارہ میں، میں نے ایک عہد کیا ہے، کیا تم اس پر رضا مند ہو؟ سب لوگوں نے جواب دیا: ”اے خلیفہ رسول! ہم اس بات پر راضی ہیں۔“ لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

”عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے سوا ہم کسی دوسرے شخص پر راضی نہیں ہوں گے۔“

(اسد الغابہ: ۴/۰۷، تاریخ الخلفاء: ص ۶۷، الصواعق المحرقہ: ص ۵۴)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانشینی کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں بڑی کارآمد نصیحتیں کیں جن میں مملکت کے دستور العمل کے بارے میں کچھ مفید باتیں بھی تھیں۔

(ابن اثیر: ۲/۲۹۲، ابن سعد: ۳/۱۴۲)

ان باتوں سے فارغ ہو کر آپ رضی اللہ عنہ نے ذاتی اور خانگی امور میں بھی کچھ باتیں فرمائیں۔ پھر فرمایا: ”اب تک مجھے بیت المال سے کل کتنا وظیفہ ملا؟“ بتایا گیا: ”چھ ہزار درہم“۔ فرمایا: ”میری فلاں زمین فروخت کر کے کل روپیہ بیت المال میں واپس کر دیا جائے۔“ پھر فرمایا: ”خلیفہ بننے کے بعد میرے مال میں جس قدر اضافہ ہوا ہے۔ (اضافہ یہ تھا: ایک حبشی غلام، ایک اونٹنی اور ایک سو روپے مالیت کی چادر) وہ میرے انتقال کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا جائے۔“ چنانچہ جب یہ تینوں چیزیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچیں تو وہ روتے جاتے اور کہتے جاتے: ”ابوبکر رضی اللہ عنہ! تم اپنے جانشینوں کے لیے بہت مشکل کام چھوڑ گئے ہو۔“ (ابن سعد: ۳/۱۳۶)

پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”بیٹی! نئے کپڑوں کے زندہ لوگ مردہ لوگوں سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ یہ کفن کے کپڑے تو لہو اور پیپ کے ہیں۔“ (طبری: ۲/۶۱۳)

ان کے علاوہ کچھ اور وصیتیں کیں۔ ان وصیتوں کے بعد سکرات موت شروع ہو گئے۔ آخر کار ۲۲/ جمادی الآخرۃ سنہ ۱۳ھ بروز دوشنبہ مغرب اور عشا کے درمیان خلافت و امامت کا یہ نیر تاباں روپوش ہو گیا۔

آخری وقت زبان پر یہ دعا تھی:

رب توفنی مسلماً والحقنی بالصاطین۔

وفات کے وقت عمر مبارک ۶۳ سال تھی اور مدت خلافت دو سال تین ماہ اور گیارہ

Marfat.com

دن۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی معاونت سے غسل دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا طلحہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم نے پہلوئے رسول میں قبر میں اتارا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات سے نہ صرف مدینہ طیبہ بلکہ پوری مملکت اسلامیہ کے در و بام لرز اٹھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہایت صدمہ ہوا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آج خلافت نبوت منقطع ہوگئی۔''

زندگی کے کارنامے

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت میں افضل تھے اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ نے نبوت کے انتقال کے بعد سب سے بہتر کام کیے۔ جس وقت آپ رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالی اس وقت اسلام گرداب فنا میں مبتلا تھا۔ ارتداد و بغاوت کے بگولے قصر اسلام کو منہدم کرنے کے لیے پورے زور سے چل رہے تھے۔ کہیں جھوٹے نبیوں نے اسلام کے خلاف یورش کی ہوئی تھی اور کہیں بازنطینی سلطنت نخل اسلام کو جڑ سے کاٹنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ اس نازک موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تدبر، فراست، دور بینی اور فہم و بصیرت پر مبنی پالیسیوں نے ہچکولے کھاتی ہوئی اسلام کی کشتی کو کندھا دیا اور شمع اسلام کو گل ہونے سے محفوظ رکھا۔ لہٰذا یہ بات بالکل درست ہے کہ نبوت کے بعد دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ احسان سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کو دوبارہ زندگی دی۔ یہ درست ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قیصر و کسریٰ کی سپر پاورز کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور روم اور ایران کے دفتر الٹا دیے لیکن اس انقلاب عظیم کی بنیاد کس نے رکھی؟ اور ان حکومتوں کو بادو فنا کرنے کے لیے مجاہدین کو حوصلہ کس نے دیا؟

نظام حکومت

اسلام کا نظام حکومت نہ تو جمہوری ہے اور نہ شخصی بلکہ شورائی ہے یعنی ہر کام باہمی مشورہ سے ہو اور جماعتی عصبیت سے بالاتر ہو کر انجام دیا جائے۔ اسی وجہ سے اسلام نے مشورہ کا حکم دیا اور اہل اسلام کی خوبی یہ بتائی کہ ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں۔ چنانچہ

Marfat.com

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے سوا دو سالہ عہد خلافت میں تمام امور مملکت میں مشورہ کو خاص اہمیت دی۔ اگرچہ آپ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت کی طرح کوئی باقاعدہ مجلس نہ تھی لیکن تاریخ کے رپورٹر یہ بتاتے ہیں کہ

''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب کوئی معاملہ پیش آتا جس میں اہل الرائے اور اہل الفقہ کے مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ مہاجرین اور انصار کے کچھ لوگوں کو بلاتے تھے جن میں عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ کو خاص طور پر بلاتے تھے۔'' (کنز العمال: ۱۴۳/۳، یعقوبی: ۱۳۳/۲)

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے شام پر لشکر کشی کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ منکرین زکوٰۃ کے بارے میں استخلاف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ نے اہل الرائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ غزوہ روم کا ارادہ کیا تو اکابر صحابہ کرام یعنی سیدنا علی، سیدنا عثمان، سیدنا عمر، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا سعید بن زید اور سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مشورہ کیا۔ (کنز العمال: ۱۴۳/۳، یعقوبی: ۱۳۳/۲)

گویا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا نظام حکومت شورائی تھا۔

ملکی نظام ونسق

ایک حکومت اسی وقت اچھے طریقے سے چل سکتی ہے جب اس کا نظم ونسق اچھا ہو۔ اگر ملکی نظم ونسق اچھا نہیں تو نظام حکومت خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، حکومت صحیح طریقے سے نہیں چل سکتی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مختصر سے عہد خلافت میں بہترین نظم ونسق کے ساتھ حکومت کو چلایا۔ عہدوں کی نہایت اچھے طریقے سے تقسیم کی اور ہر صوبے اور ضلع میں گورنر اور حاکم مقرر کیے۔ دارالخلافہ میں اکثر صیغوں کے الگ الگ عہدے دار مقرر کیے گئے تھے۔ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ شام کی گورنری سے قبل مدینہ کے افسر مال تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قاضی تھے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بارگاہ خلافت کے کاتب تھے۔

عہدہ داروں کے انتخاب میں ان کا اصول یہ تھا کہ جس عہدہ کے لیے کسی کو منتخب کیا جائے اس میں اس عہدہ کی بہم وجوہ اہلیت ہو۔ دوسری بات جس پر انہوں نے اس بارے میں عمل

Marfat.com

کیا وہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ صحیح انتخاب اور کسی کا نہیں ہو سکتا، لہٰذا جن حضرات کو آپ ﷺ نے کوئی عہدہ دیا ہوا تھا، اس کو اسی عہدہ پر برقرار رکھا گیا۔ چنانچہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو ان کے جیش پر امیر کے عہدہ پر قائم رکھا حالانکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے امیر ہونے کی بڑی مخالفت کی۔ اسی طرح سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شدید اصرار کیا لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب یہ تھا کہ ''جس تلوار کو رسول اللہ ﷺ نے نیام سے باہر کیا ہو میں اس کو کیوں کر نیام میں رکھ سکتا ہوں۔'' پھر مختلف علاقوں پر رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ گورنروں کو بھی آپ نے ان کے عہدوں پر قائم رکھا۔

تیسری بات آپ نے عہدہ داران حکومت کے انتخاب میں یہ مدنظر رکھی کہ وہ اس شخص کا انتخاب فرماتے جو نبی اکرم ﷺ کے فیضان صحبت و تربیت سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہو۔ چنانچہ اس بارے میں ''السابقون الاولون'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ترجیح دی گئی۔ اس سلسلہ میں آپ نے ایک اصول یہ اپنایا کہ عہدوں کی تقسیم کے معاملے میں کنبہ پروری، اقربا نوازی اور جنبہ داری سے مکمل طور پر اجتناب کیا جائے، اور عہدہ صرف اس کے اہل کو دیا جائے کیونکہ ملکی نظم و نسق کو برباد کرنے والی یہی شئے ہے۔ آپ جب کسی شخص کو کسی عہدہ پر مامور فرماتے تو اس کے فرائض کی تشریح بھی اس کے سامنے کر دیتے اور سلامت روی اور تقویٰ جو دین کی روح ہے، اس کی بڑے مؤثر الفاظ میں تلقین فرماتے۔

کسی عہدے پر تقرری کے بعد اگر وہ شخص نااہل ثابت ہوتا تو آپ اسے فوراً معزول فرما دیتے تھے۔ چنانچہ سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو اتنی عالی ظرفی کے ساتھ سرحد پر نگران مقرر فرمایا، حالانکہ تقرری کے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منع کیا تھا، لیکن آپ نے جب اسے اپنے کام میں نااہل دیکھا تو فوری طور پر اسے معزول کر کے مدینہ طیبہ واپس بلا لیا۔ (طبری: ۵۹۰/۲)

آپ کے عہد خلافت میں عدلیہ بالکل آزاد تھی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ رسول ﷺ کے حکم کے خلاف فیصلہ کر دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خوش بھی ہوئے اور یہ بھی فرمایا: ''میں اس کی تجدید نہیں کروں گا جس کو عمر رضی اللہ عنہ نے رد کر دیا ہے۔'' (لا اجدد شیئًا ردہ عمر) اسی طرح بیت المال کا انتظام سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا جو اس کا پورا پورا حساب رکھتے تھے۔ عہدہ کتابت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

Marfat.com

اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔عہدہ افتاء کی خدمت سیدنا علی، سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا ابی بن کعب، سیدنا زید بن ثابت اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے سپرد تھا۔

(طبری:۲/۶۱۷، یعقوبی:۲/۱۵۷، ابن اثیر:۲/۱۶۰)

عہدیداران کا احتساب

جس جس شخص کو جو جو عہدہ دیا جاتا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی نگرانی اور احتساب بھی فرماتے۔عہدہ کے لحاظ سے وہ شخص خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو آپ اچھے طریقے سے اس سے اس کے اعمال کی بازپرس فرماتے۔چنانچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے جنگ یمامہ کے فوراً بعد جب انہوں نے مسیلمہ کذاب کے کمانڈر انچیف مجاعہ کی لڑکی سے شادی کر لی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں اتنا سخت خط لکھا کہ مؤرخین کے بیان کے مطابق گویا اس سے خون ٹپک رہا تھا۔آپ نے لکھا تھا:

”اے خالد کی ماں کے بیٹے! تیرا دل بے رحم ہے تو اس وقت نکاح کر رہا تھا جب کہ تیرے گھر کے صحن میں بارہ سو مسلمانوں کا خون ابھی تک خشک نہیں ہوا تھا۔“ (طبری:۲/۵۱۹)

اور یعقوبی کے الفاظ ہیں کہ آپ نے لکھا: ”تمہارے خیمہ کی طناب کے پاس مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے اور تو عورتوں کے ساتھ عیش وعشرت میں مصروف ہے۔“

لیکن معمولی بھول چوک سے اغماض برتتے یا پھر تھوڑی سی تنبیہ فرما دیتے تا کہ عہدہ دار چھوٹی غلطی کے بعد بڑی غلطی نہ کر بیٹھے اور اسے معلوم ہو کہ سربراہ مملکت کو میرے اعمال کی خبر ہے۔

فوجی نظام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عربوں کا کوئی باقاعدہ اور باضابطہ فوجی نظام نہ تھا۔ وقت پڑنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود ہی شوق جہاد میں اکٹھے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی روشنی میں دشمن سے جہاد وقتال کرتے۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت چونکہ نہایت مختصر تھا، لہٰذا وہ بھی کوئی باضابطہ فوجی نظام تو قائم نہ کر سکے، البتہ کچھ اصلاحات اس شعبہ میں کی گئیں۔

① ایک امیر الامراء یعنی کمانڈر انچیف کا نیا عہدہ بنایا گیا جو عہد نبوی میں نہیں تھا اور سب سے پہلے کمانڈر انچیف سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔(فتوح البلدان: ص ۱۱۵)

Marfat.com

② کسی مہم پر فوج کو بھیجتے وقت اس کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے ان پر علیحدہ علیحدہ افسر مقرر فرماتے۔ بعض مرتبہ ان کے جھنڈے بھی الگ الگ ہوتے۔

③ ہر لشکر میں عموماً ایسے حضرات کو رکھا جاتا جو اپنے خطبات سے مجاہدین میں ولولہ اور جوش پیدا کر سکتے۔ چنانچہ شام کی مہمات میں یہ خدمت سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔

④ لشکر میں کوئی فوجی جو ہتھیار استعمال کر سکتا تھا وہی ہتھیار اسے مہیا کیا جاتا اور ان ہتھیاروں کی فراہمی کا پورا پورا انتظام کیا گیا۔

اسلحہ کی فراہمی

خلافت صدیقی میں حکومتی آمدنی کا ایک معقول حصہ اسلحہ کی خریداری اور فراہمی کے لیے مختص کیا ہوا تھا مال غنیمت میں سے جو حصہ حکومت کو ملتا اس کو بھی فوجی مصارف کے لیے مختص کیا ہوا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مال غنیمت کے اس حصہ کو فوجی مصارف میں صرف فرماتے تھے۔ (کتاب الخراج لابی یوسف: ص ۲۱) ملک کے مختلف حصوں میں اونٹ اور گھوڑوں کے لیے کچھ چراگاہیں بھی مخصوص کی ہوئی تھیں۔

فوج کی اخلاقی تربیت

فوج کی جس طرح اسلحی اور پیشہ ورانہ تربیت ضروری ہوتی ہے اسی طرح اس کی اخلاقی تربیت بھی بہت ضروری ہوتی ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس تربیت کا بھی انتظام فرمایا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نظریہ تھا کہ اسلامی فوج اخلاقی طور پر تمام دنیا کی افواج میں سب سے اعلیٰ اور بلند ہو۔ چنانچہ جب کسی مہم پر آپ کسی فوج کو بھیجتے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پاپیادہ امیر لشکر کے ساتھ چل کر اس کی مشایعت فرماتے اور اس کو اخلاقی اور دینی ہدایات ارشاد فرماتے اور ان ہدایات کی پابندی کرنے کی اسے تاکید بھی فرماتے۔

مالی نظام

ایک مملکت کو صحیح طور پر چلانے کے لیے اس کا مالی نظام نہایت اعلیٰ ہونا چاہیے۔ بعض

Marfat.com

دفعہ مالی نظام کی خرابیاں مملکت کی تباہی کا سبب بن جاتی ہیں۔ جہاں تک روپیہ کے خرچ کرنے کا تعلق ہے، دین اسلام نے سب سے زیادہ اسی بات پر زور دیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں نماز کے حکم کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم بھی دیا گیا۔ پھر صدقات نافلہ اس پر مستزاد۔ اسلام میں اگر ایک اسلامی ریاست نہ بھی ہو تب بھی اللہ تعالیٰ مسلمان سوسائٹی کے ذمہ یہ فریضہ عائد کرتا ہے کہ امراء غرباء اور فقراء پر اپنے مالوں کو خرچ کریں۔ اسلام کے مالی نظام کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ دولت کے ارتکاز کو روکتا ہے۔ اسلام میں حکومت کی آمدنی کی مدات حسب ذیل ہیں:

① زکوٰۃ ② لگان اجارہ ③ خراج ④ جزیہ

ان مدات کے علاوہ بھی کئی مدات تھیں جیسے فیے، غنیمت، جاگیریں، معادن اور ٹیکس وغیرہ۔ ان سب میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی طریقے کو اپنایا جس پر رسول اللہ ﷺ کا عمل تھا۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب ''سیرۃ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مصارف

مصارف کے بارے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ اپنایا کہ جو کچھ آتا وہ ہر شخص خواہ وہ عورت یا مرد، چھوٹا ہو یا بڑا، غلام ہو یا آزاد ہر ایک پر پورا پورا تقسیم فرما دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ بحرین سے مال آیا تو آپ نے اس کو سب میں برابر تقسیم کر دیا اور ہر شخص کو سوا سات درہم آئے۔ اگلے سال زیادہ مال آیا تو پھر ہر ایک کو بیس درہم آئے۔ ایک شخص نے اس مساوات پر اعتراض کیا تو فرمایا: ''فضائل و مناقب کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔ یہ معاش کا معاملہ ہے اس میں برابری کا معاملہ ترجیح دینے سے بہتر ہے۔'' (کتاب الخراج لابی یوسف: ص ۴۲، طبقات ابن سعد: ۱۵۱/۳، الاصابہ: ۱۵۴/۲)

خمس کو آپ اسی طرح تقسیم کرتے تھے جس طرح نبی اکرم ﷺ تقسیم فرمایا کرتے تھے۔

(کتاب الاموال: ص ۳۳۱)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک اضافہ ہوا، اور وہ یہ کہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں ایک بیت المال تعمیر کروایا، لیکن اس بیت المال میں مال جمع کرنے کا کوئی موقع نہ آیا۔ آپ کی وفات کے بعد اس بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا جب کہ اس بیت المال میں دو لاکھ دینار آئے تھے جو سب تقسیم کر دیے گئے۔ (طبقات ابن سعد: ۱۵۱/۳)

Marfat.com

اہل بیت کے مالی حقوق کی ادائیگی

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اہل بیت نبوت کے مالی حقوق کی طرف خاص توجہ دی اور انہیں پورا پورا تحفظ دیا کیونکہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور رشتہ داری مجھے اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔“ (بخاری:۱/۵۲۶)

چنانچہ آپ نے اس کی تقسیم میں وہی اصول اور طریقہ اختیار فرمایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خمس کے اس حصہ کا جو بنی ہاشم میں تقسیم کرنا ہوتا تھا، متولی بنا دیا تھا۔ (ابوداود:۲/۶۱، مسند امام احمد بن حنبل:۱/۸۴)

Marfat.com

دینی خدمات

اصلاح عقائد

وفات نبوی کے بعد آپ کا وہ خطبہ جو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے دیا وہ اصلاح عقائد کی ایک روشن دلیل ہے، جس میں آپ نے مخلوق اور خالق، عبد اور معبود کے فرق کو نہایت اعلیٰ طریق سے بیان فرمایا اور یہ بتایا کہ رسول خواہ وہ ''قاب قوسین'' کے مقام پر ہی کیوں نہ پہنچ گیا ہو، بشری حوائج اور ضروریات سے مبرا نہیں ہوسکتا، اور اس پر موت بھی طاری ہوتی ہے، لہٰذا اس کا دنیا سے اٹھ جانا کوئی انوکھی اور خلاف توقع بات نہیں ہے۔

بدعات کا سدِّ باب

اسلام میں بدعات سے بڑی سختی سے روکا گیا ہے کیونکہ بدعات کا مطلب ہے کہ کسی سنت کے مقابلے میں اپنے طریقے کو رائج کرنا۔ آپ نے بھی بدعات کو بڑی سختی سے روکا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حج کے موقع پر آپ کو قبیلہ احمس کی ایک عورت کی بابت معلوم ہوا کہ وہ حج کے دوران کسی سے بات نہیں کرتی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے بات نہ کرنے کی وجہ پوچھی۔ لوگوں نے بتایا کہ اس نے خاموش حج کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ نے اسے فرمایا کہ ''یہ جاہلیت کا طریقہ ہے، اسلام میں یہ جائز نہیں۔ تم اس سے باز آ جاؤ اور بات چیت کرو۔'' اس عورت نے پوچھا: ''آپ کون ہیں؟'' فرمایا: ''ابوبکر۔'' (بخاری: ۱/۵۴۱)

Marfat.com

جمع القرآن کے بارے میں بھی آپ صحف کو مصحف کی شکل میں اس وجہ سے نہیں لا رہے تھے کہ کہیں یہ بدعت اور اسوۂ رسول سے تجاوز نہ ہو جائے۔

خدمت قرآن وحدیث

قرآن کی خدمت تو آپ نے اس کی جمع وترتیب کی شکل میں کی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اور یہ ایک ایسی خدمت تھی جو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے قرآن حکیم کی حفاظت کا سبب اور ذریعہ بنی۔ روایات میں ہے کہ آپ نے قریباً پانچ سو احادیث نبویہ بھی جمع فرمائی تھیں، لیکن اپنی وفات سے کچھ روز قبل ان کو اس خیال سے ضائع کر دیا کہ ان میں اگر کوئی روایت خلاف واقع ہوئی تو اس کا بار میرے سر پر رہ جائے گا، چنانچہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کر کے فرمایا:

''تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی احادیث روایت کرتے ہو جن میں خود تمہیں اختلاف ہوتا ہے۔ تمہارے بعد چند لوگ آئیں گے ان میں اور بھی سخت اختلاف واقع ہو گا۔ اس لیے رسول اللہ سے کوئی روایت نہ کرو، اور جو کوئی تم سے سوال کرے تو اسے یہ کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے مابین اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس کے حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام۔'' (تذکرۃ الحفاظ: ۳/۳)

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مطلقاً روایت حدیث کا دروازہ بند کر دیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی حدیث کی صحت کا مکمل یقین نہ ہو جائے اس وقت تک اسے روایت نہیں کرنا چاہیے کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے کئی واقعات اس بات کی بین شہادت دیتے ہیں کہ جب کسی روایت کی انہیں پوری طرح تصدیق ہو جاتی تو وہ اسے فوراً قبول فرما لیتے۔

محکمہ افتاء

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عوام الناس کی سہولت کے لیے محکمہ افتاء قائم کیا گیا۔ سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اس خدمت پر مامور تھے۔ ان حضرات کے سوا اور کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی۔ (طبقات ابن سعد: ۱۰۹/۲)

Marfat.com

اشاعت اسلام

ایک اسلامی حکومت کا مقصد وحید ہی اسلام کی اشاعت اور تبلیغ ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گھٹی میں اسلام کی اشاعت داخل تھی۔ جب انہوں نے مکہ میں اسلام کی دعوت پر لبیک کہا تو اس کے ساتھ ہی اسلام کی تبلیغ کے لیے ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ چنانچہ آپ کی کوششوں سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ عرب سوسائٹی کے نچلے طبقے یعنی غلاموں میں بھی آپ نے اسلام کی دعوت دی اور ان میں سے بھی کئی حضرات آپ کی کوششوں کے نتیجے میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

خلیفہ اور جانشین رسول ہونے کے بعد آپ کو اس بارے میں اور زیادہ انہماک پیدا ہو گیا اور آپ نے تمام عرب میں پھر نئے سرے سے اسلام کی آواز کو بلند کیا۔ حروب ارتداد اور جھوٹے مدعیان نبوت سے جنگیں بھی دراصل اشاعت اسلام ہی کا ایک حصہ تھیں۔ عراق اور شام کی مہمات میں جو فوجیں آپ نے بھیجیں انہیں اس بات کی سخت ہدایت تھی کہ سب سے پہلے دشمن کو اسلام کی دعوت دیں۔ نیز ان قبائل عرب کو دعوت اسلام دیں جو ان ممالک کے گردونواح میں آباد ہیں کیونکہ وہ قومی یک جہتی کی وجہ سے زیادہ آسانی کے ساتھ اسلام کو قبول کریں گے۔ چنانچہ سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد بن ولید کی کوششوں سے بنو وائل کے تمام بت پرست اور عیسائی اور عراق عرب اور حدود شام کے اکثر عربی قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

Marfat.com

علمی کمالات

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ علم و فضل میں بھی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بلند مقام کے حامل تھے۔ قرآن، حدیث، فقہ، علم الانساب اور اس دور میں جس قدر علوم رائج تھے، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام ان کے گھر تشریف لاتے تھے۔ آغاز بعثت سے لے کر آخری لمحہ حیات تک، سفر و حضر میں، رزم و بزم میں غرضیکہ ہر جگہ اور ہر موقع پر آپ نبوت کے ساتھی رہے۔ اس لحاظ سے آپ محرم اسرار نبوت تھے اور آپ کا سینہ علوم و کمالات نبویہ کا گنجینہ تھا۔ اس وجہ سے آپ کے قلب میں مختلف علوم منطبع ہوتے تھے۔

علم القرآن

آپ چونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوت و خلوت کے ساتھی تھے، اور جس ہستی کے سینہ پر قرآن نازل ہوا تھا اس کی صحبت میں سفر و حضر کی رفاقت میں آپ نے علم القرآن حاصل کیا۔ اس وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے: "ھو اعلمنا برسول صلی اللہ علیہ وسلم" (ازالۃ الخفا مقصد دوم، ص ۲۰) کلام اللہ اسلام کا اصل الاصول ہے، چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرآن حکیم سے غیر معمولی شغف تھا۔ آپ نے معلم قرآن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "یا رسول اللہ! اس کے بعد اب کیا چارہ ہے، کیا ہم کو ہر برے کام کا بدلہ دیا جائے گا۔" (نجات نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر، جو شخص برا کام کرے گا اس کو اس کا بدلہ ملے گا۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں

Marfat.com

ارشاد فرمایا: ''اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے، کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تمہیں کبھی رنج اور صدمہ نہیں پہنچتا؟ اور کیا تمہیں کبھی کوئی مصیبت پیش نہیں آتی؟'' وہ بولے: ''کیوں نہیں۔'' فرمایا: ''یہ سب تمہارے اعمال بد کا نتیجہ اور بدلہ ہے۔'' (مسند احمد: ١/١١، مستدرک حاکم: ٣/٧٤)

علم الحدیث

قرآن حکیم کے بعد حدیث رسول کا مرتبہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص نے آغاز بعثت سے آخری لمحہ وفات تک نبوت کی رفاقت میں گزارا ہو اور جس کی نگاہ میں نبوت کے صبح و شام کے جلوے رچے بسے ہوں، اس کا سینہ اعمال و افعال نبوت کا خزینہ ہوگا، اور اس بارے میں مشکل ہی سے اس کا کوئی حریف ہو سکتا ہے، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بعض وجوہات کی بنا پر روایت حدیث میں حد درجہ محتاط تھے، لیکن پھر بھی ان کی احادیث کی تعداد امام سیوطی رحمہ اللہ کے مطابق ١٤٦ ہے۔

(تاریخ الخلفاء: ص ٨٦)

اگرچہ آپ روایت حدیث میں بہت محتاط تھے لیکن جب ضرورت پڑتی تو وہ اسی وقت حدیث سے استدلال کرتے۔ چنانچہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جب انصار و مہاجرین کے مابین خلافت کا جھگڑا خوفناک حد تک پہنچ گیا تو "الائمة من قریش" کی حدیث پیش کر کے حالات پر قابو پایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو دفن کرنے کی جگہ کا سوال پیدا ہوا تو آپ ہی نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اس عقدہ کو حل فرمایا اور فرمایا کہ میں نے جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''انبیاء علیہم السلام کی جائے وفات ہی ان کا مدفن ہوتی ہے۔'' (موطا امام مالک: ص ٨٠)

اسی طرح جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے وراثت رسول کا مسئلہ اٹھایا گیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیث رسول پیش کر کے اس کا جواب دیا جس سے ان حضرات کو تسلی ہوگئی۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا نورث ما ترکنا فهو صدقة" یعنی ہمارے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی اور ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ وقف ہوتا ہے۔ غرض کہ اپنی خلافت کے دوران اپنے ہر مسئلہ کی بنیاد قرآن کے بعد حدیث رسول پر رکھی۔ چنانچہ جب نصاب زکوٰۃ کا مفصل ہدایت نامہ جو انہوں نے گورنروں اور محصلین زکوٰۃ کے نام جاری کیا، اس کی اساس بھی احادیث رسول پر تھی۔

Marfat.com

قیاس واجتہاد

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کتابوں میں مرقوم ہے کہ جب ان کی عدالت میں کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے قرآن حکیم کی طرف رجوع فرماتے۔ اگر قرآن میں اس بارے میں کوئی حکم ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے ورنہ سنت رسول کی طرف رجوع فرماتے، اور جب اس سے بھی مطلب پورا نہ ہوتا تو مسلمانوں سے سوال کرتے۔

(سنن دارمی: ۳۶۵/۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک فقیہہ الذہن شخصیت تھے اور قیاس و اجتہاد میں ذہین رسا کے مالک تھے۔

تعبیر رؤیا

تعبیر رؤیا بھی علم نبوت میں سے ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس علم میں بھی درجہ کمال حاصل تھا، چنانچہ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں تعبیر رؤیا میں سب سے بڑے عالم تھے۔ اس بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے متعدد واقعات نقل فرمائے ہیں۔ (ازالۃ الخلفاء: ۲۰/۲)

ان میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ غزوہ طائف کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بھرا ہوا پیالہ پیش کیا گیا ہے، لیکن ایک مرغ نے اس میں ٹھونگ ماردی۔ اس کی وجہ سے پیالہ میں جو کچھ تھا وہ گر پڑا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس خواب کی تعبیر یہ دی کہ ''یا رسول اللہ! ہمیں اس موقع پر کامیابی نہیں ہوگی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

(طبری: ۳۵۵/۲، البدایہ والنہایہ: ۳۵۰/۴)

علم الانساب

یہ اس زمانے کا بڑا مایہ ناز علم تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس علم میں خاص کمال رکھتے تھے۔

Marfat.com

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر اچھے کام میں آگے تھے اور علم الانساب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔'' (عقد الفرید: ۲۷۴/۳)

سیدنا جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ جو خود علم الانساب میں بڑے ماہر تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ''میں نے یہ فن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سیکھا ہے جو علم الانساب کے اعتبار سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔''

(تاریخ الخلفاء: ص ۴۳)

ایک مرتبہ شاعر دربار رسالت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔ وہ قریش کے انساب سے تم سے زیادہ واقف ہیں۔ چنانچہ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر باقاعدہ اس علم کا درس لیتے تھے۔

(الاستیعاب: ۱۲۸/۱)

ایام العرب

اس علم سے مراد عربوں کی خانہ جنگی کا علم ہے۔ آپ اس علم میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جو اپنے زمانے میں ''اعلم بحدیث العرب والنسب'' سمجھی جاتی تھیں، ان کا یہ علم بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیضان تھا۔ چنانچہ عروہ نے ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا: ''اور نہ مجھے علم شعر اور تاریخ پر تعجب ہوتا ہے کیونکہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں جو ان علوم کے سب سے بڑے عالم تھے۔''

تقریر و خطابت

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تقریر و خطابت میں بھی خداداد ملکہ حاصل تھا کیونکہ یہ فن کسبی سے زیادہ وہبی ہے۔ تقریر و خطابت کی کامیابی کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ خطیب اور مقرر کی زبان سے جو لفظ نکلے وہ سننے والوں کے دلوں میں گھر کرتا چلا جائے۔ وفات نبوی کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیا حالت تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری شخص کے ہوش و حواس بجا نہیں رہے تھے، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جونہی تقریر کی، ہوش و حواس بجا ہو گئے اور سارے بادل چھٹ گئے۔ اسی طرح سقیفہ بنی ساعدہ میں آپ نے جو فی البدیہہ تقریر فرمائی، وہ اتنی مؤثر اور دل نشین تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کے بیان کے مطابق جو باتیں وہ سوچ کر آئے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ سب باتیں نہایت خوبی اور بلاغت سے کہہ دیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی تقاریر میں زور کلام، فصاحت و بلاغت اور حکیمانہ اسلوب بیان ہوتا تھا جیسا کہ آپ کے خطبات سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن ان تمام خوبیوں کے ساتھ آپ کی تقاریر رقت آمیز ہوتیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں جس جگہ کھڑا ہوں گزشتہ سال اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ بس اتنا کہنا تھا کہ زار و قطار رونے لگے۔ اسی طرح ایک روز تین مرتبہ تقریر کا ارادہ کیا اور ہر مرتبہ ایک دو جملے کہہ کر گلوگیر ہو گئے۔

(مسند امام احمد بن حنبل: ۳۵۴/۱)

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سیرت

عادات واخلاق

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فطری طور پر اعلیٰ اخلاق سے متصف تھے۔ چنانچہ اسلام لانے سے قبل بھی آپ نے نہ تو کبھی شراب پی تھی، نہ کسی جوئے کی مجلس میں شرکت فرمائی اور نہ ہی کسی بت کے سامنے سر جھکایا تھا۔ ان تمام گندگیوں سے آپ کو ایام جاہلیت میں بھی نفرت تھی اور تمام اخلاق حمیدہ جیسے مفلس و بے نوا کی خبر گیری بلکہ دستگیری، بے کسوں کی اعانت، قرابت داروں کا خیال، مہمان داری، مسافر نوازی وغیرہ مشرف باسلام ہونے سے قبل ہی آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھی۔

تقویٰ وطہارت

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی کا یہ اولین باب تھا۔ آپ کی فطرت سلیمہ کسی ایسی شے کو برداشت ہی نہیں کر سکتی تھی جو معنوی نجاست اور گندگی سے ملوث ہو۔ ایک مرتبہ ایک صحابی آپ کو اپنے گھر لے جا رہا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس راہ سے ناآشنا تھے، لہٰذا پوچھا: ”یہ کون سا راستہ ہے؟“ اس شخص نے جواب دیا: ”اس راستہ پر ایسے لوگ رہتے ہیں جن کے پاس سے گزرتے ہوئے ہمیں شرم آتی ہے۔“ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”بہت خوب! گزرتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن پھر بھی اس راہ سے گزر رہے ہو، تم اس راہ سے جاؤ میں نہیں جاؤں گا۔“

(کنز العمال برمسند: ۳۴۷/۴)

بخاری میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے ایک مرتبہ کوئی کھانے کی چیز لا کر دی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اس کو کھا لیا تو غلام نے کہا: ”آپ جانتے ہیں کہ وہ کیا شے تھی؟“

Marfat.com

پوچھا: ''کیا تھی؟'' اس نے کہا: ''میں جاہلیت میں کہانت کا کام کرتا تھا، یہ شئے اس کا معاوضہ تھی۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فوراً قے کر دی اور پیٹ میں جو کچھ تھا وہ نکال باہر کیا۔''

(بخاری: ۱/۵۴۳)

فرمایا کرتے تھے کہ ''جو جسم اکل حرام سے پرورش پاتا ہے اس کا بہترین مسکن جہنم ہے۔''

ایک دفعہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے حضرات کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ راستہ میں ایک جگہ پڑاؤ ہوا۔ سب حضرات مختلف لوگوں کے پاس ٹھہر گئے، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ ایک بدو کے گھر میں ٹھہرے۔ ان کے ساتھ ایک اور اعرابی تھا۔ میزبان کی بیوی حاملہ تھی۔ اس اعرابی نے میزبان کی بیوی سے شرط کر لی کہ اگر وہ ان سب کو بکری کھلائے گی تو اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ اس عورت نے یہ شرط منظور کر لی اور بکری ذبح کر دی جس پر اعرابی نے کچھ مسجع جملے پڑھ دیے۔ بکری کا گوشت کھانے کے بعد جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس پورے واقعہ کا علم ہوا تو فوراً قے کر دی۔ (مسند امام احمد بن حنبل: ۳/۵۱)

اس طرح کے کئی اور واقعات سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی میں ملتے ہیں جن سے ان کے تقویٰ وطہارت اور اخلاقی پاکیزگی کا پتہ چلتا ہے۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۱/۵۱۶، فتح الباری: ۷/۸۱، مسند احمد: ۴/۵۹)

خوف خدا

تقویٰ وطہارت کی اصل بنیاد خوف خدا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی کا یہ باب بھی نہایت درخشاں ہے۔ آپ ہر وقت خوف خدا سے مغلوب رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک چڑیا کو درخت پر بیٹھے دیکھا تو اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''تو کتنی خوش نصیب ہے۔ کاش کہ میں تیرے جیسا ہوتا۔ تو درخت پر بیٹھی ہے، پھل کھاتی ہے اور پھر اڑ جاتی ہے۔ تجھے کوئی حساب وکتاب نہیں دینا۔''

پھر فرمایا:

''کاش میں راستے کا ایک درخت ہوتا، اونٹ وہاں سے گزرتا، مجھ میں اپنا منہ مارتا، مجھے چباتا اور اس طرح میری تذلیل وتحقیر کرتا اور پھر ایک مینگنی کی شکل میں مجھ کو خارج کر دیتا۔ یہ سب کچھ ہوتا لیکن میں ایک انسان نہ ہوتا۔'' (منتخب کنز العمال: ۴/۳۶۱)

Marfat.com

زہد وورع

تقویٰ وطہارت اور خوف خدا کی وجہ سے دنیا کی بے ثباتی کا تصور پیدا ہوتا اور اس سے انسان کے اندر زہد وورع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ خلافت کے بارگراں کو بھی محض امت کو تشتت وافتراق سے محفوظ رکھنے کے لیے اٹھالیا تھا ورنہ قلب اس ذمہ داری کی تمنا اور آرزو سے یک قلم خالی تھا۔ اپنے خطبات میں کئی مرتبہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار ہو جائے تو وہ نہایت خوشی سے اس کے باردوش سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ (طبقات ابن سعد: ۱۵۰/۳)

آپ اگرچہ اس دنیا میں رہتے تھے لیکن دل دنیا سے خالی تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ پینے کے لیے پانی مانگا لوگوں نے پانی اور شہد دونوں ملا کر پیش کیا، لیکن جیسے ہی پیالہ منہ کے قریب لے گئے تو بے اختیار زار وقطار رونے لگے۔ جب چپ ہوئے تو لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی۔ فرمایا: ”میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھا۔ دیکھا کہ آپ کسی چیز کو دور دور کہہ رہے ہیں۔“ میں نے پوچھا: ”یا رسول اللہ! آپ دور دور کس کو کہہ رہے ہیں، میں تو کسی چیز کو نہیں دیکھ رہا“ فرمایا: ”ظاہر فریب دنیا مجسم ہو کر میرے سامنے آئی تھی۔ میں نے اسے دور کر دیا۔ وہ پھر آئی اور کہا کہ آپ مجھ سے بچ کر نکل جائیں تو نکل جائیں لیکن آپ کے بعد آنے والے لوگ مجھ سے نہیں بچ سکتے۔“ فرمایا: ”اس وقت مجھ کو یہ بات یاد آ گئی اور خوف پیدا ہوا کہ کہیں اس کے دام تزویر میں نہ پھنس جاؤں۔“ (اسد الغابہ: ۲۱۷/۳)

وفات کے وقت کل تنخواہ جو بیت المال سے لی تھی چھ ہزار درہم تھی، لیکن اس کو قرض سمجھ کر وصیت کی کہ میری جائیداد فروخت کر کے اس کو ادا کر دیا جائے۔ یہ بھی وصیت کی کہ میرے مال میں جو شئے فاضل نظر آئے وہ میرے جانشین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بھیج دی جائے۔ چنانچہ وفات کے بعد ایک غلام، ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دی گئیں۔ ان چیزوں کو دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا: ”ابوبکر! اللہ تم پر رحم فرمائے، تم نے مرنے کے بعد بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا اور کسی کو نکتہ چینی کا موقع نہ دیا۔“ (طبقات ابن سعد: ۱۳۷/۳)

تواضع

مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد آپ کا دامن تواضع اور سادگی سے پُر تھا۔ مدینہ

Marfat.com

طیبہ میں ایک نابینا عورت تھی جس کا کام کاج سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آ کر کرتے تھے، لیکن کچھ دنوں کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ ان کے آنے سے پہلے ہی کوئی اور شخص اس عورت کا کام کر جاتا ہے۔ وہ حیران تھے کہ وہ کون شخص ہے؟ ایک روز وہ اس شخص کو معلوم کرنے کے لیے پہلے سے چھپے بیٹھے رہے، انہیں دیکھ کر سخت حیرانی ہوئی کہ وہ شخص خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے جو اس عورت کا تمام گھریلو کام کر جاتے تھے۔ (ابن اثیر: ۲۹۰/۳، کنز العمال: ۳۱۲/۶)

خلیفہ ہونے سے قبل محلہ کی لڑکیوں کی بکریوں کا دودھ دھو دیتے تھے۔ جب خلیفہ ہوئے تو ایک لڑکی کے منہ سے نکلا کہ اب ہماری بکریوں کا دودھ کون دوہے گا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خلافت مجھ کو خدمت خلق سے باز نہیں رکھ سکتی۔ میں اب بھی تمہاری بکریوں کا دودھ دھویا کروں گا۔'' (ابن اثیر: ۲۹۱/۲؛ طبقات ابن سعد: ۱۳۷/۳، تذکرہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ)

لوگ جب خلیفہ رسول ہونے کی حیثیت سے تعظیم کے آداب بجالاتے تو آپ نہایت شرمساری محسوس کرتے اور فرماتے: ''تم لوگوں نے مجھے بہت چڑھا دیا ہے۔'' اور اگر کسی سے اپنے بارہ تعریفی کلمات سنتے تو دل میں کہتے:

''اے اللہ! تو مجھے ایسا بنا دے جیسا یہ لوگ میرے متعلق سوچتے ہیں۔ میرے گناہوں کو معاف فرما اور لوگوں کی بے جا تعریف پر میری پکڑ نہ کرنا۔'' (اسد الغابہ: ۲۱۷/۳)

غرور اور تکبر کی علامات سے بھی خوف زدہ ہو جاتے۔ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص از راہ تکبر اپنے کپڑا گھسیٹتے ہوتے چلتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نگاہ بھی نہیں کرے گا۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس وقت موجود تھے۔ عرض کی: ''یارسول اللہ! میرا دامن بھی کبھی کبھی لٹک جاتا ہے۔'' ارشاد فرمایا: ''تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے۔''

(بخاری: ۵۱۷/۱)

فقر و درویشی

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے جو وظیفہ مقرر کروایا اس سے بمشکل گزارا ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک روز ان کی اہلیہ کا جی چاہا کہ حلوہ کھایا جائے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمائش کی تو انہوں نے کہا: ''گنجائش نہیں ہے۔'' اہلیہ نے کہا: آپ روزمرہ کا جو خرچ مجھے دیتے ہیں میں اس سے کچھ پس انداز کر کے حلوہ پکالوں گی۔'' چنانچہ چند روز بعد اتنی رقم جمع ہو گئی جس سے حلوہ پک سکے۔

Marfat.com

خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب علم ہوا کہ روز کا خرچ اتنے پیسے کم کر کے بھی پورا ہو سکتا ہے تو اہلیہ سے فرما دیا کہ اب آئندہ تم کو گھر کا خرچ اتنا کم دیا جائے گا، اور جو رقم حلوہ کے لیے پس انداز ہوئی تھی وہ بیت المال میں جمع کروادی۔ (ابن اثیر: ۲/۲۱۹)

انفاق فی سبیل اللہ

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جس فراغ دلی کے ساتھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا مال خرچ کیا، اس کشادہ دلی کے ساتھ اور کوئی صحابی اسلام کی راہ میں مال خرچ نہیں کر سکا۔ قبول اسلام کے وقت چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے اور اس رقم کے ساتھ جو کمایا وہ بھی سب اللہ کے راستے میں خرچ کر دیے۔ مدینہ پہنچتے پہنچتے صرف پانچ ہزار رہ گئے۔ وہ بھی سب اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیے۔ اسی فیاضی پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا فرمایا: ”کسی کے مال نے مجھے اتنا فائدہ نہیں دیا جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا۔“ (کنز العمال: ۶/۳۱۲)

ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ ”جان اور مال کے لحاظ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ مجھ پر کسی اور کا احسان نہیں۔“ (کنز العمال: ۶/۳۱۲)

مدینہ طیبہ میں آکر جو تجارت کی اس کی کل آمدنی غزوہ تبوک میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا کر ڈال دی اور عرض کیا کہ بال بچوں کے لیے صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آیا ہوں۔ اس ایثار اور قربانی پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی آنکھیں کھل گئیں۔

یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مال تھا جس سے بے شمار غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کیا گیا اور مسجد نبوی کی زمین خریدی گئی جس پر آج تک مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔

فقراء اور مساکین کا بہت خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ موسم سرما میں ان کو کپڑے تقسیم کرتے تھے۔ (ابن اثیر: ۲/۲۹۰) وفات کے وقت بھی آپ نے انہیں فراموش نہیں کیا، چنانچہ اپنے مال میں سے ان کے لیے ۱/۵ کی وصیت کی۔ (کنز العمال: ۶/۳۲۴)

شجاعت و بہادری

شجاعت و بہادری میں بھی آپ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ لوگوں سے پوچھا: ''لوگوں میں سب سے بہادر کون تھا؟'' لوگوں نے کہا: ''آپ سب سے بہادر ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ تمام لوگوں میں زیادہ شجاع اور بہادر ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔'' (منتخب کنز العمال: ۳۵۹/۴)

شجاعت کا نکتہ کمال یہ ہے کہ اس کے ساتھ حلم اور بردباری بھی ہو، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دامن اخلاق ان اوصاف سے بھی مالا مال تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کیا۔ آپ بالکل خاموش رہے۔ اس نے پھر بدتمیزی کے جملے منہ سے نکالے۔ آپ پھر بھی خاموش رہے۔ جب تیسری دفعہ اس نے یہی حرکت کی تو آپ نے اس کی بدتمیزی کا جواب دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فکر دامن گیر ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے؟ لہٰذا عرض کی: ''یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ پر غصہ تو نہیں آگیا؟'' آپ نے فرمایا: ''ابوبکر! یہ شخص جو کچھ تمہیں کہہ رہا تھا، اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ تیری طرف سے اس کو جواب دے رہا تھا اور اس کی تکذیب کر رہا تھا، لیکن جب تم نے اس سے بدلہ لے لیا تو شیطان درمیان میں آ دھمکا۔ پھر میرے لیے مناسب نہ تھا کہ جہاں شیطان ہو وہاں بیٹھا رہوں۔ (سنن ابی داود: ۲۷۴/۴)

اس طرح کے اور بھی بے شمار واقعات کتابوں میں موجود ہیں۔

مقام صدیقیت

گزشتہ صفحات میں جو مکارم اخلاق ذکر کیے گئے ہیں ان کا سب سے بڑا سبب آپ کا مقام صدیقیت تھا اور صدیقیت یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے نبی اس دنیا میں تشریف لائے ہر نبی کے بعد آنے والے نبی نے پہلے نبی کی تصدیق کی اور اس کا مصدق بنا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ کسی اور نبی نے نہیں آنا تھا، اس لیے اب ''مصدق'' کے بجائے ''صدیق'' کا منصب تجویز ہوا۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اب ''مصدق'' نہیں ''صدیق'' کرے گا۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''صدیق اپنے قلب کو سراً، ظاہراً اور باطناً اپنے آپ کو ہر پہلو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر چکا ہوتا ہے۔ علم، عقیدہ، حال، آداب و اخلاق، محبت اور تعلقات، اپنی پسند و ناپسند غرض کہ ہر بات میں وہ رسول کے تابع ہوتا ہے۔ اس کو نہ تحدیث کی

Marfat.com

ضرورت ہوتی ہے کہ باہر سے کچھ ملے اور نہ کشف والہام کا انتظار کہ اندر سے کچھ کھلے۔“

(مدارج السالکلین: ۱/۴۰)

کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اپنے مکتوبات میں کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مکتوبات حصہ اول مکتوب نمبر ہجد ہم)

گویا کہ رسول اور نبی کو وحی کے ذریعہ جن حقائق کا علم ہوتا ہے اور وہ اس کو دوسروں تک پہنچاتا ہے، ایک صدیق اس کی بے چون و چرا تصدیق کرتا ہے۔ نبی کی بیان کی ہوئی حقیقت کیسی ہی بالائے فہم اور مابعد الطبعی کیوں نہ ہو، صدیق کے لیے وہ بدیہی ہوتی ہے، اور جوں ہی صدیق کے کان میں نبی کی آواز پہنچتی ہے وہ بے چون و چرا اسے قبول کر لیتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”یہ بات اس لیے ہے کہ انوار وحی نبی کی ذات سے صدیق کی ذات پر پے در پے پڑتے ہیں، اور پھر جس قدر تاثیر (اثر ڈالنے) و تاثر (اثر قبول کرنے) کا تکرار ہوتا رہتا ہے، صدیق میں نبی کی ذات میں فنا ہونے اور اس پر فدا ہونے کے جذبات ابھرتے ہیں اور صدیق کی یہ علامت ہے کہ اسے خواب کی تعبیر کا علم سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اس کی جبلت اور فطرت ہوتی ہے کہ معمولی سے سبب سے اس پر امور غیبی کھلنے لگیں۔“ (حجۃ اللہ: ۲/۹۳)

ایک اور مقام پر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ یہ بحث کرتے ہوئے کہ ذکر و فکر اور سلوک و معرفت سے انسان میں یقین پیدا ہوتا ہے اور پھر اس یقین سے مختلف مقامات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں:

”یقین کی تیسری نوع صدیقیت اور محدثیت ہے، اور ان دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ امت میں بعض حضرات ایسے ہوتے ہیں جو اپنی جبلت اور فطرت کے لحاظ سے انبیاء سے مشابہ ہوتے ہیں۔ اب اگر یہ مشابہت قوائے عقلیہ میں ہو تو اس شخص کو صدیق اور محدث کہتے ہیں، اور اگر قوائے عملیہ میں مشابہت ہو تو اس کو شہید یا حواری کہتے ہیں۔“

پھر صدیق اور محدث میں کیا فرق ہے؟ ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ صدیق کی روح پیغمبر کا اثر بڑی جلد قبول کرتی ہے جیسے گندھک آگ سے بہت جلد اثر پذیر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے

Marfat.com

کہ صدیق جب پیغمبر کی زبان سے کوئی بات سنتا ہے تو وہ فوراً اس کے دل میں اتر جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شئے کا علم اس کو خود بخود حاصل ہو گیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جب فرمایا کہ میں اللہ کا نبی ہوں تو دوسرے ہی لمحے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ اور یہ بھی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ جبریل علیہ السلام کی آواز کی گنگناہٹ سنتے تھے۔

نبوت اور صدیقیت کے مابین کوئی فصل اور کوئی اور مقام نہیں۔ اس کی تائید قرآن حکم سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے:

> ''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، وہ نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا اور کیا خوب ہوں گے یہ سب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اور رفیق۔''

(النساء)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی کے بعد صرف اور صرف صدیق کا مرتبہ ہے اور ان دونوں کے درمیان اور کوئی حد فاصل نہیں۔ اس بات کو مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''آئینے اور بھی ہزاروں ہوتے ہیں اور بوجہ آئینہ ہونے کے اصلاً انعکاس کے لیے مستعد، لیکن کثافت اور زنگ کی وجہ سے فوراً عکس قبول نہیں کر سکتے اور کچھ عرصہ کی صفائی اور تزکیہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ پھر زنگ اور کثافت کی بھی مختلف حالتیں اور مختلف مراتب ہیں۔ کوئی آئینہ جلد صاف ہو جاتا ہے، کوئی بہت دیر میں، اور کسی کا زنگ اس درجہ تک پہنچ چکا ہوتا ہے کہ صاف ہونے کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آئینہ مجلی و مصفی نے کس طرح اول نظر ہی میں عکس قبول کر لیا تھا۔ یہ صدیقیت تھی جو جمال نبوت دیکھتے ہی پکار اٹھی، واللہ ماھذا بوجہ کذاب۔

(تذکرہ: ص ۱۱۱)

مولانا آزاد رحمہ اللہ اس بارے میں مزید فرماتے ہیں:

''نبوت کی قوت فاعلہ کے لیے صدیقیت کو ایک خاص قسم کا انفعال سمجھنا چاہیے۔ اسی

Marfat.com

لیے ہر نبی کے ساتھ سب سے پہلے جماعت ''صدیقین'' ہی کی ہوتی ہے اور اسی طرح ہر داعی حق اور ہر کشف وظہور حقیقت کے لیے ہمیشہ ایک گروہ ایسے اصحاب استعداد و صلاحیت کا ہوتا ہے جو اول نظر میں حق کو پہچان لینے والا اور سب سے پہلے حقائق و غوامض حقیقت مستورہ کو پالینے والا ہوتا ہے۔ اس کی فطرت جو یا وطلب کو حق وحقیقت سے وہ مناسبت ہوتی ہے جو لوہے کو مقناطیس سے ہے...... صدیقیت کی مثال اس نہایت قوی بصارت کی سی ہے جو سب سے پہلے دور کی چیز کو دیکھ لیتی ہے اور باریک سے باریک ذرہ کو ڈھونڈ نکالتی ہے، حالانکہ دوسری کمزور آنکھیں اس وقت دیکھتی ہیں جب وہ چیز بالکل سامنے آ جاتی ہے یا اجالا بہت زیادہ ہو چکتا ہے۔''

مختصر یہ کہ آپ کا صدیق ہونا بلکہ صدیق اکبر ہونا آپ کی ایک بہت بڑی فضیلت اور منقبت ہے۔

Marfat.com

ذاتی حالات

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذاتی زندگی نہایت سادہ تھی۔ کپڑے نہایت سادہ اور موٹے جھوٹے ہوتے تھے۔ غذا بھی سادہ ہوتی۔ خلافت کے بعد تو سادگی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب سے خلافت کا بارگراں میرے کندھوں پر پڑا ہے میں نے معمولی سے معمولی غذا اور سادہ سے سادہ کپڑوں پر قناعت کی۔ مسلمانوں کے مال سے میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اونٹ اور ایک پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ میرے بعد یہ تمام اشیاء میرے جانشین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو واپس کر کے بری ہو جانا۔ (طبقات ابن سعد: ۱۳۹/۳)

بعض اوقات فاقہ کی نوبت بھی آ جاتی، چنانچہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مسجد میں بھوک سے نڈھال دیکھا۔ ارشاد فرمایا: ''میں بھی تمہاری طرح سخت بھوکا ہوں۔'' چنانچہ ابوالہیثم انصاری رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انہوں نے تینوں حضرات کے کھانے کا انتظام فرمایا۔ (موطا امام مالک: ص ۳۷۱)

ذریعہ معاش

آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ اسلام لانے کے بعد بھی تجارت ہی ذریعہ معاش رہا اور سامان تجارت دور دراز کے ممالک تک بھی لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک سال قبل بھی تجارت کے لیے بصریٰ تشریف لے گئے تھے۔ (سنن ابن ماجہ)

Marfat.com

نبی اکرم ﷺ نے خیبر میں ایک جاگیر عطا فرمائی تھی۔ بحرین میں بھی ایک جاگیر تھی جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی گئی تھی، لیکن وفات کے وقت ان سے لے لی گئی تھی تا کہ دوسرے وارثان کی حق تلفی نہ ہو۔ اطراف مدینہ میں اموال بنونضیر میں سے بئر حجر تھا جو رسول اللہ ﷺ نے انہیں عنایت فرمایا تھا۔ آپ نے اس کی اصلاح کر کے اس میں کھجور کے درخت لگائے۔

مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد چونکہ آپ کا ذاتی کاروبار بند ہو گیا تھا اور سارا وقت امور مملکت کے نپٹانے میں صرف کر دیتے، لہٰذا پہلے وظیفہ دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوا، لیکن سلطنت اسلامیہ کی مالی حالت فتوحات کی بنا پر جیسے جیسے بہتر ہوتی گئی، وظیفہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ علاوہ ازیں زیب تن کرنے کے لیے دو چادریں آپ کو دی جاتی تھیں۔ جب وہ پرانی ہو جاتیں تو ان کی جگہ اور دو دے دی جاتیں اور پرانی واپس لے لی جاتیں۔

حلیہ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی آپ کا حلیہ کچھ یوں تھا:

”رنگ گورا چٹا، جسم دبلا پتلا، دونوں رخسارے ستے ہوئے، کمر تہمد کمر پر رک نہیں سکتا تھا، نیچے کھسک جاتا تھا، چہرہ ہڈیاں نکلا ہوا، آنکھیں اندر کی جانب دھنسی ہوئی، پیشانی بلند، انگلیوں کے جوڑ گوشت سے خالی، پنڈلیاں اور رانیں پتلی، قد موزوں، بالوں میں مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔“

ازواج واولاد

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چار شادیاں کیں۔ دو اسلام سے قبل اور دو اسلام لانے کے بعد۔ اسلام لانے سے قبل مندرجہ ذیل دو خواتین سے عقد کیا۔

① قتیلہ بنت عبد العزیٰ: اس کا اسلام لانا مشکوک ہے، لیکن ان سے ایک لڑکا سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ایک لڑکی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

② ام رومان: یہ اسلام لائیں اور انتقال کے وقت جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی نعش کو قبر میں اتارا تو ان کے لیے خصوصی دعائے مغفرت فرمائی اور فرمایا: اے اللہ! تو جانتا

Marfat.com

ہے کہ ام رومان رضی اللہ عنہا نے تیرے لیے اور تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا کیا مصیبتیں اٹھائی ہیں۔'' ان ام رومان رضی اللہ عنہا سے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

اسلام لانے کے بعد جن خواتین سے شادی کی ان کے نام یہ ہیں:

① سیدہ حبیبہ بنت خارجہ: ان سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

② سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا: یہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہن تھیں۔ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی جنگ موتہ میں شہادت کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا تھا۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا، کو دو دفعہ ہجرت کا شرف حاصل ہوا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ان کی فضیلت کے قائل تھے۔ انہوں نے ہی وصیت کے مطابق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غسل دیا تھا۔ ان سے آپ کا ایک لڑکا محمد بن ابی بکر پیدا ہوا۔ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ربیب تھا کیونکہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا تھا۔ ان کے بیٹے قاسم بن محمد فقہائے سبعہ مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔

اولیات ابوبکر رضی اللہ عنہ

علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور دوسرے مؤرخین نے ''اولیات ابوبکر رضی اللہ عنہ'' یعنی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وہ کارنامے جن میں آپ نے سب سے پہلے سبقت کی، ذکر کیے ہیں۔ ہم بھی ان میں سے کچھ یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

① سب سے پہلے اسلام آپ نے قبول کیا۔

② قرآن حکیم کو سب سے پہلے آپ نے جمع کیا۔

③ قرآن حکیم کا نام سب سے پہلے آپ نے مصحف رکھا۔

④ سب سے پہلا شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں کفار سے لڑائی کی اور شاید زخمی ہوئے۔

⑤ اسلام میں سب سے پہلے مسجد بنائی جو آپ کے گھر کے صحن میں تھی۔

Marfat.com

⑥ سب سے پہلا امیر الحج ہونے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا۔

⑦ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے پہلے نماز کی امامت کا شرف آپ کو حاصل ہوا۔

⑧ سب سے پہلے خلیفہ کے لقب سے آپ پکارے گئے۔

⑨ سب سے پہلے خلیفہ جو باپ کی زندگی میں خلافت سے سرفراز ہوئے۔

⑩ سب سے پہلے آپ نے بیت المال قائم کیا۔

⑪ سب سے پہلے آپ نے اجتہاد اور استنباط احکام کے اصول اربعہ مقرر فرمائے۔

⑫ اسلام میں سب سے پہلے رعایا نے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے آپ کا وظیفہ مقرر کیا۔

⑬ دوزخ سے نجات کی خوش خبری سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے آپ ہی کو دی۔

⑭ اسلام میں سب سے پہلا لقب عتیق آپ ہی کو بارگاہ رسالت میں سے دیا گیا۔

نوٹ: سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''سیرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ''۔

Marfat.com

سیرت ابوبکر صدیق

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

نام ونسب

نام عمر، کنیت ابو حفص، لقب فاروق، والد کا نام خطاب، والدہ کا نام ختمہ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کی شاخ بنو عدی سے تھا۔ پورا سلسلہ نسب والد کی طرف سے یہ ہے:

عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن ازاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ (الاصابہ: ۵۱۸/۲، طبقات ابن سعد: ۲۶۵/۳)

عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو سرکار دو عالم ﷺ کے اجداد میں سے تھے۔ اس لحاظ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: ختمہ بنت ہاشم بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔ آپ کی والدہ کے دادا مغیرہ وہ آدمی تھے کہ جب قریش نبرد آزما ہونے کے لیے جاتے تو فوج کا انتظام ان کے ہاتھ میں ہوتا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عام الفیل سے ۱۳ سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ پیدائش پر غیر معمولی خوشی کا اظہار کیا گیا ہے۔ والدہ نے نام عمر رکھا۔ جوان ہو کر علم الانساب، سپہ گری، خطابت، پہلوانی اور دیگر علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کی۔ چنانچہ ایام جاہلیت میں جو چند لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے۔

ذریعہ معاش تجارت تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں دور دراز ممالک کا سفر بھی کیا اور سفر کے تجربات اور فوائد سے بہرہ وافر حاصل کیا۔ ریشمی ملبوسات نہیں بلکہ ریشم کا ہمہ نوع کاروبار، اس کی

Marfat.com

تیاری، بناوٹ، خرید وفروخت، ریشم سے آپ کے اشغال کے حوالہ سے عصر حاضر کے ایک صاحب قلم لکھتے ہیں:

''ریشم کی تجارت آسان معاملہ نہیں۔ باریک بینی، حد درجہ احتیاط، نگہبانی اور محنت کے بغیر یہ کاروبار ممکن نہیں۔ شاید یہ تمہید تھی اس عظیم تجارت کی جس سے آپ کا واسطہ اسلام لانے کے بعد پڑنے والا تھا۔ آپ نے اسلام سے اپنے آپ کو ایسے ہی وابستہ نہیں کر لیا تھا بلکہ خوب چھان پھٹک کر اور متعدد مراحل سے گزر کر اور پھر جہد عمل سے اسے بلندی، عظمت اور برتری بخشی۔ اسلام وہاں پہنچ گیا کہ آپ کے دور خلافت میں اسلام کو چیلنج کرنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔'' (شہید المحراب: ص ۴۷)

خاندانی اعتبار سے عہدۂ سفارت آپ کے پاس تھا، اس وجہ سے قبائل کے تعلقات میں کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تو ان کے مابین سفارت کے فرائض آپ ہی انجام دیتے اور اپنی غیر معمولی معاملہ فہمی اور تجربہ کاری سے پیچیدگی کے اس عقدہ کو حل فرماتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جب عمر ۲۷ سال تھی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی گھاٹیوں سے اسلام کی آواز بلند کی لیکن جس طرح اور لوگوں کے لیے یہ آواز نامانوس تھی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اس آواز کو اپنے لیے اجنبی سمجھتے تھے۔ لہٰذا نہ صرف آپ نے اسلام کو قبول نہ کیا بلکہ قبول کرنے والوں پر برہمی کا اظہار کرتے۔ لیکن پھر ایک روز وہ بھی آیا کہ آپ خود دعوت اسلام کے اسیر ہو گئے۔

اسلام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ! اسلام کو دو شخصوں میں سے ایک کے ساتھ عزت اور سرفرازی فرما، یا تو ابن ہشام (ابوجہل) سے یا عمر بن الخطاب سے۔ (ترمذی) لیکن ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی:

''اے اللہ! خاص طور پر عمر بن خطاب کو دائرہ اسلام میں داخل فرما کر اسلام کو عزت دے۔'' (تاریخ الخلفاء: ص ۱۰۹)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعا مستجاب ہوئی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسا دشمن اسلام جانثارِ اسلام بن گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کیسے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اس کی تفصیل

Marfat.com

ہماری کتاب ''سیرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام کیا لائے، تاریخ اسلام کا نقشہ بدل گیا۔ بے بسی اور مجبوری کے عالم میں زندگی بسر کرنے والے ۳۹ مسلمان اپنے اندر ہمت و جرأت کے احساسات محسوس کرنے لگے۔ وہ لوگ جو اپنے ایمان کو مخفی اور نمازوں کو پوشیدہ اور چھپ کر ادا کرتے تھے، اب اپنے ایمان کا اظہار اعلانیہ کرنے لگے اور گھروں کے بجائے بیت اللہ میں مصروف عبادت نظر آنے لگے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا اسلام کی فتح تھی، آپ کی ہجرت نصرت تھی اور آپ کی امامت رحمت۔ ہم میں وہ ہمت و طاقت نہیں تھی کہ بیت اللہ میں نمازیں پڑھ سکیں، لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو آپ نے مشرکین سے اس قدر جدال و قتال کیا کہ عاجز آ کر انہوں نے ہمارا پیچھا چھوڑ دیا، ہم بیت اللہ میں نہایت اطمینان سے نماز پڑھنے لگے۔'' (طبقات ابن سعد: ۲۷۰/۳، تاریخ الخلفاء: ص ۱۱۵) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ۶ھ میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے اس وقت ان کی عمر ۲۶ سال تھی۔

قریش کے مظالم جب حد سے بڑھ گئے تو مسلمانوں کو مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی اجازت ملی، قریباً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکہ سے چوری چھپے ہجرت کی لیکن جس طرح عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا انوکھا تھا اسی طرح آپ کی ہجرت بھی عجیب تھی۔ آپ بیس آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ اس شان کے ساتھ جانب مدینہ روانہ ہوئے کہ اسلحہ سے لیس ہو کر مشرکین مکہ کے مجمعوں سے گزرتے ہوئے بیت اللہ پہنچے۔ نہایت اطمینان سے طواف کعبہ کیا۔ نماز پڑھی، پھر وہاں موجود مشرکین کو مخاطب کر کے فرمایا:

''تمہاری صورتیں بگڑیں، تمہارا ناس ہو، ہے کوئی تم میں جو اپنی ماں کو بے پوتگ، اپنے بیٹے کو یتیم اور اپنی بیوی کو بیوہ کرانے کا ارادہ رکھتا ہو، آئے اور اس وادی سے اس طرف آ کر میرا مقابلہ کرے۔'' (تاریخ الخلفاء: ص ۱۱۵، زرقانی: ۳۷۱/۱)

مؤاخات

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کے مابین ایک ایسا بھائی چارہ قائم کیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس بھائی چارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلامی بھائی

Marfat.com

سیدنا عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ قرار پائے جو قبیلہ بنو سال کے رئیس تھے۔ مہاجرین کے مدینہ آنے میں مسلمانوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو گیا، لہٰذا مسلمان دور دور کے علاقوں میں آباد ہوئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مدینہ سے دو تین میل دور مقام سخ پر رہائش پذیر تھے۔ مسلمانوں کی مسجد تعمیر ہو چکی تھی۔ مسجد میں نماز کی اذان میں بھی عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو قبولیت کا شرف حاصل ہوا۔ اس اذان سے تمام دنیا میں توحید و رسالت کا اعلان دن میں پانچ وقت گونجتا ہے۔

غزوات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدنی زندگی میں دشمنان اسلام سے جس قدر غزوات لڑے، اسلام کا بطل جلیل اور نبوت کا قابل اعتماد ساتھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا۔ جنگ بدر میں آپ کی تلوار خاراشگاف نے محبت و قرابت کے تمام رشتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھی نہ چھوڑا جو رشتہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ماموں تھا۔

بدر کے معرکہ میں کامیابی مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ وہ ضعف کی حالت سے نکل کر قوت کی حالت میں آ گئے۔ تنگ دستی کے بجائے مالی وسعت میسر آ گئی۔ خوف رخصت ہوا اور امن کا دور آ گیا۔ اب قیدی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور لائے گئے۔ ان کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی کہ کیا کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ وہ اب مسلمانوں کے قبضہ میں تھے۔ اس کا امکان موجود تھا کہ اب تک مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ ان سے لیا جائے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں کی قوت و غلبہ کا ظہور ہو سکے اور اہل عرب پر واضح ہو جائے کہ یہی اصل قوت ہے اور یہ لوگ اب تک مسلمانوں کو کمزور سمجھے بیٹھے ہیں، ان کی تغلیط ہو جائے۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ ان سب کو بغیر کسی فدیہ کے محض رحمت و شفقت کی بنا پر رہا کر دیا جائے۔ ایک صورت یہ تھی کہ انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ اس وقت مسلمانوں کو مال کی ضرورت بھی تھی۔ مادی فائدہ کے ساتھ معنوی فوائد بھی تھے۔

یہ سب احتمال تھے۔ اجتہادی آراء تھیں، ہر رائے کے پیچھے وزنی دلائل تھے۔ اس لیے فیصلہ کی خاطر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

Marfat.com

"پیغمبر گرامی قدر! یہ سب اپنے ہی عزیز، بھائی اور رشتہ دار ہیں۔ میری رائے میں ان سے جو فدیہ ہم لیں گے وہ ہمارے لیے کفار کے مقابلہ میں ایک قوت ثابت ہوگا۔ رہ گئے یہ لوگ تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حسن سلوک کے بدلے انہیں ہدایت سے سرفراز فرمادے اور یہ ہمارے دست و بازو بن جائیں۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا:

"یارسول اللہ! میں جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق نہیں ہوں۔ بلکہ میری رائے یہ ہے کہ ان قیدیوں میں فلاں جو میرا رشتہ دار ہے وہ میرے سپرد کیا جائے کہ میں اسے قتل کروں۔ علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل کو قتل کرنے کے لیے علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا جائے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ان کے بھائی عباس کو کیا جائے کہ وہ ان کا کام تمام کریں تا کہ ہمارا رب معلوم کرلے کہ ہمارے دلوں میں مشرکوں کے لیے رائی برابر مروت و محبت نہیں ہے۔ ویسے بھی اتفاق سے یہ سب قیدی کفار کے وڈیرے، چوہدری اور اساطین ہیں۔ (ان کا قتل سارے قصہ کو تمام کردے گا)۔"

تاہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا۔ ان قیدیوں سے فدیہ لے لیا، لیکن اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الانفال: ۶۷ تا ۶۹)

"نبی کے لیے سزاوار نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی ہوں جب تک کہ ملک میں غلبہ حاصل نہ کرلے۔ مسلمانو! تم دنیا کی متاع چاہتے ہو (اور اللہ چاہتا ہے) تمہیں (آخرت کا) اجر دے اور اللہ ہے غالب حکمت والا۔ اگر (اس بارے میں) پہلے سے اللہ کا حکم نہ ہوگیا ہوتا تو جو کچھ تم نے (جنگ بدر میں مال غنیمت) لوٹا، اس کے لیے ضرور تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔

Marfat.com

بہر حال جو تمہیں غنیمت میں ہاتھ لگا ہے اسے حلال اور پاکیزہ سمجھ کر اپنے کام میں لاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ بخشنے والا، رحمت والا ہے۔"

(ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اور ہر دو حضرات محو گریہ تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! آپ اور آپ کے عزیز دوست کے رونے کا سبب؟ سبب معلوم ہونے پر ممکن ہو تو میں بھی شریک گریہ ہو جاؤں ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلاسہ دینے کی تدبیر کروں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ آیات نازل ہوئیں اور عذاب اتنا قریب آگیا تھا...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریبی درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔"

"اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمر رضی اللہ عنہ کے کوئی نہ بچتا۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہی رائے تھی اور پوری جماعت میں انہی کا یہ موقف تھا مجرم اور جنگ جو لوگوں کی گردنیں ماردی جائیں۔ پہلا سبب ان کے سنگین جرائم...... دوسرا سبب باقی دشمنوں کو مرعوب کرنا...... تیسرا سبب قریش کے وڈیرے اور قائدین سے نجات و خلاصی اور...... چوتھا سبب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ معلوم فرمالیں کہ ہمارے دل مجرمین حق اور مشرکین کی محبت سے یکسر قلم خالی ہیں۔

کتنی خوب صورت رائے تھی۔ کتنا درست اور کتنا مضبوط موقف تھا کہ اس کی تائید خود حق تعالیٰ شانہ نے فرمائی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے فرمایا:

"آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو صرف عمر رضی اللہ عنہ ہی نجات پاتے۔" (مانجا الا عمر)

غزوہ احد میں بھی آپ شریک ہوئے۔ اس جنگ میں ایک موقع پر ابوسفیان نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کو باری باری پکارا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل میں آگے سے کوئی جواب نہ دیا گیا جس پر خوش ہو کر ابوسفیان نے نعرہ لگایا "اعل ھبل" یعنی ہبل کی جے ہو۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ اب مجھ میں ضبط

Marfat.com

کا یارا نہیں۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: ''او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں اور اللہ جل وعلا ہی بلند و برتر ہے۔

غزوہ خندق میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس قدر مصروف رہنا پڑا کہ آپ کی نماز عصر قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ تھوڑی سی فراغت کے بعد بارگاہ رسالت میں آکر عرض کی کہ آج کافروں نے نماز عصر پڑھنے کا موقع نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے بھی ابھی تک نماز عصر ادا نہیں کی۔'' (بخاری: ۱/۸۵)

صلح حدیبیہ میں بھی آپ نے شرکت فرمائی لیکن معاہدہ حدیبیہ میں جن شرائط پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے صلح کی ان پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی غیور طبیعت مضطرب تھی۔ چنانچہ انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی: یارسول اللہ! جب ہم سچے ہیں تو ہم یہ ذلت کیوں گوارا کرلیں؟ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول اور نبی برحق ہوں۔ اس کے حکم کے خلاف نہیں کرسکتا۔ بعدازاں آپ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے اپنی مضطرب طبیعت کا اظہار کیا لیکن انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعد میں، میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی اس گفتگو پر بہت نادم ہوا اور اس کے کفارہ میں بہت سی نمازیں پڑھیں، روزے رکھے اور صدقہ و خیرات کی اور بہت سے غلام آزاد کیے۔ حدیبیہ کے صلح نامہ پر بھی بطور گواہ آپ نے دستخط فرمائے۔

غزوہ خیبر میں بھی آپ شریک ہوئے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین مجاہدین اسلام میں تقسیم فرمائی تو ''ثمغ'' نامی ایک ٹکڑا زمین آپ کے حصہ میں بھی آیا۔ آپ نے اس کو فی سبیل اللہ وقف کردیا۔ اسلام کی تاریخ میں یہ سب سے پہلا وقف ہے جس کی سعادت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔

فتح مکہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریباً دس ہزار صحابہ کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ مکہ کے قریب مرالظہران کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات خیمہ زن ہوگئے۔ مجاہدین اسلام کے خیمے پوری وادی میں پھیل گئے، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رات کے وقت پوری وادی میں خیموں کے سامنے آگ کے الاؤ جلائے گئے۔ جس رازداری کے ساتھ یہ سفر کیا گیا اس کی کامیابی یہ تھی کہ قریش کو اب تک مسلمانوں کے لشکر کی روانگی کا پتہ نہ چلا۔ قریش کے چند رؤساء اور سردار ابو

Marfat.com

سفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء اس روشنی کو دیکھ کر مکہ سے نکلے۔ وہ اسی وسیع و عریض میدان کو جو میلوں کی وسعت کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھا۔ جگمگاتا دیکھ کر انگشت بدندان رہ گئے۔ انہیں اس بات کا وہم وگمان تک نہ ہوا کہ یہ شان وشوکت اور آگ کے الاؤ کا یہ بحر ناپیدا کنار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کا ہے، جنہیں چند سال پہلے سب کچھ چھین کر نہایت کس مپرسی کی حالت میں مکہ سے نکالا گیا تھا۔ وہ آپس میں تعجب کا اظہار کر رہے تھے لیکن اتنا بڑا لشکر کس کا ہوسکتا ہے۔

لوگوں کے آرام کے لیے لیٹ جانے کے بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار ہو کر نکلے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ کوئی شخص مل جائے جو مکہ جا کر اہل مکہ کو یہ کہہ سکے کہ اس سے قبل کہ مسلمان قوت وطاقت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں، وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر امن کی درخواست کر لیں۔

رات کی تاریکی میں وہ جا رہے تھے کہ انہوں نے دو افراد کی گفتگو سنی۔ ایک کہہ رہا تھا کہ میں نے اس رات کی مانند روشن رات نہیں دیکھی اور نہ ہی ایسا لشکر۔ دوسرے نے کہا: یہ بنو خزاعہ ہیں جو جنگ کی آگ بھڑکا رہے ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ خزاعہ کا افرادی معاملہ اس سے بہت کم ہے اور نہ ہی ان کے لیے ایسے الاؤ ممکن ہیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو آواز سے پہچان لیا۔ ان میں ایک تو ابوسفیان بن حرب الاموی تھے اور دوسرے بدیل بن ورقاء۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آواز دی: ''ابوحنظلہ! (ابوسفیان کی کنیت) ابوسفیان نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی آواز پہچان لی اور تعجب سے کہا: ''ابوالفضل! (سیدنا عباس کی کنیت) تم؟'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابوسفیان! تم پر افسوس، یہ لشکر مسلمانوں کا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ افسوس صبح قریش کا کیا ہوگا؟'' ابوسفیان نے پوچھا: ''کیا معاملہ ہے؟'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بخدا!! اگر وہ کامیاب ہو گئے تو تیری گردن ماردی جائے گی۔ میرے ساتھ اس خچر پر سوار ہو جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر امن طلب کر لو۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ میرے ساتھ سوار ہو گئے اور ان کا رفیق سفر لوٹ گیا۔ میں ان کے ساتھ آیا۔ لوگوں کے جلائے ہوئے الاؤ کے پاس سے میں گزرا تو لوگوں نے پوچھا: ''یہ کون ہیں؟'' جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر دیکھا اور یہ کہ میں اس پر سوار ہوں۔ جب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے الاؤ پر سے

Marfat.com

گزرا تو وہ مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے کہا: کہ کون ہے؟ جب انہوں نے خچر پر ابوسفیان کو دیکھا تو کہنے لگے: ابوسفیان، اللہ کے دشمن! اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تم پر اس طرح قابو پانے کا موقع دیا کہ ہمارے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں۔ ''میں تمہارے انجام کے لیے آزاد ہوں۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر خچر کو ایڑ لگائی اور آگے بڑھ گیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو گیا۔ ادھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں آ گئے اور عرض کیا:

''یا رسول اللہ! یہ ابوسفیان ہیں۔ بغیر کسی عہد و پیمان کے اللہ تعالیٰ نے ان پر قابو پانے کا موقع بخش دیا ہے۔ مجھے اس کی گردن اڑانے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں تو ابوسفیان کو اپنی پناہ میں لے چکا ہوں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ برابر اپنی یہ بات کہتے رہے۔ میں نے کہا: ''عمر رضی اللہ عنہ! ذرا آرام سے کام لو، بخدا! اگر یہ بنو عدی کے فرد ہوتے تو میں یہ نہ کہتا، لیکن تم جانتے ہو کہ یہ بنو عبد مناف میں سے ہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''عباس! آپ بھی ذرا آرام سے کام لیں۔ جس دن آپ مسلمان ہوئے اس وقت سے آپ میرے لیے باپ ''خطاب'' سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ وہ مسلمان ہو جاتے تو بھی آپ کی محبت (رشتۂ رسول) کے باعث زیادہ ہی ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اپنے خیمہ میں جا کر آرام کیجیے۔ صبح انہیں لے کر آئیں۔''

صبح دم وہ انہیں لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ مسلمان ہو گئے۔ یہ گویا فتح مکہ کی ابتدا تھی۔ سیدنا ابوسفیان اموی رضی اللہ عنہ کے مکان کو ''امن کا گھر'' قرار دے کر عزت بخشی گئی۔

فتح مکہ میں بھی آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے اور مکہ میں فاتحانہ داخل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باب کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اور قریش کی تمام غلطیوں کا انتقام لینے کے بجائے اپنے دامن عفو و رحمت سے ڈھانپ لیا۔ پھر آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر کوہ صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ذرا نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی بیعت کے وقت

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "تم ان سے بیعت لے لو۔" چنانچہ تمام عورتوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

ان غزوات کے علاوہ حنین وتبوک کے غزوات میں بھی آپ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔

علالت اور وفات نبوی

سنہ ۱۱ھ ربیع الاول کے مہینہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے۔ وفات سے پانچ روز قبل آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کاغذ اور قلم دوات لاؤ تاکہ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت بیماری کی وجہ سے سخت تکلیف ہے اور ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ دوسرے بعض لوگوں نے کہا یعنی کیا جدائی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ آپ سے ذرا پوچھ تو لو۔ بعض حضرات نے حدیث کی رو سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر کچھ الزام لگائے ہیں جس کا جواب ہم نے سیرت عمر بن الخطاب میں دیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

۱۲/ربیع الاول سنہ ۱۱ھ بروز پیر دوپہر کے وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو انتقال فرما گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر ایک خاص اثر کیا اور وہ از خود رفتہ حالت میں مسجد نبوی میں یہ اعلان کرتے پھرتے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار اس کے سر کو تن سے جدا کر دے گی۔ اتنے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ انہوں نے ایک خطبہ دیا جس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حالت سنبھلی۔ تلوار ہاتھ سے گر گئی اور پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔

سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اسی اثناء میں منافقین کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے انصار سقیفہ بن ساعدہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کی بحث چھیڑ دی۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ بجائے ایک امیر کے دو امیر ہوں، ایک انصار سے اور دوسرا مہاجرین سے۔ اسی دوران میں ایک شخص نے دیوار کے پیچھے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو

Marfat.com

آواز دے کر کہا کہ ذرا باہر تشریف لائیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اس نے کہا: ''بڑا غضب ہو گیا'' انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے معاملہ کو طے کرنا چاہتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔''

(فتح الباری: ۲۳/۷)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے۔ دیکھا کہ وہاں کے حالات کچھ برگشتہ ہیں۔ مختلف لوگ تقریریں کر رہے تھے۔ آخر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی تقریر کی جس نے انصار کے تمام شکوک وشبہات کو رفع کر دیا۔ اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''لو ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرا نام پیش کیا گیا تو میرے لیے یہ حد درجہ ناگوار بات تھی۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بیعت کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا تھا کہ مہاجرین وانصار سب نے ہاتھ بڑھا دیے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔

(بخاری: ۵۱۸/۱، ۱۰۰۹/۲)

خلافت صدیقی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مملکت اسلامیہ کے خلیفہ رسول ہو گئے۔ ان کے عہد خلافت میں جتنے بڑے بڑے کام سرانجام پائے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان سب میں برابر کے شریک رہے۔ قرآن حکیم کی جمع وترتیب کا مسئلہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی نے پیش کیا۔ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرمایا تھا۔ جیش اسامہ جب مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے لگا تو آپ نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اگر تم مناسب سمجھو تو عمر رضی اللہ عنہ کو میرے لیے چھوڑ جاؤ، مجھ کو ان کے مشورہ کی ضرورت ہو گی۔'' سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اس پر نہایت خوشی سے رضامند ہو گئے۔ (طبری: ۴۶۲/۲)

جس عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے مانگ کر لیا تھا اس عمر رضی اللہ عنہ سے آپ نے اپنے سارے دور خلافت میں اہم مسائل پر مشورے لیے اور اپنی وفات کے وقت ان کو منصب خلافت کے لیے موزوں ترین آدمی سمجھتے ہوئے اپنا جانشین نامزد فرمایا اور انہیں آئندہ کے لیے نہایت

Marfat.com

مفید نصیحتیں فرمائیں جو خلافت کے دوران سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دستور العمل ثابت ہوئیں جو کچھ یوں ہیں:

جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو احساس ہوا کہ ان کا وقت تو قریب ہے تو انہوں نے لوگوں سے آئندہ خلیفہ کے لیے مشورہ کیا بالخصوص سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہ ان کی خلافت کیسی رہے گی؟ بعض حضرات تائید میں تھے اور بعض ان کی سختی اور شدت پسند طبیعت کے باعث معترض تھے۔ بہر حال آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کی تحریر لکھوائی۔ پھر آپ نے اس تحریر پر مہر کرا دی۔ یہ خلافت کی نامزدگی ایسی تھی جس میں بہر حال عوام کے درمیان دو قسم کی آراء تھیں۔ ایک طبقہ ناخوش تھا لیکن جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ

''آپ اپنے کو کیا جواب دیں گے جب وہ عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے سے متعلق آپ سے جواب طلب کریں گے۔ حال یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی شدت اور سختی سے آپ بخوبی واقف ہیں۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا:

''اچھا تو تم مجھے اللہ تعالیٰ کا ڈر بتلاتے ہو۔ وہ شخص خائب و خاسر ہو گیا جس نے تمہارے اجتماعی معاملات کے حوالہ سے تم پر زیادتی کی۔ میں تو بارگاہ ایزدی میں عرض کروں گا: اے اللہ! تیری مخلوق میں جو سب سے بہتر تھا میں نے اسے خلیفہ نامزد کر دیا۔''

مزید فرمایا کہ میں عرض کروں گا:

''مولا! میں تو محض خیر و صلاح کا متمنی تھا۔ لوگوں کے معاملہ میں مجھے فتنوں کا ڈر تھا۔ میں نے خوب سوچا...... جو سب سے بہتر نظر آیا اسے ان کی ذمہ داری سونپ دی۔''

پھر آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

''عمر! میری وصیت غور سے سن لو۔ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں ڈرنا۔ یہ سمجھ لینا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے اعمال دن ہی میں قبول ہوتے ہیں۔ رات میں نہیں اور رات کے دن میں نہیں۔ فرض ادا ہو گا تو نفل بھی ٹھکانے لگیں گے۔ ترازو اسی کی بھاری ہو گی جس کی آخرت بھاری ہو گی، اور آخرت میں اسی کی ترازو بھاری ہو گی جس نے دنیا میں حق کی اتباع کی۔ آخر میں فرمایا: سب سے پہلے میں تمہیں اپنے نفس سے بچنے

Marfat.com

کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ سب سے بڑھ کر یہی دشمن ہے۔ پھر لوگوں کے حقوق کے لیے توجہ دلاتا ہوں۔ یہ تجھ سے برابر خوف زدہ رہیں گے، جب تک تو اللہ سے ڈرتا رہے گا، اوران کے حقوق کی عدم ادائیگی سے خوف زدہ رہے گا۔'' یہ میری وصیت ہے۔ تجھ پر اللہ کی سلامتی نازل ہو۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو اللہ سے جا ملے اور خلافت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہو گئی۔ انہوں نے بار خلافت اٹھانے کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا۔ آپ خلیفہ بننے کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں سے فرمایا:

''میری رپورٹ ہے کہ لوگ میری شدت اور سختی سے خوف زدہ ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عمر (رضی اللہ عنہ) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور خلافت اسلامیہ کے پہلے تاج دار سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے ہم پر سختی کرتا تھا۔ اب تو وہ کار مختار ہے۔ یاد رکھیں جس نے یہ کہا سچ ہی کہا۔ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بطور خادم اور معین رہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ میں اللہ تعالیٰ نے ''رؤف'' اور ''رحیم'' فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے حق میں بہت ہی مہربان اور رحم دل تھے۔ رہ گیا میں تو میری مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلوار کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ بند رہتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے چلتی۔ آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے تک میں برابر ان کا خادم رہا۔ الحمدللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی تھے۔ اس کو میں اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے معاملات کے والی بنے۔ وہ بھی شفقت و نرمی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھے، اسی لیے تم لوگ ذرا ان پر دلیر تھے۔ میں ان کا بھی خادم اور معین و مددگار تھا، ان کی نرمی اور میری شدت کا امتزاج ہی تھا کہ میں ان کے دور خلافت میں بھی ایسی تلوار تھا جس پر آپ کا حکم چلتا۔ ان کے ساتھ بھی ایسے ہی معاملات رہے حتیٰ کہ وہ بھی جوار الٰہی میں پہنچ گئے۔ اللہ کا شکر اور میری خوش نصیبی اور سعادت کہ وہ بھی آخر وقت تک مجھ سے راضی رہے۔''

''اے لوگو! تمہارے امور کا اب میں نگران بنایا گیا ہوں۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ وہ شدت اب دگنی ہو گئی ہے، لیکن ظالموں اور حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے نہ کہ ہر

Marfat.com

ایک کے لیے۔ جہاں تک شرفاء کا تعلق ہے اور اصل دین کا اور میانہ روی سے زندگی گزارنے والوں کا، دین و شرافت میں جو جتنا بڑھ کر ہے اس کا اتنا ہی زیادہ...... ہاں جو کسی پر ظلم کرے گا، زیادتی کرے گا تو میں اس کو نہیں چھوڑوں گا، حتیٰ کہ اسے اوندھے منہ زمین پر ڈال کر اس کی نخوت ختم نہ کر دوں، تا کہ وہ حق کے حضور سرنگوں ہو جائے۔ اس تمام تر شدت کے باوجود میں خود اپنا چہرہ ان لوگوں کے لیے زمین پر رکھ دوں گا جو پاک باز ہیں، پاک فطرت ہیں۔"

"اے لوگو! میرے بارہ میں چند باتوں کا خیال رکھو، ان کی وجہ سے میرا محاسبہ کرو۔ ایک تو تمہارے ذمہ جو ریاست کے مالی حقوق ہیں ان کا جمع کرنا ہے، اور ساتھ ہی اس سرمایہ کا ٹھیک ٹھیک انتظام ہے جو اللہ تعالیٰ نے کافروں سے محض اپنی مہربانی سے بغیر لڑائی کے دلوا دیا۔ ایک یہ کہ جب کوئی چیز میرے ہاتھ میں آ جائے تو اسے وہاں خرچ کروں جہاں حق ہے۔ یہ بھی تمہارا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کرم فرمائیں تو تمہارے وظائف اور عطایا میں اضافہ کروں اور تمہاری سرحدوں کو مضبوط اور مستحکم کر دوں۔ ایک حق یہ ہے کہ ہلاک کرنے والی چیزوں میں مبتلا ہونے سے تمہیں بچاؤں، اور جب تم اسلام اور ملت کی خاطر گھر سے باہر ہو تو تمہاری عدم موجودگی میں تمہاری واپسی تک تمہارے گھروں کی نگہبانی کروں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے حقوق کی ادائیگی کے لیے میری اس طرح مدد کرو کہ میرے لیے کفایت ہو جائے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ میری مدد کرو، اور تمہارے اجتماعی معاملات جن کا اللہ نے مجھے والی اور نگران بنایا ہے ان کے معاملے میں نصیحت سے میری مدد کرو۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے لوگوں کو اطمینان ہو گیا اور انہیں معلوم ہو گیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مطمح نظر کیا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کن کے ساتھ وہ نرمی کا معاملہ کریں گے اور کن کے ساتھ سختی کا۔ لوگ ان کے مقاصد سمجھ گئے اور ان کے معبود و مددگار رہونے کا پختہ عزم کر لیا۔ وہ زندگی کتنی خوب صورت ہو گی جس میں حکمران رعایا کا اور رعایا حکمران کی مددگار ہو، ہر شخص اپنی حدود سے واقف ہو اور زیادتی یا کمی پر سب سے پہلے اپنا محاسبہ ہر شخص خود ہی کرتا ہو۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس عہد کو ایسا نبھایا کہ کوئی آج تک نہ نبھا سکا۔ اس کی تائید اس

Marfat.com

واقعہ سے ہوتی ہے۔ایک شدید تپتا ہوا گرم دن، ایسا گرم کی پتھر پگھل جائیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان سے جو بلندی پر واقع تھا، ایسا محسوس کیا کہ کوئی شخص ہے جو دو اونٹوں کو ہانک کر لا رہا ہے۔ لو ایسی کہ چہرہ جھلسا جا رہا ہے۔ آپ نے اپنے گھریلو خادم سے فرمایا: ''ذرا دیکھو یہ دور سے آنے والا کون ہے؟'' اس نے کھڑکی سے جھانک کر بتایا کہ اس شخص نے اپنی دستار سے چہرہ لپیٹ رکھا ہے، گرمی سے بچنے کے لیے، لہٰذا ابھی اسے پہچاننا ممکن نہیں۔ جب وہ شخص قریب آیا تو خادم ایک دم چلایا کہ یہ تو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''امیر المومنین! اس تلخ گھڑی میں باہر نکلنے کا سبب؟'' فرمایا: ''صدقہ کے دو اونٹ چراگاہ سے نکل گئے تھے، مجھے ڈر لگا کہ ضائع نہ ہو جائیں، ایسا ہوا تو اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اس کام کے لیے ہم کافی ہیں، آپ کسی کو حکم فرما دیتے؟'' لیکن امیر المومنین اپنی راہ رہے، ادھر توجہ ہی نہ کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ایک بہادر اور مضبوط امانت دار کو دیکھنے کا متمنی جناب عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔''

فتوحات

آپ کے عہد خلافت میں سیدنا خالد بن ولید، سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح، سیدنا عمرو بن العاص اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور دوسرے جرنیلوں کی قیادت میں عراق اور فارس میں بے شمار فتوحات حاصل ہوئیں۔ کسریٰ کی قوت پارہ پارہ ہوئی۔ اس کے دارالسلطنت مدائن پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور اس کے اپنے ہی ملک میں زمین اپنی وسعت کے باوجود اس پر تنگ ہو گئی۔ مصر فتح ہوا، اور مؤرخین کے قول کے مطابق قریباً ۳۱ شہر آپ کے عہد خلافت میں فتح ہوئے۔

شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام ابولولو مجوسی ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے آقا سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ وہ مجھ سے زیادہ محصول وصول کرتے ہیں آپ اس میں تخفیف کرائیں۔ آپ نے پوچھا کہ مغیرہ کیا محصول لیتے ہیں؟ ابولولو نے کہا: ''دو درہم روزانہ۔'' آپ نے پوچھا: ''تم کیا کام کرتے ہو؟ اس نے کہا: ''بڑھئی، لوہار،

Marfat.com

نقاش اور چکیاں بھی بنا تا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "میرے خیال میں یہ محصول کوئی زیادہ نہیں۔ اس کام کے لحاظ سے جو تو کرتا ہے۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا: "میں نے سنا ہے کہ تو کہتا ہے کہ میں اگر چاہوں تو ایک ایسی چکی بھی بنا سکتا ہوں جو ہوا سے چلے، اگر یہ درست ہے تو مجھے بھی ایک ایسی چکی بنا دے۔" اس نے جواب دیا: "اگر میں زندہ رہا تو آپ کے لیے ایک ایسی چکی بناؤں گا جس کے بارے میں مشرق و مغرب کے لوگ باتیں کریں گے۔" وہ یہ دھمکی دے کر چلا گیا اور چند روز کے بعد جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لیے مسجد میں تشریف لائے تو ابولولو فیروز بھی ایک دو دھاری خنجر لے کر پہلی صف میں جا بیٹھا۔ جونہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر تحریمہ کہہ کر قرأت شروع کی، اس بدبخت نے اچانک صف سے نکل کر اس دو دھاری خنجر سے امیر المومنین پر چھ وار کیے جن میں سے ایک سب سے کاری تھا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نیچے گر گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر دو چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر نماز مکمل کی اور فرش پر دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زخمی حالت میں بے ہوش پڑے ہیں۔ (طبری: ۲/۲۶۴)

زخم کاری تھا اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مایوسی ہوگئی۔ آپ سے درخواست کی گئی کہ آپ اپنا کوئی جانشین مقرر فرمائیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا: "تمہارے لیے یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔ اور وہ علی، عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوام اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان میں سے ایک کو منتخب کر لو۔ جب وہ آپس میں سے ایک کو خلیفہ بنا لیں تو اس کی اعانت کرو۔" آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عبداللہ (بن عمر رضی اللہ عنہ) مشورہ میں شریک رہے گا لیکن خلافت سے اسے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

یکم محرم الحرام سنہ ۲۴ھ کو اتوار کے دن آپ نے اس دنیا سے انتقال فرمایا۔ وصیت کے مطابق سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ وفات کے وقت عمر ۶۳ سال تھی اور مدت خلافت تقریباً گیارہ سال۔

اسلامی نظام حکومت کا قیام

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دس گیارہ سالہ دور خلافت میں دنیا کی دو سپر پاور زیعنی

Marfat.com

ایران اور روم کی حکومتوں کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔ دنیا میں سب سے پہلی فلاحی مملکت قائم کی۔ رعایا کی خوش حالی کے انتظامات کیے، عدل وانصاف کو قائم کیا، مفتوحہ علاقوں سے ظلم وجور کی بیخ کنی کی۔ غرض کہ ہر وہ کام کیا جو ایک نیک دل اور خدا ترس فرماں روا کو کرنا چاہیے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دینی بنیادوں پر ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کیا جو مسلمانوں کی ہر قسم کی ترقیوں اور سعادتوں کا ضامن تھا۔ علاوہ ازیں انہوں نے ہر شعبہ زندگی کے بارے میں اسلامی اصول مرتب فرمائے اور کارلائل اور دوسرے مستشرقین کو یہ کہنا پڑا کہ دنیا اتنی ترقی کرنے کے باوجود بھی اس نظام حکومت اور حکومتی اصلاحات سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکی جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مرتب کی تھیں۔

احتساب

آپ کے عہد خلافت میں عہدہ رکھنے والوں کا احتساب بھی ہوتا تھا۔ حکومت کے نظم و نسق کو درست رکھنے کے لیے عہدیداران کا احتساب ایک نہایت ضروری چیز ہوتی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں کبھی نہیں چوکے۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو عوام کے سامنے احتساب کے لیے پیش کرتے تھے اور رعایا کا ہر شخص ان کا احتساب کر سکتا تھا۔ آپ بڑے عہدیدار اور گورنر کے تقرر کے وقت ایک پروانہ دیتے تھے جس میں اس کے اختیارات کی تصریح و تفصیل ہوتی تھی، اور اس کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا تھا کہ وہ مجمع عام میں اس کو پڑھ کر سنائے۔ پھر ہر گورنر کی روانگی کے وقت اس کے کل مال و متاع کی ایک فہرست تیار کی جاتی تھی اور اس کی واپسی کے وقت اگر اس کے پاس زیادہ مال و متاع ہوتا تو بارگاہ خلافت سے اس کی باز پرس کی جاتی اور بعض دفعہ آدھا یا اس سے زیادہ مال بحق سرکار ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا۔ (فتوح البلدان: ص ۲۱۹)

احتساب کا ایک طریقہ یہ تھا کہ تمام گورنروں کو یہ حکم تھا کہ وہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں حاضر ہوں اور اعلان کیا جاتا کہ اگر کسی شخص کو کسی گورنر کے خلاف کوئی شکایت ہو تو وہ بلا جھجک پیش کرے۔ چنانچہ لوگ اپنی شکایات پیش کرتے اور آپ اس کا تدارک فرماتے۔ اس قسم کے احتساب کے واقعات آپ کی کتاب زندگی میں اتنے ہیں کہ ایک پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

زرعی اصلاحات

ملکی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک زراعت کو ترقی دے کر ملک کو خوراک کے بارے میں خود کفیل نہ بنایا جائے۔ خطہ عرب تو زرعی علاقہ نہیں تھا بلکہ عراق، شام اور مصر کے علاقے بڑے زرخیز و شاداب تھے، لہٰذا ان علاقوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زراعت کو خوب ترقی دی۔ نہریں جاری کیں، تالاب بنائے، پانی کی تقسیم کے دہانے بنائے، بند باندھے، نہروں کی شاخیں نکالیں اور ان سب کاموں کے لیے ایک مستقل محکمہ بنایا۔ مقریزی کا بیان ہے کہ صرف مصر میں اس محکمہ کے ایک لاکھ بیس ہزار مزدور حکومت کی جانب سے مختلف کاموں میں لگے رہتے تھے۔ غیر آباد زمینیں ان لوگوں کو دیں جو انہیں آباد کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور قانون یہ بنایا کہ جو شخص غیر آباد زمین آباد کرے گا وہی اس کا مالک ہوگا۔ غیر آباد زمینوں کے لیے پانی کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ملک کے مختلف علاقوں میں نہریں کھدوائیں جن میں نہر امیر المومنین، نہر ابو موسیٰ اور نہر سعد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ ان نہروں کی وجہ سے بنجر زمینیں زرخیز اور زرخیز زمینیں زرخیز تر ہو گئیں۔

ترقیاتی کام

آپ نے زراعت کی ترقی کے لیے نہ صرف نہریں کھدوائیں بلکہ تعمیرات کا کام بھی نہایت منظم اور وسیع پیمانے پر کیا۔ سرکاری ملازمین کے لیے جگہ جگہ عمارتیں بنوائیں۔ فوجیوں کے لیے قلعے، چھاؤنیاں اور ان کی رہائش کے لیے بارکیں تعمیر کروائیں۔ مسافروں کے لیے مہمان خانے بنوائے۔ خزانہ کی حفاظت کے لیے بیت المال کی عمارتیں بنوائیں۔ علاوہ ازیں اس وسیع اسلامی مملکت میں کثرت سے نو آبادیاں قائم کیں جن میں کوفہ، بصرہ، فسطاط، جیزہ اور موصل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان شہروں کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی نو آبادیاں قائم کیں۔

فوجی اصلاحات

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوج کے شعبہ میں بہت سی اصلاحات کیں۔ آپ کے زمانے میں.

Marfat.com

جب اسلامی حکومت کی حدود وثغور دور دور تک چلی گئیں اور اسلامی مملکت رومن امپائر (Roman Empire) سے بھی زیادہ وسیع وعریض ہوگئی، اب فوج کے لیے باقاعدہ چھاؤنیاں قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ سنہ ۱۵ھ میں آپ نے فوج کا الگ محکمہ قائم کیا اور مہاجرین وانصار کے ان لوگوں کے نام باقاعدہ رجسٹرڈ کیے جو فوجی خدمات انجام دے سکتے تھے۔ پھر ان کے مدارج کے اختلاف سے ان کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں۔ ان کی بیوی بچوں کے گزارہ کے لیے الگ وظائف مقرر کیے۔ سارے ممالک محروسہ میں فوجی مرکز قائم کیے جنہیں "جند" کہتے تھے، چنانچہ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص، اردن اور فلسطین وغیرہ میں بڑے بڑے فوجی مرکز قائم کیے گئے۔ شہروں کے فوجی مرکزوں کی چھاؤنیوں میں بڑے بڑے اصطبل تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے جنگی سازوسامان کے ساتھ ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ہر اصطبل کے ساتھ چراگاہیں بھی تھیں جہاں وہ گھوڑے چرتے تھے۔

چھاؤنیوں کے انتخاب میں بہتر آب و ہوا کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا۔ چھاؤنیوں کی بارکیں بڑی کشادہ تعمیر کی جاتیں اور ان کے سامنے کھلے میدان چھوڑ دیے جاتے تھے تاکہ فوجی جوانوں کو ہر وقت تازہ ہوا ملتی رہے۔ ہفتہ میں ایک روز یعنی جمعہ کا دن آرام کے لیے ملتا تھا۔ ہر چار ماہ بعد ہر فوجی کو چھٹی ملتی تھا کہ وہ اپنے بال بچوں کو جا کر مل سکے۔ فوجیوں کی تنخواہ کم سے کم دو ہزار سے تین ہزار سالانہ تک تھی اور افسر فوج کی سات سے دس ہزار سالانہ۔ ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ خوراک کے لیے ایک من غلہ، بارہ سیر روغن زیتون اور بارہ سیر سرکہ ملتا تھا۔ فوج میں حسب ذیل عہدے ضروری تصور کیے جاتے تھے:

فوج کا اسٹاف افسر، افسر خانہ، اکاؤنٹنٹ، قاضی، ٹرانسلیٹر، ڈاکٹر، سرجن اور جاسوس۔ لڑائی کے وقت انجینئرز یعنی سڑکیں بنانے اور پل تعمیر کرنے کا کام کرنے کے لیے بھی فوج میں ایک محکمہ تھا لیکن زیادہ تر یہ کام مفتوحہ اقوام سے لیا جاتا۔ چنانچہ مصر کی مہم میں یہ خدمت قبطیوں نے انجام دی تھی۔

عدلیہ

عدلیہ کسی حکومت کی شرافت و ذہانت کو جانچنے اور کسی معاشرہ کی حقیقی تصویر دیکھنے کا

Marfat.com

بہترین آئینہ ہوتی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عدلیہ فیصلہ کن رول ادا کرتی تھی۔ باصلاحیت اور خدا ترس لوگوں کو آپ نے قاضی مقرر کیا ہوا تھا۔ آپ دولت منداور معزز شخص کے علاوہ کسی کو قاضی مقرر نہ فرماتے تھے۔ اس کی وجہ یہ بتاتے کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز فیصلہ کرتے وقت کسی کے رعب سے متاثر نہ ہوگا۔ آپ عدلیہ کے قضاۃ کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے اور صرف انہیں لوگوں کو قاضی مقرر کرتے جو علم وتقویٰ، ذہانت اور قوت فیصلہ میں ایک خاص احتیاط روا رکھتے تھے۔ آپ کبھی کبھی عدالت میں خود پیش ہو کر قضاۃ کا امتحان بھی لیتے تھے کہ یہ کسی شخص کی وجاہت سے متاثر ہو کر عدل وانصاف میں کوئی کوتاہی تو نہیں کرتے۔ آپ ان کے بے لاگ اور منصفانہ فیصلوں پر ہمیشہ ان کی تعریف فرمایا کرتے تھے اگرچہ فیصلہ خود ان کے خلاف ہی کیوں نہ دیا گیا ہو۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قضاۃ کو ایک فرمان لکھا تھا جس میں قضا کے اصول بیان کر کے انہیں ان کو اپنانے کی ترغیب دی تھی۔ آپ نے لکھا تھا:

''امابعد! قضا ایک ضروری فرض ہے، لہٰذا تم لوگ لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں اور اپنے انصاف میں برابر رکھو تا کہ کمزور شخص انصاف سے مایوس نہ ہو اور معزز شخص کو رورعایت کی امید پیدا نہ ہو۔ مدعی کے ذمہ ثبوت ہے اور جو انکار کرے اس پر قسم ہے۔ صلح جائز ہے مگر وہ جس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے۔ اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا اور غور وفکر کے بعد اگر حق اس کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس معاملہ میں شبہ ہو اور قرآن وسنت میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر بار بار غور کرو اور اس کی مثالوں کی نظیروں کو پہچان کر ان پر قیاس کرو۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لیے ایک معیاد مقرر کرو۔ اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ ورنہ مقدمہ میں فیصلہ اس کے خلاف کر دو۔ ان اشخاص کے سوا جنہیں سزائیں درے لگائے گئے ہوں یا جھوٹی گواہی دی ہو یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں، سب مسلمان ثقہ ہیں۔''

محاصل حکومت

حکومت کا نظم ونسق چلانے کے لیے خراج ومحاصل نہایت ضروری چیزیں ہیں۔ سیدنا

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ نے صیغہ محاصل کو اس طرح منظم و مرتب کیا کہ آپ کے بعد آنے والوں کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ عراق عجم کی فتح کے بعد وہاں کی آباد زرعی زمینیں اور باغات حکومت کے ہاتھ آئے تو مسئلہ پیدا ہوا کہ ان زمینوں کو فوج میں تقسیم کیا جائے یا حکومت ان کی مالک ہو۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ یہ مجاہدین میں تقسیم کر دی جائیں لیکن ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں عبقریت عمر رضی اللہ عنہ مستقبل کے پردوں میں جھانک رہی تھی۔ آپ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ زمینیں اور باغات افواج کی ملکیت میں دے دینا نقصان دہ ہے، لہٰذا مفتوحہ علاقوں کی زمینیں اور باغات حکومت کی ملکیت اور باشندوں کے قبضہ میں رہنے دیے جائیں۔ سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہم اور کئی ایک صحابہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہم آہنگ تھے۔ (کتاب الخراج: ص ۴)

عراق کے علاوہ دیگر زرخیز علاقوں شام اور مصر میں بھی اسلامی فوجیں فتوحات کے شادیانے بجاتی آگے بڑھ رہی تھیں، لہٰذا یہ زمینیں بھی وہاں کے باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی گئیں کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح تھا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے اہتمام کے ساتھ ان زمینوں کی پیمائش کروائی اور پھر ان کا بندوبست کروایا، اور اس بندوبست میں زمینداری اور تعلق داری کا سابق نظام بدستور قائم رکھا اور زمینوں کو ان کے سابقہ مالکان کے قبضہ میں رہنے دیا گیا، اور ان کی حیثیت اور پیداوار کی اقسام کے لحاظ سے مال زاری کی مختلف شرح تشخیص کر دی گئی۔

تجارت پر ڈیوٹی لگائی گئی۔ یہ ڈیوٹی خاص سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے۔ ہوا یوں کہ جو مسلمان غیر ممالک میں تجارت کے لیے جاتے ان کو وہاں دس فی صد کسٹم ڈیوٹی دینا پڑتی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے بھی غیر ملکی مال پر درآمدی ڈیوٹی عائد کر دی۔ سنہ ۱۵ھ کے قریب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ملکی محاصل کو جمع کرنے کے لیے ایک مستقل خزانہ کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں ایک بہت بڑا بیت المال قائم کیا گیا۔ پھر تمام صوبوں، اضلاع اور مرکزی مقامات پر اس کی شاخیں قائم کی گئیں۔ بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ کے باشندوں کے وظائف اور ان کی تنخواہوں کا خرچ تین کروڑ درہم سالانہ تھا۔ اس سے حکومت کی آمدنی کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

دینی خدمات

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دین کی اشاعت اور اسلام کی تبلیغ کے لیے مندرجہ ذیل صورتیں اختیار کیں:

① فوج کے ہر سپہ سالار کو تاکید کی گئی کہ جنگ سے پہلے غنیم کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کر کے اسے اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے، چنانچہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جو خط آپ نے لکھا تھا اس میں واضح طور پر یہ مرقوم تھا کہ ”میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ جنگ سے قبل اسلام پیش کرو۔“

② دوسری صورت آپ نے یہ اختیار کی کہ تمام مسلمانوں کو اپنی تربیت وارشاد اور احتساب سے اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بنا دیا کہ ہر مسلمان اسلام کی روشنی کا مینار نظر آتا تھا جس کو دیکھ کر لوگ راہ ہدایت اختیار کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رومی سفیر جارج اسلامی لشکر میں آیا تو سالار فوج کی سادگی کو دیکھ کر ہی اسلام کی طرف مائل ہو گیا۔ اس طرح کے اور کئی واقعات کتابوں میں ملتے ہیں۔ مختصر یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلام نہایت تیزی اور کثرت سے پھیلا جس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پالیسیوں کو بہت بڑا دخل تھا۔ (ملاحظہ ہو فتوح البلدان: ص ۲۶۵، ۲۸۹، ۲۸۰، ۳۷۴، مقریزی: ۱۶۶/۱، ۱۸۴)

آپ نے غیر قوموں کے دینی، معاشرتی اور بنیادی حقوق کی پورے طور پر حفاظت کی۔ جہاں کہیں بھی غیر مسلموں سے معاہدہ کیا اس میں انہیں وہ تمام حقوق دیے جو ایک مسلمان رعایا کو دیے ہوئے تھے۔ چنانچہ اہل جرجان کے ساتھ ایک معاہدہ میں یہ لکھا گیا کہ ان کی جان و مال اور مذہب و شریعت سب کو امان ہے۔ ان میں سے کسی شے میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ آپ نے ایک مرتبہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا: ”مسلمانوں کو غیر مسلم رعایا پر ظلم کرنے، ان کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے سے روکو، اور جو شرائط ان سے کی گئی ہیں ان کو پورا کرو۔“ (کتاب الخراج: ص ۸۲)

آپ کو غیر مسلم رعایا کا اتنا خیال تھا کہ اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو یہ وصیت کی کہ ”میں ان لوگوں کے حق میں جن کو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ دیا گیا ہے، یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے، اسے پورا کیا جائے، ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔

Marfat.com

رعایا کی خبر گیری

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو رعایا کی خبر گیری کا بھی بہت اہتمام تھا اور ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رکھتے۔ آپ کی بارگاہ خلافت میں کوئی حاجب و دربان نہ تھا۔ روزانہ ہر نماز کے بعد صحن مسجد میں بیٹھ جاتے اور لوگ آزادی کے ساتھ اپنی باتیں ان سے کہتے۔ اپنے گورنروں کو بھی دربان اور حاجب رکھنے سے منع کیا ہوا تھا تاکہ لوگوں کو گورنر تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ ایک مرتبہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارہ میں پتہ چلا کہ انہوں نے اپنے مکان کے آگے ایک ڈیوڑھی بنالی ہے۔ آپ نے تحقیق حال کے لیے سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا اور یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر ڈیوڑھی ہو تو اسے آگ لگادیں کیونکہ اس صورت میں اگر رعایا کو گورنر تک پہنچنے میں دشواری ہے تو وہ ''قصر سعد'' نہیں بلکہ ''قصر فساد'' ہے۔ چنانچہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس ڈیوڑھی کو آگ لگادی۔

ایک مرتبہ شام کے سفر سے واپسی پر ایک جگہ ایک خیمہ نظر آیا جس میں ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے اس بڑھیا سے پوچھا: ''عمر رضی اللہ عنہ کا کچھ حال معلوم ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں شام سے روانہ ہو چکا ہے۔ مجھ کو اس کے ہاں سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملی۔'' فرمایا: ''اتنی دور کا حال عمر رضی اللہ عنہ کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟'' بڑھیا نے جواب دیا: ''حال معلوم نہیں ہو سکتا تو خلیفہ کیوں بن بیٹھا۔'' یہ سن کر آپ رو پڑے۔ اس قسم کے کئی واقعات آپ کی کتاب زندگی میں مرقوم ہیں۔

فضل و کمال

جو علوم اس زمانے میں لازمۂ شرافت سمجھے جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان میں حظ وافر عطا فرمایا ہوا تھا۔ جاہلی اور اسلامی علوم دونوں میں آپ کو یکساں کمال حاصل تھا۔ فصاحت و بلاغت، انشاء و خطابت، شاعری، سپہ گری وغیرہ تمام اوصاف و کمالات میں آپ مہارت تامہ رکھتے تھے۔

بعثت نبوی کے وقت قریش میں صرف سترہ اشخاص لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ان میں ایک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ قریش میں سفارت کا عہدہ چونکہ اس خاندان کے پاس تھا، لہٰذا اس

Marfat.com

خاندان کے لوگ تقریر اور تحریر دونوں میں نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تقریر و تحریر کے سمندر کے شناور تھے۔ شاعری میں بھی آپ کا مذاق نہایت بلند اور پاکیزہ تھا۔ خود شعر بہت کم کہتے تھے لیکن عرب کے شعراء کا کلام کثرت سے یاد تھا اور ان کے بارے میں ناقدانہ رائے رکھتے تھے۔

علم الانساب اس زمانے کا ایک مشہور علم تھا جس کے ذریعہ مختلف قبائل کا نام و نسب یاد رکھا جاتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس علم میں حظ وافر حاصل تھا کیونکہ یہ علم آپ کے خاندان میں کئی پشتوں سے چلا آ رہا تھا۔ آپ کے والد خطاب قریش کے مشہور نساب تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فن قریباً انہی سے سیکھا تھا۔ (کتاب البیان والتبیان: ۱/۱۱۷)

حدیث وفقہ میں بھی آپ کا مقام نہایت بلند تھا بلکہ فقہ کا فن آپ ہی کا ساختہ پرداختہ ہے۔ چنانچہ فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں ایک رسالہ ''فقہ عمر رضی اللہ عنہ'' کے نام سے درج کیا ہے۔

اخلاق و عادات

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو صاحب خلق عظیم کے سرچشمہ اخلاق سے سیراب ہونے کا موقع ملا تھا، لہٰذا آپ کی عادات و اخلاق بھی اسی طرح کی تھیں۔ تقویٰ، پرہیزگاری، خلوص، لذائذ دنیا سے اجتناب، راست گوئی، تواضع اور سادگی وغیرہ میں سنت نبوی کا اتباع تھا۔

خشیت الٰہی

تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے، اور جو قلب خوف خداوندی اور خشیت الٰہی سے خالی ہو وہ ایک گوشت کے لوتھڑے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ خشیت الٰہی ہی ہے جو انسان کو عمل صالح کے لیے ہر وقت بے چین رکھتی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''اگر آسمان سے آواز آئے کہ ایک شخص کے سوا تمام انسان جنتی ہیں، تب بھی میں یہ سمجھوں گا کہ وہ ایک بدقسمت شخص میں ہی ہوں۔'' (کنز العمال: ۶/۳۴۵)

نمازوں میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے جن میں عظمت اور جلال خداوندی اور قیامت کی

Marfat.com

ہولنا کیوں کا ذکر ہوتا۔ بعض آیات پر خوب روتے یہاں تک کہ ہچکی بندھ جاتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آیت ﴿انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ﴾ پڑھ کر اتنا روئے کہ سیدنا عبداللہ بن شداد کا بیان ہے کہ میں باوجود اس کے کہ پچھلی صف میں رہتا تھا لیکن میں آپ کے رونے کی آواز سنتا تھا۔ (بخاری)

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے جسم و روح کے رگ و ریشہ میں رچی بسی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سب کچھ کر گزرنے کے لیے تیار تھے۔ واقعہ ایلا میں جب کاشانہ نبوی پر بار بار اذن طلب کرنے پر باریابی کی اجازت نہ ملی تو اونچی آواز سے کہا: ''یارسول اللہ! بخدا! میں حفصہ رضی اللہ عنہا کی سفارش کے لیے نہیں آیا ہوں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو اس کا سر قلم کردوں۔''

(فتح الباری: ۹/۲۵۱)

محبت کا تقاضا اتباع ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کی بنا پر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع سے والہانہ محبت تھی۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ کی کتاب زندگی کا سب سے زریں باب اتباع سنت تھا۔ خورد و نوش، نشست و برخاست اور لباس و وضع غرض کہ زندگی کے سب شعبوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ آپ کے پیش نظر تھا۔ ایک مرتبہ سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ معمولی کھانوں کے بعد جب عمدہ کھانے لائے گئے تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: ''بخدا! اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو حق تعالیٰ شانہ تمہیں صراط مستقیم سے ہٹا دے گا۔'' (کنز العمال: ۶/۳۴۵) اس قسم کے بے شمار واقعات سے آپ کے اتباع سنت کے جذبہ کا پتہ چلتا ہے۔

متعلقین رسالت کا احترام

حب رسول کا تقاضا یہ بھی تھا کہ ان تمام لوگوں کے ساتھ محبت و احترام سے پیش آیا جائے جن کا رسالت سے تعلق ہو۔ چنانچہ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے متعلقین رسالت کا ہر معاملہ میں بہت لحاظ رکھا۔ آپ نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا وظیفہ اپنے صاحبزادے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ مقرر فرمایا۔ اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے استفسار پر فرمایا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ رضی اللہ عنہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ

Marfat.com

سے زیادہ محبوب تھے۔" (کتاب الخراج: ص۲۴)

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز مسجد نبوی میں خطبہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ جس راستے سے آپ مسجد جا رہے تھے اس راستے پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کا پرنالہ لگا ہوا تھا۔ مکان کی چھت پر دو چوزے ذبح کیے گئے اور پانی اور خون ملا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر اس پرنالہ کے ذریعے گرا جس سے آپ کے کپڑے خراب ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس پرنالہ کو وہاں سے اکھاڑ دیا جائے۔ چنانچہ یہ پرنالہ اکھاڑ دیا گیا۔ نماز کے بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "بخدا! یہ پرنالہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نصب کروایا تھا اور آپ نے اسے اکھڑوا دیا۔ یہ سننا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: "میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ میری پشت پر سوار ہو کر اس پرنالہ کو وہیں لگا دیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نصب فرمایا تھا۔" چنانچہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔

(مسند احمد بن حنبل: ۲۱۰/۱، سیر اعلام النبلاء: ۷۰/۲)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سے بھی آپ کو بہت محبت تھی۔ چنانچہ آپ ایک مرتبہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا: "آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں اور بخدا! مجھے بھی آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ محبوب ہیں۔"

(مستدرک حاکم: ۱۵۵/۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان سے عقیدت و محبت ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے تقسیم اموال کے وقت فرمائے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا: "بخدا! ہمیں جو کچھ بھی فضیلت دنیا میں حاصل ہوئی اور آخرت میں اپنے اعمال کے ثواب کی ہمیں جس قدر بھی امید ہے، یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نصیب ہوا۔ آپ ہمارے لیے سراپا شرافت و عزت ہیں اور آپ کی قوم بھی تمام قبائل عرب سے افضل ہے۔"

(طبقات ابن سعد: ۲۱۲/۳، طبری: ۲۷۸/۳)

زہد و قناعت

آپ کی زندگی کی کتاب میں زہد و قناعت کا باب بھی نہایت روشن ہے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

فرمایا کرتے تھے کہ قدامت اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر فوقیت حاصل ہے لیکن زہد وقناعت پر وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اندازہ فرمائیں کہ قیصرو کسریٰ کی فوجیں ہر محاذ جنگ پر شکست پر شکست کھا رہی ہیں۔ مختلف محاذوں پر جرنیلوں کو خطوط لکھے جارہے ہیں، پوری دنیا کے بادشاہوں پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک ہیبت طاری ہے، لیکن آپ کی اپنی حالت یہ ہے کہ پیوند لگا کپڑا زیب تن ہے، عمامہ پھٹا ہوا، چپل بوسیدہ، بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لیے مشک کاندھے پر، سونے کے لیے خاک کا بستر، چشم فلک نے ایسا سربراہ مملکت کم ہی دیکھا ہوگا۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو اپنا موٹا کرتہ پیوند لگانے کے لیے دیا۔ اس نے بجائے اس پر پرانے کرتہ کے ایک باریک اور نرم کپڑے کے کرتہ پیش کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو واپس کر دیا اور اپنا وہی پرانا کرتہ لے کر کہا: ''یہی اچھا ہے کیونکہ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔'' (کنز العمال: ۳۵۰/۶)

ایک مرتبہ سیدنا احنف بن قیس رؤسائے عرب کے ساتھ آپ سے ملنے کو گئے۔ دیکھا کہ آپ آستین چڑھائے ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ احنف رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا: ''تم بھی میرا ساتھ دو، بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے۔'' ایک شخص نے کہا: ''امیر المومنین! آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں، کسی غلام کو حکم فرمایئے وہ اس اونٹ کو ڈھونڈ لائے گا۔'' فرمایا: ''ای عبد اعبد منی؟'' یعنی مجھ سے بڑھ کر اور کون غلام ہوسکتا ہے؟

سنہ ۲۳ھ میں سفر حج پر تشریف لے گئے۔ جب مقام ابطح میں پہنچے تو سنگریزے سمیٹ کر اس پر کپڑا ڈال دیا اور اسی کو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور فرمایا ''اے اللہ! میری عمر اب زیادہ ہوگئی ہے، قویٰ کمزور ہو گئے ہیں، لہٰذا اب مجھ کو اس دنیا سے اٹھالے۔''

تشدد و ترحم

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں اگر ایک طرف سختی تھی تو دوسری طرف ان میں نرم دلی اور نرمی بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، لیکن مزاج کی یہ نرمی اور سختی دونوں حق تعالیٰ کے لیے تھیں، چنانچہ جہاں آپ کی زندگی میں تشدد اور سختی کے واقعات ملتے ہیں وہاں نرمی اور رحم دلی کے واقعات کی بھی

Marfat.com

کثرت ہے۔

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک نہایت جلیل القدر صحابی رسول اور اصحاب بدر میں سے ہیں۔ جب سنہ ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کا ارادہ فرمایا تو آپ اس مہم کو خفیہ اور پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے، لیکن سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ نے مکہ والوں کو اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے خیال سے اس مہم کی اطلاع کے لیے ایک خط لکھا جو اہل مکہ تک پہنچنے سے قبل ہی پکڑا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کی اس حرکت کا پتہ چلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے قتل کی اجازت طلب کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی۔

شدت کا سوال دوسروں کے ساتھ ہی نہ تھا خود اپنے ساتھ بھی یہی حال تھا۔ ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ابا حضور سے عرض کیا۔

"ابا! جو لباس آپ نے زیب تن فرما رکھا ہے اس کے مقابلہ میں ذرا اچھا لباس پہن لیں، اور موجودہ خوراک سے کسی قدر اچھی خوراک استعمال فرمائیں تو کتنا اچھا ہو۔ اب تو اللہ تعالیٰ نے رزق میں وسعت عطا فرمائی ہے اور دنیوی مال واسباب بہت ہو گیا ہے۔ ابا نے فرمایا: "میں اپنے آپ کے معاملہ میں تم سے جھگڑا کروں گا۔ ذرا یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیسے گزری؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیش ونشاط کوئی حصہ حاصل کیا جس کا تم مجھے سبق دے رہی ہو؟ ابا مسلسل اس کا ذکر کرتے رہے حتیٰ کہ میں گریہ میں ڈوب گئی۔"

"اللہ کی قسم! میں اگر ایسا کرسکوں تو (ان دونوں) اشارہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف تھا) کے قدم بہ قدم چلوں یعنی جیسی مشکل زندگی انہوں نے گزاری ویسی گزاروں، شاید کہ آئندہ زندگی میں انہی کی طرح رضائے الٰہی کا مستحق بن سکوں۔"

یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ ان کا کیا رویہ تھا۔ جب وہ لوگوں کو کسی کام سے روکتے تو اپنے گھر والوں کو بلاتے اور فرماتے:

"میں نے لوگوں کو فلاں فلاں کام سے روکا ہے۔ لوگوں کی نظر تم پر ہے اس طرح جس طرح پرندہ گوشت کو دیکھتا ہے۔ جن باتوں اور اعمال سے میں نے روکا ان میں تم پڑ گئے تو لوگ بھی وہی کچھ کریں گے۔ تم نے احتیاط برتی تو لوگ بھی احتیاط برتیں گے۔

Marfat.com

چند باتوں سے میں نے روکا ہے اگر ان میں سے تم میں سے کسی نے ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ کی قسم! اسے دوہری سزا ملے گی کیونکہ تمہارا میرے ساتھ قریبی تعلق ہے۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی تمام تر شدت کے باوصف لوگوں کے لیے حد درجہ متواضع اور رحم دل تھے۔ جب آپ شام تشریف لے گئے تو راستہ میں ایک ندی آ گئی۔ آپ اونٹ سے اتر گئے۔ جوتے اتار کر انہیں ہاتھ میں لے لیا اور اس حال میں پانی میں کود پڑے کہ اونٹ کی نکیل ہاتھ میں تھی۔ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہمراہ تھے۔ انہوں نے عرض کیا:

"زمین والوں کے نزدیک آپ نے بڑی ترقی کا سامان کیا، یہ اور یہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: افسوس تم اور یہ بات۔ تمہارے بغیر کوئی اور یہ بات کہتا تو میرا یہ ردعمل نہ ہوتا۔ ہم اور تم پسے ہوئے لوگ تھے، تعداد تھوڑی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور تمہیں اسلام کے ذریعہ عزت بخشی۔ اب اس کے بعد تم کیا چاہتے ہو، کون سی عزت، اس عزت کے بعد تمہیں مطلوب ہے۔"

آپ بازاروں میں تشریف لے جاتے۔ گلیوں میں گشت لگاتے۔ لوگوں کے فیصلے موقع پر نمٹاتے۔ بازار کے بھاؤ معلوم کرتے اور یہ کہ اشیائے ضروریہ میسر آ رہی ہیں یا نہیں؟ اگر ایسی چیز نظر آئی جو پسندیدہ نہ ہوتی تو تنبیہ فرماتے۔ مخالفین کی درہ سے اصلاح فرماتے جو آپ نے اسی غرض سے بنوایا ہوا تھا۔ گوشت والے بازار میں تشریف لے جاتے۔ قصاب حضرات سے معلوم کرتے کہ ذبح کیسے کیا جاتا ہے اور گوشت کی صفائی کیوں کر ہوتی ہے۔ بعض ان میں سے ایسے نکلتے جو ذبح کے صحیح طریقہ سے آشنا نہ تھے۔ انہیں اس کام سے روک دیا جاتا۔

ایک دفعہ مسجد میں تشریف لے گئے۔ ایک شخص نماز میں بے ڈھنگے طریقے سے سر جھکائے ہوئے تھا۔ اسے اپنے درہ کے ساتھ حرکت دی اور فرمایا: "میاں سر اٹھاؤ، صحیح طریق اختیار کرو، ہمارے دین کا حلیہ نہ بگاڑو۔"

دوسری طرف آپ اتنے رحم دل اور نرم دل تھے کہ سنہ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بے قراری دیدنی تھی۔ قحط کو دور کرنے کی ہر کوشش کی اور خود تمام مرغوب غذائیں ترک کر دیں اور ہر قسم کے عیش و لطف سے اجتناب رکھا۔

(کنز العمال: ۳۴۳/۶)

Marfat.com

عراق عجم کے معرکہ میں سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ اور دوسرے بہت سے مسلمان جب شہید ہوئے ان حضرات کی شہادت کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اس قدر اثر ہوا کہ زاروقطار روتے تھے۔اس قسم کے کئی واقعات آپ کی زندگی میں ملتے ہیں۔

رفاہ عام

جس شخص میں تواضع اور انکسار پیدا ہو جائے وہ پھر رفاہ عام کے کام بہت کرتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں تواضع وانکسار کا ایک عام جذبہ تھا، اس وجہ سے اتنا صاحب اقتدار ہونے کے باوجود خدمت خلق کا جذبہ بھی آپ میں بہت تھا۔اتنی بڑی سلطنت کا فرماں روا ہونے کے باوجود آپ کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور گھر کی عورتوں سے پوچھ کر انہیں بازار سے سودا سلف لا دیتے۔محاذ جنگ سے جو قاصد آتا اس کے پاس مجاہدین کے جو خطوط ہوتے وہ خود ان کے گھروں میں جا کر پہنچاتے۔جس گھر میں کوئی پڑھا لکھا نہ ہوتا تو آپ خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ کر اس خط کا جواب گھر والے جو کچھ لکھواتے وہ لکھ دیتے۔راتوں کو عموماً گشت کرتے تاکہ رعایا کے ہر فرد کا حال معلوم ہو اور غریب و ناتواں کی امداد کی جا سکے۔چنانچہ ایک مرتبہ قافلہ شہر سے باہر اترا۔سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور فرمایا کہ مجھ کو اس کے بارے میں مدینہ کے چوروں کا ڈر لگا ہوا ہے۔چنانچہ دونوں حضرات پوری رات اس قافلہ کا پہرہ دیتے رہے۔

غیرت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں غیرت کا مادہ بہت تھا، گویا کہ آپ بالطبع غیور تھے۔آپ کی زندگی کے مختلف واقعات سے آپ کے اس طبعی رجحان کا پتہ چلتا ہے۔آیت حجاب نازل ہونے سے قبل مسلمان عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت اس بے حجابی کو پسند نہیں کرتی تھی۔چنانچہ آپ نے بارگاہ رسالت میں بار بار عرضداشت پیش کی کہ مسلمان عورتوں کو بالخصوص ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دیا جائے۔چنانچہ آیت حجاب آپ کی خواہش کے بعد ہی نازل ہوئی۔

Marfat.com

اپنے عہد خلافت میں ایک مرتبہ آپ کو پتہ چلا کہ بعض علاقوں میں مسلمان عورتیں عیسائی عورتوں کے ساتھ حماموں میں بے پردہ نہاتی ہیں۔ آپ کو یہ معلوم کر کے سخت غیرت آئی۔ چنانچہ آپ نے ایک گشتی مراسلہ بھیجا کہ ''مسلمان عورت کا غیر مسلم عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں ہے۔''

خانگی زندگی

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی اولاد اور ازواج سے بہت محبت تھی لیکن آپ اس محبت کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے درمیان حائل نہیں ہونے دیتے تھے۔ آپ کو اپنے حقیقی بھائی سیدنا زید بن خطاب رضی اللہ عنہ سے والہانہ محبت تھی۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بہت روئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: ''جب یمامہ سے ہوا چلتی ہے تو مجھے زید رضی اللہ عنہ کی خوشبو آتی ہے۔'' ایک مرتبہ عرب کا مشہور مرثیہ گو متمم بن نویرہ ان کی خدمت میں آیا تو آپ نے اس سے زید رضی اللہ عنہ کا مرثیہ کہنے کی فرمائش کی، اور فرمایا کہ ''اگر مجھ کو تمہارے جیسا مرثیہ کہنا آتا تو میں خود کہتا۔'' سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی اسماء رضی اللہ عنہا تھی، آپ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔

(مستدرک حاکم: ج۳)

مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بعد عوالی میں مقیم ہوئے جو مدینہ طیبہ سے دو تین میل کے فاصلے پر ہے، لیکن خلافت کے بعد وہاں کی سکونت چھوڑ کر مدینہ میں آ رہے۔ چونکہ انتقال کے وقت وصیت فرمائی کہ اس مکان کو فروخت کر کے میرا قرض ادا کیا جائے، چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مکان کو خریدا اور آپ کا قرض ادا کیا گیا۔ یہ مکان مدت تک ''دار القضاء'' کے نام سے مشہور رہا۔ (خلاصۃ الوفاء فی اخبار المصطفیٰ: ص ۱۲۹)

ذریعہ معاش تجارت تھا لیکن قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر آپ کو اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جاگیریں عطا فرمائیں۔ خیبر میں بھی ایک جاگیر تھی جس کا نام ''ثمغ'' تھا، لیکن آپ نے یہ دونوں زمینیں بعد میں وقف کر دیں۔ بخاری میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں آپ نے کچھ عرصہ زراعت بھی کی۔

خلافت کی ذمہ داریاں اٹھانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی اس قدر تنخواہ مقرر کر

Marfat.com

دی تھی جو معمولی خوراک اور لباس کے لیے کافی ہو۔ سنہ ۱۵ھ میں جب تمام مسلمانوں کے روز ینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ کا بھی پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر ہوا لیکن خلافت کی وجہ سے نہیں بلکہ بدری صحابی ہونے کی وجہ سے۔

غذا نہایت سادہ تھی، معمولی روٹی اور روغن زیتون۔ روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی لیکن ان چھنے آٹے کی۔ قحط کے زمانے میں جو کا التزام کر لیا تھا۔ آپ کی اس سادہ غذا کی وجہ سے بعض دفعہ مہمانوں اور سفیروں کو کھانے میں سخت تکلیف ہوتی۔

غذا کی طرح لباس بھی نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیض پہنتے تھے۔ سر پر کبھی کبھی برنس (ایک قسم کی ٹوپی) پہنتے تھے لیکن عمامہ زیب سر ہوتا۔ جوتی بھی عربی وضع کی ہوتی تھی۔ کپڑوں میں اکثر پیوند لگے ہوتے تھے۔

رنگ گندمی، سر چندلا، رخساروں پر کم گوشت، داڑھی گھنی، قد نہایت طویل یہاں تک کہ سیکڑوں آدمیوں میں لمبے معلوم ہوتے تھے۔ سر کے بال سامنے سے اڑے ہوئے۔

ازواج واولاد

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں کئی نکاح کیے جن کی کچھ تفصیل یہ ہے:

① سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ زینب سے نکاح کیا۔ ان کا انتقال اسلام کی حالت میں ہوا۔

② قریبہ بنت میۃ المخزومی سے مکہ میں نکاح ہوا لیکن مشرکہ ہونے کی وجہ سے اس کو طلاق دے دی۔

③ ملیکہ بنت جرول کو مشرکہ ہونے کی وجہ سے طلاق دے دی۔

④ جمیلہ: کسی وجہ سے اسے بھی طلاق دے دی۔

⑤ عاتکہ بنت زید: ان کا نکاح پہلے عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ پھر وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں آئیں۔

⑥ ذی قعدہ سنہ ۱۷ھ میں آپ نے سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، نکاح کیا۔ ان میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا زید رضی اللہ عنہ اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئیں۔ یہ نکاح آپ نے اس وجہ سے کیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے درمیان

Marfat.com

نسبتی تعلق قائم ہو جائے۔ (مستدرک حاکم: ۱۲/۳) حق مہر چالیس ہزار درہم مقرر ہوا۔

اس نکاح کے بارے میں کئی لوگوں نے تعصب اور جہالت کی بنا پر انکار کیا ہے۔ چنانچہ معزالدولہ دیلمی جس نے ماتم حسین کی بنیاد ڈالی تھی، وہ بھی اس نکاح سے ناآشنا تھا۔ جب اسے اس بارے میں پتہ چلا تو وہ حیرت زدہ ہو کر کہنے لگا:

والله ما سمعت هذا قط۔

''میں نے تو یہ کبھی نہیں سنا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۱۱/۲۶۲)

اس رشتہ کی حقیقت معلوم ہونے سے وہ رفض سے تائب ہو گیا۔

اس نکاح کو اہلسنت اور شیعہ حضرات دونوں نے تسلیم کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۱/۴۰۳، کتاب المعارف: ص ۲۹، جمرۃ الانساب: ص ۳۷، کتاب المحبر: ص ۵۶، نسب قریش: ص ۴۱، طبری: ۳/۱۶۸، ۲۳۹، ۲۷۰، البدایہ والنہایہ: ۷/۸۱، ۳۳۲، فروع کافی: ۲/۳۱۱، تہذیب الاحکام: ۹/۳۶۲، ابن ابی الحدید: ۴/۵۷۵، مجالس المومنین: ۱/۴۵۱ وغیرہ)

اولاد میں ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ وہ ازواج مطہرات میں سے تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت بھی انہی کے نام پر تھی۔

دوسری صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔

اولاد مذکور میں پانچ بیٹے تھے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، سیدنا زید رضی اللہ عنہ (جو سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے) اور سیدنا مجیر۔ پہلے تین صاحبزادے علم وفضل میں خاص مقام رکھتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ علم وفضل کے علاوہ سنت نبوی کے اتباع کی وجہ سے مشہور تھے۔ یہ تھے مختصر حالات زندگی سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے۔ تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب سیرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

Marfat.com

Marfat.com

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

نام ونسب

نام عثمان، کنیت ابوعبداللہ اور ابوعمرو، لقب ذوالنورین (دونوروں والا) والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروی۔

والد کی طرف سے آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے:

عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف۔ گویا کہ آپ کا شجرہ نسب پانچویں پشت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد عبدمناف سے جاملتا ہے۔

(طبری: ۴۴۴/۳، طبقات ابن سعد: ۵۳/۳، تاریخ الخلفاء: ص ۱۴۷)

والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے:

اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس بن عبدمناف۔

ماں کی طرف سے بھی آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد عبدمناف سے جاملتا ہے۔ (انساب الاشراف: ۱/۵، تاریخ الخلفاء: ص ۱۴۹)

آپ کی نانی ام حکیم البیضاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا خواجہ عبدالمطلب کی صاحبزادی اور آپ کے والد محترم عبداللہ کی سگی بہن تھیں۔ بعض مؤرخین نے ام حکیم کو جناب عبداللہ کی توام (جڑواں) بہن لکھا ہے۔ اس لحاظ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی کے نواسے تھے۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی ان کا یہی رشتہ تھا۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۱۲۱/۱، اسد الغابہ: ۱۹۱/۵)

Marfat.com

آپ کے والد عفان حالت کفر میں انتقال کر گئے لیکن والدہ اروی بن کریز اسلام لائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدینہ منورہ میں ہمیشہ کے لیے قیام پذیر ہو گئیں اور مدینہ منورہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا۔

(طبقات ابن سعد: ۶۶/۸، انساب الاشراف: ۵/۱)

لقب

سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا آپ کے حبالۂ عقد میں یکے بعد دیگرے دی تھیں۔ اس وجہ سے آپ کا لقب ''ذوالنورین'' ہو گیا۔

(الاصابہ: ۴۵۵/۲، عنوان النجابہ: ص ۳۳)

آپ کا یہ لقب صرف اہل زمین ہی میں نہ تھا بلکہ ملاء اعلیٰ میں بھی آپ کو اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ (الاصابہ: ۴۵۵/۲، کنز العمال: ۳۷۹/۶)

خاندان

آپ واقعہ فیل کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان عہد جاہلیت میں بھی غیر معمولی اقتدار کا حامل تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ امیہ بن عبد شمس جن کی وجہ سے آپ کو اموی کہے جاتے تھے، قریش کے رؤساء میں سے تھے۔ ''عقاب'' جو قریش کا قومی علم تھا، وہ بھی اسی خاندان کے پاس تھا۔ بنو امیہ نہ صرف قریش کے قائد اور سپہ سالار تھے بلکہ یہ قریش کے دوسرے خاندانوں کی طرح صاحب مال اور تجارت پیشہ بھی تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ خاندان تجارت میں بھی سارے قریش کا لیڈر اور قائد تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے والد عفان ایک نہایت آسودہ حال تاجر تھے اور تجارتی قافلے لے کر شام جایا کرتے تھے۔ ایک سفر کے دوران وہ شام کے ایک مشہور ساحلی شہر میں بیمار پڑے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ (المعارف: ص ۸۲) باپ کے انتقال کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تجارت کو خوب فروغ دیا۔ تجارت میں نئے نئے طریقے اور ڈھنگ نکالے۔ مضاربت کے اصول پر تجارت کرتے، سستے داموں جائیدادیں خریدتے اور پھر انہیں مہنگے داموں فروخت کرتے۔ درآمدی اور برآمدی دونوں قسم کی تجارت کرتے۔ چنانچہ وہ مکہ کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہونے لگے۔

Marfat.com

اسلامی اسٹیٹ اور بنوامیہ

بنوامیہ کے وہ افراد جو حلقہ بگوش اسلام ہوئے نبی اکرم ﷺ انہیں اپنی خاص نوزاشات سے نوازتے رہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی چار میں سے تین صاحبزادیاں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن بنوامیہ کے افراد کے نکاح میں دیں اور صرف ایک صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاندان بنوہاشم میں دی۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۴۶۷)

دوسری طرف بنوامیہ کے رئیس بلکہ سپہ سالار ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے خود نکاح کر کے بنوامیہ سے اپنی نہایت قریبی رشتہ داری کے تعلقات قائم کیے۔

(زرقانی: ۳/۲۴۲، الاصابہ: ۴/۲۹۵، صفوۃ الصفوۃ: ۲/۲۲)

اسلامی اسٹیٹ کے نظام میں بھی بنوامیہ کو خاص اہمیت دی اور مختلف صوبوں کے گورنر بنوامیہ سے مقرر فرمائے اور اسٹیٹ کی انتظامی مشینری ان کے ہاتھ میں دی۔ اس کے برعکس نبی اکرم نے اپنی حین حیات میں کسی ہاشمی کو نہ تو مستقل طور پر کسی صوبے کی حکومت عطا فرمائی اور نہ ہی کسی بڑی فوج کا خود مختار سپہ سالار بنایا۔ اپنی اس دنیوی زندگی کے آخری ایام میں آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چند روز کے لیے یمن کا کلکٹر مقرر فرمایا لیکن اقتدار اعلیٰ اور افسری سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔ (حلیۃ الاولیاء: ۱/۲۵۴، زرقانی: ۳/۹۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنوامیہ کا مدینہ کی اسلامی اسٹیٹ میں ایک ممتاز مقام تھا بلکہ جو مقام اس اسٹیٹ میں بنوامیہ کا تھا شاید ہی وہ کسی اور خاندان کا ہو۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب سیرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)

قبول اسلام

نبی اکرم ﷺ کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے شخص سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۲۶، طبری: ۲/۵۵، تاریخ الخلفاء، ص ۳۴)

خود دعوت اسلام پر لبیک کہنے کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اب اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ آپ نے اپنے ہر ملنے والے کو دین کی دعوت دی۔ بعثت نبوی کے وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی

Marfat.com

عمر ۳۴ سال تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ عہد جاہلیت ہی سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔ آپ نے ان کو بھی دین کی دعوت دی۔ اسی اثنا میں خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر ارشاد فرمایا:

''عثمان! خدا کی جنت کو قبول کر۔ میں تمہاری اور تمام مخلوق کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سادہ اور پُر اثر جملے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر گئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

(الاصابہ: ۳۲۱/۴)

قبول اسلام کے لحاظ سے آپ کا نمبر چوتھا ہے۔

دامادیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام قبول کرنے کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو وہ شرف و فضیلت حاصل ہوئی جو ان کی کتاب زندگی کا ایک درخشاں باب ہے۔ وہ شرف دامادیٔ رسول کا تھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی منجھلی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ پھر ان کی وفات کے بعد آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم آپ کے حبالۂ عقد میں دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیوں کا آپ کے حبالۂ عقد میں آنا، یہ وہ شرف تھا جو پوری انسانی تاریخ میں کسی شخص کو حاصل نہیں ہوا۔ گویا کہ خلقت آدم سے لے کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں جمع نہیں ہوئیں۔ اس لیے انہیں ''ذوالنورین'' بھی کہتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء: ص ۱۴۹)

حبشہ کی پہلی ہجرت

دعوت اسلام پر لبیک کہنے والوں کو کفار مکہ نے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ ان ستم زدہ مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ رجب سنہ ۵ نبوی کو حبشہ کی جانب چند حضرات روانہ ہوئے، ان میں گیارہ مرد اور پانچ عورتیں تھیں۔ یہ حضرات جدہ کی بندرگاہ سے بذریعہ کشتی حبشہ روانہ ہوئے۔

(عیون الاثر لابن سید الناس: ۱۱۵/۱، فتح الباری: ۱۴۳/۷)

Marfat.com

مہاجرین کے اس قافلہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھیں۔ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا لوط علیہ السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ ہجرت کی۔'' (الاصابہ:۲۹۸/۴)

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ نے کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہ صرف ''اول المہاجرین'' تھے بلکہ ''امام المہاجرین'' بھی تھے کیونکہ تمام مہاجرین نے آپ کی متابعت میں ہجرت کی۔

(استیعاب:۷۰/۳)

حبشہ کی دوسری ہجرت

مہاجرین حبشہ رجب سے شوال تک حبشہ میں مقیم رہے۔ شوال میں بعض لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ تمام اہل مکہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی۔ اس خوشی میں وہ حبشہ سے واپس مکہ آ گئے لیکن مکہ کے قریب پہنچ کر انہیں پتہ چلا کہ یہ خبر غلط تھی۔ چنانچہ چھپ چھپا کر یہ لوگ کسی کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے۔ لیکن مشرکین نے اب انہیں پہلے سے بھی زیادہ اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ کچھ لوگ تو جلد ہی دوبارہ حبشہ واپس چلے گئے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دو اڑھائی سال مکہ میں رہ کر دوبارہ اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ ہجرت فرما گئے۔ اور وہاں کئی سال تک غریب الوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ حبشہ سے مدینہ ہجرت فرمائی۔ اس لحاظ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ آپ نے اپنی اہلیہ کے ساتھ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شرکت فرمائی۔ (بخاری:۵۲۲/۱)

قیام مدینہ اور بئر رومہ کا وقف

قیام مدینہ کے دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر و انصار کے درمیان جو رشتۂ مواخات قائم کیا اس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا رابطہ اخوت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی اوس بن

Marfat.com

ثابت رضی اللہ عنہ سے قائم ہوا۔ (طبقات ابن سعد: ۴۸/۳) اس رشتۂ اخوت سے دونوں خاندانوں میں اس قدر محبت و یگانگت پیدا ہوگئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ساری عمر سوگوار اور غم زدہ رہے اور ان کا ایک نہایت پُر درد مرثیہ بھی لکھا۔

مدینہ کے قیام کے دوران آپ نے تجارت کرنا شروع کر دی اور مال و دولت آپ کے قدم چومنے لگی۔ آپ نے اپنے اس مال سے بئر رومہ (رومہ کا کنواں) جو کہ میٹھے پانی کا کنواں تھا اور ایک یہودی کی ملکیت تھا، بارہ ہزار درہم میں اس کا نصف حق خرید کر مسلمانوں کے نام وقف کر دیا۔ بعد میں نصف حصہ آپ نے یہودی سے خرید لیا اور سارا کنواں عام مسلمانوں کے نام کر دیا۔

(انساب الاشراف: ۵۳۶/۱، استیعاب: ۴۷۵/۲، کتاب المعارف: ص ۸۳، معجم البلدان: ۴/۲، السنن الکبری بیہقی: ۱۶۸/۶، بخاری: ۳۸۹/۱، ۵۲۳)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ صدقہ جاریہ آج تک مدینہ منورہ میں جاری ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور غزوات نبوی

ایمان لانے اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمانے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سوائے جنگ بدر کے باقی تقریباً تمام غزوات میں شرکت فرمائی جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

غزوہ بدر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

غزوہ بدر میں جو اسلام کا سب سے پہلا غزوہ ہے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں شرکت فرمانے کا ارادہ کیا لیکن ان دنوں ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت بیمار تھیں، لہٰذا ان کی تیمارداری کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ میں چھوڑ دیا، لیکن فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق انہیں اس غزوہ میں شرکت کا ثواب واجر اور مال غنیمت میں بھی حصہ ملا۔

غزوہ احد اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

سنہ ۳ھ میں جنگ بدر کی شکست کا انتقام لینے کے لیے قریش مکہ نے نہایت زور و شور سے تیاریاں کیں اور ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ مدینہ پر حملہ کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ سے نکل کر میدان احد میں آ گئے تا کہ غنیم کا مقابلہ کیا جا سکے۔ آپ نے جبل احد کو پشت پر رکھ کر

Marfat.com

صفوں کو مرتب کیا اور پچاس تیراندازوں کا دستہ سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت احد پہاڑ پر بٹھا دیا۔ دونوں فوجوں میں خوب زور کا رن پڑا۔ بالآخر مسلمان کامیاب و کامران ہو گئے اور غنیم بھاگ گئے۔ بھاگتے ہوئے دشمن نے خالد بن ولید کی زیر قیادت درہ کو خالی دیکھ پر پشت پر سے مسلمانوں پر ناگہانی حملہ کر دیا۔ اس حملہ سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے ثبات میں ذرہ برابر بھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔ (زرقانی: ۲/۴۴)

اس معرکہ میں پہاڑ پر متعین پچاس آدمیوں کے انتشار سے یہ سارا نقصان ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہو گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد جو قریباً ستر تھی، شہید ہو گئی جن میں سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی پریشان کن خبر سن کر کبیدہ خاطر ہو گئے تھے اور اسی پریشانی میں کچھ دیر کے لیے میدان جنگ سے ہٹ کر بیٹھ گئے تھے، ان کو معاف فرما دیا۔

غزوہ احد کے اگلے سال جمادی الاولیٰ سنہ ۴ھ میں غزوہ ذات الرقاع پیش آیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرما دیا۔

(طبقات ابن سعد: ۳/۳۹)

معاہدہ حدیبیہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

ذی قعدہ سنہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا، لہٰذا آپ چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (ایک روایت کے مطابق پندرہ سو) کے ساتھ مدینہ طیبہ سے عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ قریش مکہ کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا علم ہوا تو وہ مقابلہ کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ چنانچہ آپ مقام حدیبیہ پر قیام پذیر ہو گئے۔ حدیبیہ سے آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر قریش مکہ کے پاس بات چیت کے لیے بھیجا تا کہ وہ انہیں یقین دلائیں کہ ہم صرف عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں، کسی جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے۔ قریش مکہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر سخت نگرانی قائم کر دی کہ وہ واپس نہ جانے پائیں۔ اس دوران لشکر اسلام میں اچانک یہ مشہور ہو گیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں شہید کر دیے گئے ہیں۔ اس تشویش ناک خبر کو سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک میں قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام نہ لے لوں گا یہاں سے واپس نہ

Marfat.com

جاؤں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وہیں ایک کیکر کے درخت کے نیچے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی۔ جب چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم بیعت کر چکے تو آخر میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا: ''یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس قابل فخر بات کا یوں اظہار فرمایا کرتے تھے کہ ''میری جانب سے رسول اللہ ﷺ کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔'' (زرقانی:۲/۲۰۸)

اس بیعت کی ایک برکت یہ ہوئی کہ چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سرٹیفکیٹ مل گیا۔ اور یہ بیعت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کتاب المناقب کا ایک درخشاں باب ہے۔

غزوہ تبوک اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

غزوہ تبوک رسول اللہ ﷺ کے غزوات میں سب سے آخری غزوہ ہے۔ یہ سنہ ۹ھ رجب کے مہینے میں پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ کو زیتون کا تیل بیچنے والے تاجروں کی زبانی معلوم ہوا کہ ہرقل نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا ہے اور اس کا ہراول دستہ بلقاء تک پہنچ گیا ہے۔

(طبقات ابن سعد:۲/۱۱۹)

آپ ﷺ کو جب قیصر روم کی ان کارروائیوں کا علم ہوا تو آپ نے بھی مجاہدین اسلام کو تیاری کا حکم دیا۔ اس وقت اہل اسلام پر سخت بے سروسامانی کا عالم تھا۔ موسم سخت گرم، قحط، گرانی، سفر بہت لمبا اور دشمن دنیا کا سپر پاور۔ چنانچہ آپ ﷺ نے چندہ کی اپیل کی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا سارا اثاثہ بارگاہ رسالت میں لے کر حاضر ہوئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال دربار نبوت میں پیش کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی فوج کے جملہ اخراجات تنہا برداشت کرنے کا ذمہ لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے نو سو اونٹ، ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد دیے۔ ایک ہزار دینار جب آپ ﷺ کی جھولی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ڈالے تو راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ آپ ان دیناروں کو اپنے ہاتھوں میں اچھالتے اور خوشی وانبساط سے فرماتے: ''آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی کام نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔'' پھر فرمایا: ''اے اللہ! میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گیا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

(فتح الباری:۷/۴۴، مستدرک حاکم:۳/۱۰۲، زرقانی:۳/۱۶۴)

Marfat.com

عہد صدیقی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ فگن ہوئے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر اور نمائندہ بنا کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور متروکات نبوی میں سے اپنے حصہ کا مطالبہ کیا۔ (بخاری: ۵۷۶/۲) لیکن سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں حدیث سنائی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''ہمارے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی، ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

(بخاری: ۵۷۶/۲، ۹۹۶، فتوح البلدان: ص ۳۷)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کے ہر کام میں معاونت فرماتے اور مشورہ بھی دیتے۔ چنانچہ آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانشینی کے بارے میں بھی مشورہ فرمایا اور وصیت نامہ بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی سے لکھوایا۔

(الامامۃ والسیاسۃ: ۱۹/۱، عثمان بن عفان للعقاد: ص ۱۵۰)

عہد فاروقی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک امتیازی حیثیت تھی۔ آپ ان کی مجلس شوریٰ کے ایک اہم رکن تھے اور ہر موقع پر نہایت اہم مشورے دیا کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فتویٰ دینے کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ ان میں ایک سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔

کاروبار خلافت میں سیدنا عثمان، سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے ہر قسم کا تعاون فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ ایک مقام پر لے گئے جہاں صدقات وزکوٰۃ کے اونٹ باندھے جاتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کڑاکے کی دھوپ میں کھڑے ہو کر ان اونٹوں کے رنگ، دانت اور حلیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھواتے۔ راوی کا بیان ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سایہ میں بیٹھ کر لکھ رہے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے سر پر کھڑے ہو کر لکھوا رہے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کڑاکے کی دھوپ میں کھڑے تھے۔ یہ دیکھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے

Marfat.com

کہا: ”کیا آپ نے سیدنا شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کا قول قرآن حکیم میں پڑھا ہے:

﴿یا ابت استاجره ان خير من استاجرت القوى الامين﴾

”اے ابا جان! آپ انہیں ملازم رکھ لیجیے کیونکہ بہتر شخص جس کو آپ ملازم رکھنا چاہیں وہ قوی بھی ہو اور امانت دار بھی۔“

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

هذا القوى الامين۔ یہ قوی بھی ہے اور امانت دار بھی۔ (طبری: ۲۷۱/۳)

Marfat.com

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک خلیفہ کی حیثیت سے

قریباً دس سال سے زائد عرصہ حکومت کرنے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک شقی ایرانی ابولولو مجوسی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ خالق حقیقی کے ہاں جانے سے قبل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چھ حضرات کا ایک پینل مقرر فرمایا اور تاکید فرمائی کہ وہ چھ آپس میں بیٹھ کر ایک خلیفہ منتخب کر لیں۔ اور جب وہ آپس میں سے ایک شخص کو خلیفہ منتخب کر لیں تو پھر اس کی اعانت کریں۔

(طبری: ۲۹۲/۳، عثمان بن عفان، عقاد: ص ۱۵۱)

وہ چھ حضرات یہ تھے: ① سیدنا عثمان بن عفان ② سیدنا علی بن ابی طالب ③ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف ④ سیدنا زبیر بن عوام ⑤ سیدنا سعد بن ابی وقاص اور ⑥ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم۔

دو روز تک بحث و تمحیص کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب سیرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ میں دی ہے۔ جونہی آپ کو منتخب کیا گیا، سب سے پہلے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت کی۔ (وبایعہ علی بن ابی طالب اولاً)۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۴۷/۷، التمہید والبیان: ص ۱۱)

اس کے بعد باری باری سب نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔

(بخاری: ۵۲۴/۱)

فتوحات

فتوحات کے لحاظ سے عہد عثمانی تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی سلطنت ۳۱ لاکھ مربع میل کی پہنائیوں

Marfat.com

تک پہنچ چکی تھی، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی وسعتوں میں اس قدر اضافہ کیا کہ دنیا کے مؤرخین اس پر انگشت بدنداں ہیں۔ آپ اپنے عہد خلافت میں تین براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے مختلف محاذوں پر نبرد آزما ہوئے اور ہر محاذ پر اپنی قابلیت اور اپنی افواج کی بھرپور صلاحیتوں کا دنیا سے لوہا منوایا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس جانشین نے ممالک مفتوحہ سے مختلف بغاوتوں اور شورشوں کو فرو کیا اور اپنے حسن تدبیر، حسن عمل اور اخلاص وللّٰہیت سے وہاں کی رعایا کو ایسا مطیع کیا کہ انہیں پھر سر اٹھانے کا موقع نہ ملا۔

ایران کی فتح کا آغاز سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے عہد ہائے خلافت میں ہوا، اور قادسیہ، بہرشیر اور مدائن وغیرہ کی جنگوں نے دشمن کی کمر توڑ کر رکھ دی، لیکن سانپ ابھی پوری طرح مرا نہیں تھا۔ شاہ ایران یزدگرد مختلف ممالک اور شہروں میں اعوان وانصار تلاش کرنے کے لیے مارا مارا پھر رہا تھا اور خطرہ تھا کہ راکھ کا یہ ڈھیر کہیں شعلہ جوالہ نہ بن جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سلگتی ہوئی چنگاری کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔

عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں مسلمانوں نے صرف زمینی جنگیں لڑی تھیں۔ انہیں آج تک بحری جنگ کا کوئی تجربہ نہ تھا، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خطرات سے بے پروا ہو کر ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا اور اس کے ذریعہ قبرص اور دوسرے کئی ایک جزیروں کو فتح کیا۔ آپ نے اپنے عہد خلافت میں جو فتوحات کیں ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

① ان علاقوں کی فتوحات جو اگرچہ عہد فاروقی میں مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو چکے تھے، لیکن پھر باغی ہو گئے۔

② وہ علاقے جو پہلے اہل کفر کے پاس تھے اور اسلامی فوجوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں انہیں از سر نو فتح کیا۔

آپ کے عہد خلافت میں کئی علاقے فتح ہوئے جن میں آذربائیجان، رے، اسکندریہ، افریقہ کے کئی شہر اندلس، قبرص، فارس وغیرہ مسلمانوں کے زیر نگیں ہوئے۔ پھر ایک موقع پر قیصر روم کے بحری بیڑے کو شکست فاش دی اور کسریٰ شاہ ایران کی ہلاکت بھی آپ ہی کے عہد خلافت میں ہوئی۔

Marfat.com

فتنہ کی لہریں

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قریباً ۱۲ سال خلافت راشدہ کو اس کامیابی سے چلایا جس کامیابی سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چلایا تھا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی تعاون سے زندگی کے ہر شعبہ میں معتدبہ ترقی ہوئی۔ سلطنت کی پہنائیوں میں بہت اضافہ ہوا۔ بحریہ کے وجود میں آنے سے سمندر پار کے علاقے بھی مسلمانوں کی دسترس میں آگئے اور افریقہ، یورپ اور برصغیر پاک و ہند کی سرحدوں پر مسلمانوں کے گھوڑوے ہنہنانے لگے۔ مصر کا سارا علاقہ اسلامی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، تجارت اور زراعت کی ترقی اور حکومت کے عہدہ نظم و نسق نے ملک میں فارغ البالی، تمول اور عیش و تنعم کو عام کر دیا یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایام رسالت کی سادگی کو یاد کر کے اور اس زمانے کے سامان تعیش و ثروت اور تمول کو دیکھ کر حد درجہ غمگین ہوتے تھے جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ انہوں نے زمانے کے انقلاب کا ساتھ نہیں دیا تھا اور ان کی جیسی حالت عہد رسالت میں تھی ویسی ہی آخر عمر تک رہی۔ چنانچہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا، لیکن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ بالکل نہیں بدلے۔'' (مستدرک حاکم: ۵۶۱/۳)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری چھ سال میں ایک خاص گروہ نے جس کی قیادت عبداللہ بن سبا مسلم نما یہودی کر رہا تھا، آپ کے خلاف شورش برپا کی۔ اس شورش میں سادہ دل اور مخلص لوگ بھی ملوث ہو گئے، لیکن ایک خاص فتنہ پرداز گروہ بھی اس میں جان بوجھ کر شامل ہو گیا تھا۔ ان لوگوں کا مقصد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں بلکہ اسلام کے خلاف فتنہ برپا کرنا تھا۔

اس فتنہ کے اسباب ہم نے اپنی کتاب سیرۃ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ میں ذکر کیے ہیں۔ البتہ اس تحریک اور فتنہ کا سب سے بڑا مرکز مصر تھا کیونکہ عبداللہ بن سبا وہاں اکثر جایا کرتا تھا جیسا کہ مشہور شیعی مورخ صاحب روضۃ الصفا نے تفصیل سے لکھا ہے۔ (روضۃ الصفا: ۲۹۲/۲)

مصر کے علاوہ عبداللہ بن سبا بصرہ اور کوفہ بھی گیا تاکہ مملکت اسلامیہ میں مسلمانوں کے خلاف ایک منظم تحریک چلائی جا سکے۔ مصر، بصرہ اور کوفہ میں اس کو اپنے کئی ہم نوا مل گئے جن کو ساتھ ملا کر اس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی آڑ میں اسلام کے خلاف ایک منظم تحریک چلائی جو بالآخر شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر منتج ہوئی۔

Marfat.com

گورنروں کی مجلس مشاورت

مملکت اسلامیہ میں سبائیوں نے جو طوفان بدتمیزی اٹھا رکھا تھا اور اس ملک کے مختلف صوبوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنروں کے خلاف فتنہ و فساد کی جو آگ بھڑکا رہے تھے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان تمام باتوں سے بے خبر نہ تھے۔ آپ نے اس شورش کو رفع کرنے اور شکایتوں کے ازالہ کے لیے دارالخلافہ میں مملکت کے تمام گورنروں کی ایک مجلس شوریٰ منعقد کی تاکہ اس معاملہ کے بارے میں غور و فکر کیا جا سکے۔ گورنروں کی یہ مجلس مشاورت دو تین روز جاری رہی۔ مختلف گورنروں نے مختلف رائیں دیں لیکن اجتماعی سوچ بچار کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور مجلس مشاورت برخاست کر دی گئی۔ (طبری:۳/۳۸۰، ابن اثیر:۳/۷۵)

اس سلسلہ میں ایک تحقیقاتی کمیشن بھی مقرر کیا گیا۔ چنانچہ اس تحقیقاتی کمیشن کے اراکین کو مختلف شہروں میں تحقیق حال کے لیے بھیجا گیا۔ انہوں نے پوری چھان بین کے بعد جو رپورٹ بارگاہِ خلافت میں پیش کی اس میں صاف لکھا تھا:

''ہم نے ان مقامات کے سربرآوردہ لوگوں اور عوام سے کوئی قابل اعتراض بات ان گورنروں میں نہیں پائی۔'' (طبری:۳/۳۷۸، ابن اثیر:۳/۷۸)

گشتی مراسلہ

اگرچہ تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ نے یہ ثابت کر دیا کہ عثمانی گورنروں پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں وہ بالکل غلط ہیں اور ان کے پیچھے ایک سازش کارفرما ہے لیکن پھر بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوری مملکت اسلامیہ میں ایک گشتی مراسلہ بھیجا جس میں کہا گیا کہ میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے گورنروں کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا اور جس گورنر کے خلاف جو شکایت پیش کی جائے گی اس کی تحقیق کر کے اس کا پورا پورا تدارک کیا جائے گا۔ لہٰذا اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی ہوتی ہے تو وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے گورنروں سے اپنا حق مانگ لے یا پھر معاف کر دے۔ (طبری:۳/۳۷۹، ابن اثیر:۳/۷۸)

ہر گورنر کو حج کے موقع پر مکہ مکرمہ آنے کے لیے کہا گیا، چنانچہ آئندہ سال تمام گورنر حج

Marfat.com

کے موقع پر آئے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انہیں پوچھا کہ یہ افواہیں کیسی سننے میں آ رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ ان شکایتوں کی تحقیقات کمیشن کے ذریعہ کروا چکے ہیں۔ ان میں حقیقت کا کوئی شائبہ نہیں۔ یہ سب ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے۔

مدینہ پر یورش

فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد تمام گورنر اپنے اپنے صوبوں کو واپس چلے گئے۔ اب مصر، کوفہ اور بصرہ کے سبائیوں نے مدینہ پہنچ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے کا پروگرام مرتب کیا۔ چنانچہ ربیع الاول سنہ ۳۵ھ میں کوفی، بصری اور مصری سبائیوں کا جتھہ مدینہ پہنچا، اور مدینہ کے قریب ایک گاؤں جحفہ میں آ کر مقیم ہو گئے۔ مدینہ طیبہ سے دو حضرات امیر المؤمنین کے حکم پر ان لوگوں کے پاس گئے اور ان کے آنے کی غرض و غایت معلوم کی۔ انہوں نے کھلے لفظوں میں اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ بعد میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا لیکن انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کوئی بات نہ سنی۔ مفسدین کو اس بات کا پتہ چلا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امیر المومنین کے ساتھ ہیں اور وہ ہمارے قتل کے مشورے کر رہے ہیں، لہٰذا انہوں نے واپس جانے ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔ چنانچہ وہ اپنے اپنے شہروں کو واپس چلے گئے۔ عبداللہ بن سباء کو ان کے ناکام واپس آنے سے بڑی کوفت ہوئی۔ لہٰذا اب دوسرا پلان تیار کیا گیا۔ منصوبہ یہ تھا ۱۲ رشوال سنہ ۳۵ھ کو ہر صوبے کے شورش پسند نواح مدینہ میں اکٹھے ہوں اور مدینہ میں داخل ہو کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ کریں اور جب تک امیر المومنین معزول نہ ہوں اس وقت تک واپس نہ جائیں۔

پلان کے مطابق تینوں گروہ (کوفی، مصری اور بصری) اکٹھے ہو کر آئے اور مدینہ سے تین منزل پر آ کر رک گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تیس مہاجرین و انصار کے ساتھ افہام و تفہیم کی غرض سے ان کے پاس گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان باغیوں کو بہت سمجھایا لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا، اور ان حضرات کے واپس مدینہ آنے کے بعد وہ بھی مدینہ میں آ گئے۔ مدینہ میں ان کے داخل ہونے سے مدینہ کے باشندے سخت پریشان ہوئے، لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک اچھی خاصی تعداد قصر خلافت کی حفاظت کے لیے آنا شروع ہو گئی۔ سبائیوں نے مدینہ کے

Marfat.com

حالات کو اپنے مقصد کی بجا آوری کے خلاف پاتے ہوئے صرف اسی بات پر اکتفا کیا کہ گورنر مصر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے کسی اور کو گورنر مقرر فرما دیں۔ ان کا یہ مطالبہ مان لیا گیا اور یہ اپنے اپنے شہروں کو چلے گئے، اور وقتی طور پر یہ فتنہ فرو ہو گیا۔ اہل مدینہ مطمئن ہو گئے کہ وہ لوگ اپنے اپنے شہروں میں چلے گئے ہیں، لیکن یہ بھی دراصل ایک سازش تھی۔ ان کا پلان یہ تھا کہ ہم کچھ روز غائب رہیں گے تو قصر خلافت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ سیکورٹی گارڈ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے اور پھر اچانک مدینہ میں داخل ہو کر اور حالات کو تہہ و بالا کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔

چنانچہ یہی ہوا کہ ایک روز یکایک اہل مدینہ نے گلی کوچوں میں گھوڑوں کی ٹاپوں اور تکبیر کے نعروں کا شور سنا۔ دیکھا کہ باغیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد مدینہ کے گلی کوچوں میں دوڑ رہی ہے۔ ان میں اکثر تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف چلے گئے اور ایک گروہ نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا اور اعلان کر دیا کہ جو اپنے ہاتھ کو روک لے گا اس کو امان دی جائے گی۔

اہل مدینہ باغیوں کی اس اچانک یورش اور مدینہ میں ان کے اس ناگہانی داخلہ سے خوف زدہ ہو گئے۔ انہوں نے واپس آنے کا ایک عجیب بہانہ بنایا کہ انہیں ایک قاصد سے ایک خط ملا ہے جس پر امیر المؤمنین کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کو یا تو سولی پر لٹکا دیا جائے یا پھر انہیں قتل کر دیا جائے۔ یہ خط ایک جعلی خط تھا جس کو کسی نے بھی درست نہ مانا، اب باغیوں کا یہی اصرار تھا کہ امیر المؤمنین فوری طور پر خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کسی صورت بھی خلافت سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ چنانچہ باغیوں نے قصر خلافت کی پچھلی دیوار پھاند کر امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا جب کہ صدر دروازہ پر صحابہ زادوں کی سیکورٹی گارڈ تھی۔ قصر خلافت کے اس ہنگامہ میں سیدہ نائلہ کی تین انگلیاں کٹ گئیں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دو غلام بھی شہید ہو گئے۔

۲۸/ ذی الحجہ سنہ ۳۵ھ کو آپ کی شہادت ہوئی۔ جمعہ کا روز تھا اور نماز عصر کا وقت شہادت کے بعد باغیوں نے مارشل لاء کی سی کیفیت طاری کر دی تھی اور ہر طرف خوف و ہراس کا عالم طاری تھا۔ چنانچہ تجہیز و تکفین کے بعد ہفتہ کے روز مغرب اور عشاء کے درمیان جنت البقیع کے مشرق میں "حش کوکب" میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ نماز جنازہ ایک روایت کے مطابق سیدنا زبیر

Marfat.com

بن عوام رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۹۱، ابن خلدون: ۲/۱۰۵۳، التمہید والبیان: ص ۱۴۲)

وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۳ سال تھی۔ نماز جنازہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہی نہیں پڑھی بلکہ ملائکہ نے بھی آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''سیرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ'')

عثمانی دور خلافت

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اس وقت تک ایک اسلامی حکومت کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ انہی بنیادوں پر آپ نے اس عمارت کی تعمیر کی تھی۔ فتوحات کے سلسلہ کو بھی آپ نے اسی طرح چلایا جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کا آغاز کر چکے تھے۔ اس وقت کی دو سپر پاورز کو آپ نے سکیڑنا (Squeez) کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کے پایہ تخت بھی ان کے ہاتھوں سے نکل گئے اور کسریٰ اور قیصر دونوں ذلیل وخوار ہو کر مرے۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ مفتوحہ ممالک میں اسلامی حکومت کی بنیادیں مستحکم کیں اور مفتوحہ اقوام کو اپنے حسن تدبیر اور حسن عمل سے اخلاقی اقدار کے قریب کر دیا کہ یا تو وہ مسلمان ہو گئیں یا پھر ان کی خودسری اور سرتابی کے جراثیم بالکل ختم ہو کر رہ گئے۔ باغی ممالک کی بغاوت کو نہایت ہوشیاری اور تدبر سے ختم کیا گیا اور آہستہ آہستہ تشدد و تلطف کی مجموعی حکمت عملی سے مفتوحہ ممالک کی عام رعایا کو اطاعت وانقیاد پر مجبور کر دیا۔

عمال سے احتساب

خلافت فاروقی میں نظم حکومت شوریٰ پر مبنی تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کے اسی نظم کو آگے بڑھایا۔ اسلام نے شوریٰ کے ساتھ ساتھ خلیفہ کو پورے اختیارات بھی دیے ہیں۔ انہی اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے آپ اپنے گورنروں اور سلطنت کے دوسرے عمائدین اور کارکنان کی کڑی نگرانی کرتے اور احتساب کے اس معاملہ میں کسی کی بزرگی اور منصب کا کوئی لحاظ نہ کرتے۔

۱۔ گورنروں کا محاسبہ کرنے کے لیے آپ نے پورے ملک میں ایک فرمان جاری فرمایا:

''تمام گورنر ہر سال حج کے موقع پر آیا کریں اور جن لوگوں کو ان کے خلاف کوئی شکایت ہو وہ بھی آئیں۔'' (طبری: ۳/۳۴۷، ۳۸۰)

Marfat.com

اصلاحات

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ اسلامی تاریخ کا ایک سنہری زمانہ ہے کیونکہ اس زمانے میں کثرت فتوحات کی وجہ سے اسلامی مملکت کی پہنائیوں میں اس قدر اضافہ ہوا جو اس سے قبل کی دونوں خلافتوں میں نہیں ہوا تھا، اور اسلام افریقہ اور یورپ کے براعظموں تک پہنچ گیا۔ آپ کے بارہ سالہ دور خلافت میں مسلمانوں کی سطوت ایک طرف بلادنوبہ تک اور دوسری طرف ہندوستان کی حدود تک پھیل گئی، یہاں تک کہ ان کا دمامہ دولت ہرات تک بجنے لگا۔ فتوحات کی اس کثرت سے مدینہ میں سیم وزر کا سیلاب آ گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دل کھول کر وہ مال وزر تقسیم کیا، لہٰذا پوری سلطنت اسلامیہ میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جسے مال و دولت کی خواہش ہو۔ مال و دولت کی فراوانی اس قدر ہوئی کہ مدینہ رسول میں ایک گھوڑا ایک لاکھ درہم میں فروخت ہونے لگا۔

مال کی بہتات اور فراوانی کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رفاہ عامہ کے بہت کام کیے جن کی وجہ سے مدینہ کی ریاست ایک مثالی فلاحی مملکت بن گئی، اور اسلام کا وہ نظام مملکت جو کتاب وسنت میں بتایا گیا ہے، عملی طور پر لوگوں کے سامنے آگیا۔ آپ نے لوگوں کے روزینوں میں اضافہ کیا، مسجد نبوی میں عبادت گزاروں، اعتکاف کرنے والوں، مسافروں اور مساکین وغیرہ کے لیے عام دسترخوان بھی بچھا دیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۴۷/۷) ملک کے مختلف علاقوں میں کنویں اور پانی کے چشمے بنوائے جس سے زراعت میں بھی اضافہ ہوا۔ مدینہ منورہ اور دوسرے کئی ایک مقامات کو سیلاب سے روکنے کے لیے آپ نے بند بھی بنوائے۔

مسافروں کے آرام و آسائش کے لیے مدینہ کی طرف آنے والے راستوں پر مختلف قسم کی سرائیں اور چوکیاں بنوائیں جہاں لوگ رات کو آرام کرتے اور کھانے پینے اور آرام و آسائش کی ہر شے انہیں وہاں میسر آتی۔ چنانچہ بصرہ کے گورنر نے امیر المؤمنین کے حکم سے وہاں دو مہمان خانے تعمیر کروائے جن میں سے ایک کا نام ''قصر عثمان'' اور دوسرے کا نام ''قصر رملہ'' تھا۔

(معجم البلدان: ۹۸/۷)

آپ نے اپنے عہد خلافت میں جنت البقیع، مسجد الحرام اور مسجد نبوی کی توسیع کروائی۔ مسجد نبوی کی تعمیر دس ماہ میں مکمل ہوئی۔ آپ نے اس کام کی نگرانی خود فرمائی اور کئی کئی گھنٹے وہاں

Marfat.com

کھڑے رہ کر کام کو دیکھتے بلکہ بعض اوقات مسجد ہی میں سو جاتے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قضاء اور افتاء کے محکموں کو بھی کافی ترقی دی جس سے لوگوں کو حصول انصاف میں بہت آسانی ہوگئی۔ آپ کے عہد خلافت میں چیف جسٹس سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے اور شام کی صوبائی عدالت کے جج سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ صحابی رسول تھے۔

(طبری: ۳/۴۴۶)

فوجی اصلاحات

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اندرون ملک ہی رفاہی اور فلاحی امور کی طرف توجہ دی بلکہ مملکت اسلامیہ کے استحکام کے لیے ایک بہترین عسکری نظام قائم فرما کر ملکی دفاع کو اتنا مضبوط اور مستحکم بنا دیا کہ پھر دشمن کو کبھی بھی مملکت اسلامیہ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے فوجی مراکز قائم کیے۔ طرابلس، قبرص، طبرستان، آرمینیہ اور دوسرے کئی شہروں میں جو آپ کے عہد خلافت میں فتح ہوئے تھے، فوجی چھاؤنیاں قائم کیں تاکہ کوئی شخص کسی کے اکسانے پر علم بغاوت بلند نہ کر سکے۔ دولت کی ریل پیل تھی لہٰذا آپ نے جہاں عوام الناس کو مالا مال کیا وہاں فوجیوں کو بھی اس دولت سے ایک خاص حصہ دیا۔

اس زمانہ میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھوڑوں اور اونٹوں کا ہونا نہایت ضروری تھا۔ ان کی پرورش کے لیے چراگاہوں کی ضرورت تھی، لہٰذا آپ نے فوجی گھوڑوں کے لیے چراگاہیں بنائیں۔ سب سے بڑی چراگاہ ربذہ میں تھی جس کی لمبائی دس میل اور چوڑائی بھی دس میل تھی۔ ایک اور چراگاہ مقام ضربہ میں تھی۔ جو ۳۶ مربع میل میں پھیلی ہوئی تھی۔ اسی طرح ایک اور چراگاہ مقام نقیع میں تھی۔ ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ اور گھوڑے پرورش پاتے تھے۔

بحری بیڑا

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ بحریہ اور بحری بیڑے کا قیام ہے جو انہوں نے گورنر دمشق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحریک پر قائم کیا تھا۔ آپ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن قیس الحارثی کو اس کا امیر البحر مقرر فرمایا جنہوں نے پچاس بحری لڑائیاں لڑیں۔ (طبری: ۳/۳۱۷)

Marfat.com

اسی بحری بیڑے کی وجہ سے جزیرہ قبرص، جزیرہ روداداور روڈس وغیرہ کو مسلمانوں نے فتح کیا۔ سنہ ۳۲ھ میں اسی بیڑے کی وجہ سے جزیرہ صقلیہ بھی مسلمانوں کے زیرنگین ہوگیا۔ صقلیہ کے حملہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تین سو جنگی جہازوں کا بیڑا استعمال کیا جس میں اس زمانے کا ہر قسم کا اسلحہ موجود تھا۔ (ہسٹری آف دی عزبز: ص ۱۶۷، ہٹی) اسی بحری بیڑے کی وجہ سے بازنطینی سلطنت کے بحری مراکز پر مکمل قبضہ ہوا اور وہ سلطنت ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔

دینی خدمات

جمہوری ممالک کی طرح اسلام میں خلیفہ کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے لیے روٹی، کپڑا اور مکان کا بندوبست کرے بلکہ اس کے اولین فرائض میں سے پہلا اور اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کی دینی تعلیم، دین اسلام کی اشاعت، زندگی کے ہر شعبہ میں اس پر عمل، صفائی، قلب، توجہ الی اللہ اور دینی فکر کی طرف پوری پوری توجہ دے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جہاں اسلام کو براعظم افریقہ اور براعظم یورپ تک پہنچا دیا، وہاں ان کے مخلص گورنروں، بہادر جرنیلوں، صاحب تقویٰ مبلغوں اور صاحب ہمت سپاہیوں نے اپنی شبانہ روز جدوجہد سے لاکھوں انسانوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا اور ان کی زندگیوں میں دین اسلام کو رچا دیا۔ چنانچہ جس روز آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے اس روز اس ربع مسکون کے نصف سے زائد ملکوں میں اسلام کی ہیبت وسطوت کا دمامہ بجتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا۔

جمع القرآن

قرآن حکیم کی تعلیم وتدریس کی طرف بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خصوصی توجہ فرمائی۔ چنانچہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما نے مؤذنوں، اماموں اور قرآن حکیم کے اساتذہ کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔ (سیرۃ العمرین: ص ۱۶۶) لیکن ان کے عہد خلافت کا جو سب سے بڑا کارنامہ ہے وہ ''جمع القرآن'' ہے۔ اسی وجہ سے تاریخ میں انہیں ''جامع القرآن'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب مملکت اسلامیہ کی پہنائیوں میں اضافہ ہوا تو

Marfat.com

جن لوگوں نے قرآن حکیم کی آیات کو اساتذہ سے جس طرز تلفظ اور قرأت سے سیکھا تھا، ان میں اور دوسرے مسلمانوں میں جن کو دوسری قرأت کی تعلیم دی گئی تھی، اختلاف پیدا ہونے لگا۔ اس وقت مختلف علاقوں کے مسلمانوں کے لیے قرآن سیکھنے کا ذریعہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو مدینہ طیبہ سے نکل کر ممالک اسلامیہ میں ہر طرف پھیل گئے تھے۔ لیکن اختلاف لہجہ اور اختلاف کتابت کی وجہ سے لوگوں میں قرآن حکیم کی قرأت کے بارے میں اختلافات ہونے لگے حتیٰ کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے۔ (تبیان، الجزائری)

اختلافات کی اس شدت کو بھانپ کر سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کوفہ سے مدینہ آئے اور سیدھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: ''امیر المومنین! اس امت کو سنبھالیے قبل اس کے کہ ان کے مابین یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ کے بارے میں اختلافات پڑ جائیں۔''

(بخاری: ۲/۷۴۶، البدایہ والنہایہ: ۷/۲۱۶)

کتابوں کی ورق گردانی سے اس بات کا پتہ بھی چلتا ہے کہ مختلف قبائل میں اختلاف صرف قرأت اور لغت کا اختلاف ہی نہ تھا بلکہ لب و لہجہ اور تلفظ کا اختلاف بھی تھا۔ ان حالات میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور آپ نے تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیا تاکہ مستقبل میں اختلاف کا کوئی خطرہ نہ رہے۔ اس سلسلہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ صدیقی نسخہ منگوایا اور اس کی نقلیں تیار کروائیں اور تمام شہروں میں اس کا ایک ایک نسخہ بھیج دیا۔ یہ کام دوبارہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سرکردگی اور نگرانی میں کرایا گیا اور ان کی مدد کے لیے گیارہ افراد مقرر کیے گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق اس کمیٹی نے قرآن حکیم کو قریش کے لہجہ میں تحریر کیا جو کہ پیغمبر اسلام کا لہجہ تھا۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ دوسرے تمام نسخے جو لوگوں نے بطور خود لکھے ہیں وہ ان کو حکومت کے حوالے کر دیں۔ چنانچہ ان کو جمع کر کے ضائع کر دیا گیا۔ اس طرح قرآن حکیم کو نوشت و کتابت کی حد تک ایک بنا دیا گیا۔

(بخاری: ۲/۷۴۶، الاتقان سیوطی: ۱/۱۰۲)

اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع القرآن میں کیا فرق ہے؟ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عہد نبوی کے مختلف صحیفوں کو ایک مصحف کی شکل میں یک جا کر دیا۔

(فتح الباری: ۹/۱۰)

Marfat.com

آپ نے اس سلسلہ میں اختلاف قرأت سے کوئی تعرض نہیں کیا، لیکن اس کے برعکس سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی مصحف ابی بکر کو بنیاد بنا کر قرأتیں مقرر کر دیں جو ''سبعہ قرأت'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ باقی قرأتوں کو غیر مستند قرار دے دیا اور قرآن کی کتابت قرأت قریش میں کروادی۔ (الاتقان: ۱/۱۰۳)

فضائل ومناقب

قریباً ساری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساری امت میں افضل ترین شخصیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے اور ان کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے ابا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت میں افضل ترین شخص کون تھا؟'' فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ۔'' پوچھا اس کے بعد کون؟ فرمایا: ''عمر رضی اللہ عنہ۔'' پھر مجھے اندیشہ ہوا کہ بعد میں آپ عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے، لہٰذا میں نے پوچھا: ''پھر آپ؟'' فرمایا: ''میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں۔'' (بخاری: ۱/۵۱۸، ابوداود: ۲/۲۸۸)

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب ان کو خلیفہ مقرر کیا تو انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا: ''اے علی! میں نے لوگوں کے امر میں کافی غور وخوض کیا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر اور کسی کو نہیں سمجھتے۔'' (بخاری: ۲/۱۰۶۹، طبری: ۳/۲۶۹)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ

''افضلیت خلفائے اربعہ ثابت است بترتیب خلافت بادلہ بسیار۔''

(ازالۃ الخفا: ۱/۶۶)

خلفائے اربعہ کی افضلیت خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے بھی دلیلوں سے ثابت ہے۔

''ذوالنورین'' ہونا آپ کی کتاب فضائل کا ایک بہترین باب ہے، اور آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کسی اور کو یہ فضیلت حاصل نہ ہوئی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں اور قریش کی عورتیں ان میاں بیوی کی محبت کے بارے میں یہ شعر پڑھا کرتی تھیں ؎

Marfat.com

احسن زوجاً راہ انسان
رقیۃ وزوجھا عثمان

یعنی رقیہ رضی اللہ عنہا اوران کے خاوند عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر جوڑا کسی انسان نے کبھی نہیں دیکھا۔
(البدایہ والنہایہ:۱۹۹/۷، تفسیر قرطبی:۲۴۲/۴)

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حسن سلوک کی تعریف فرمائی تھی جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے ساتھ کرتے تھے۔

(بخاری:۴۳۸/۱، ۵۲۸)

اسی وجہ سے آپ کا لقب ''ذوالنورین'' ہوا۔ (اصابہ:۴۵۵/۲)اور یہ لقب آپ کا نہ صرف زمین پر تھا بلکہ ملاءِ اعلیٰ میں بھی آپ اسی لقب سے پکارے جاتے تھے۔
(اسد الغابہ:۳۷۹/۳، فتح الباری:۴۳/۷)

مختصر یہ کہ آپ کے فضائل ومناقب کی فہرست نہایت طویل ہے۔

فضل وکمال

کتابِ وحی: اسلام کے ابتدائی سالوں میں گنتی کے چند لوگ تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تحریر وکتابت میں ایک خاص مہارت رکھتے تھے۔ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وحی کی کتابت پر مامور فرمایا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں اپنی کتابت سے قرآن حکیم کو جمع فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے محاصرین کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

ولقد جمعت القرآن علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الصواعق المحرقہ: ص۱۱۰)

کثرتِ تلاوت: کتابت قرآن کے ساتھ ساتھ آپ کو قرأت قرآن میں بھی خاص شغف حاصل تھا۔ آپ قرآن کے حافظ تو تھے ہی لیکن کثرت تلاوت کی وجہ سے اپنے خطبات اور خط وکتابت میں اکثر قرآن حکیم کی آیات کا حوالہ دیتے۔ ایک مرتبہ فرمایا: ''مجھے یہ ناپسند ہے کہ مجھ پر ایک دن بھی ایسا گزرے جس میں، میں نے قرآن کو نہ دیکھا ہو۔''

روایتِ حدیث: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نہ صرف قرآن حکیم سے ایک خاص شغف تھا بلکہ حدیث رسول کا شوق بھی آپ کے رگ وریشہ میں پیوست تھا۔ حدیث کی کتابوں میں ان کی روایت کردہ

Marfat.com

احادیث کی تعداد ۱۴۶ ہے جن میں تین روایات بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں۔ آٹھ صرف بخاری میں اور پانچ صرف مسلم میں موجود ہیں۔ روایت حدیث میں آپ بہت محتاط تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۴/۵۷)

شان اجتہاد: قرآن وحدیث میں مہارت ہونے کے ساتھ ساتھ آپ مجتہدانہ شان کے بھی حامل تھے۔ اور نہ صرف عوام بلکہ خواص بھی آپ کے قول وعمل سے استفادہ کرتے تھے۔

(بخاری: ۱/۴۳، مسند احمد: ۱/۶۰، ۷۰)

آپ کے اجتہاد کی بے شمار مثالیں کتابوں میں مرقوم ہیں۔ آپ مجتہد ہونے کے ساتھ ساتھ مفتی بھی تھے، چنانچہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ۱۳۰ کے لگ بھگ حضرات اہل فتویٰ تھے۔ جن میں سب سے زیادہ فتاویٰ سات صحابہ رضی اللہ عنہم کے تھے۔ وہ یہ ہیں: سیدنا عمر، سیدنا علی، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدہ عائشہ، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔ ان کے بعد دوسرے نمبر پر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے ان کی تعداد ۱۳ ہے اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ نے ان کو "المتوسطون" کہا ہے۔ ان میں سے ایک سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ (اعلام الموقعین: ۱/۱۲)

شعروشاعری: شعروشاعری میں بھی آپ ایک نہایت اونچا مقام رکھتے تھے۔ مسعودی کا بیان ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس کثرت سے شعر پڑھتے جتنا اور کوئی نہ پڑھتا، اور آپ خود بھی شاعر تھے۔ (مروج الذہب: ۲/۳۵۶) مسعودی نے ان کے کچھ شعر بھی نقل کیے ہیں۔

اخلاق وعادات: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمہ صفت موصوف بنایا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ میں وہ سب اوصاف موجود تھے جو کسی شخص میں طغرائے امتیاز وشرافت سمجھے جاتے ہیں، اور کوئی قوم یا قبیلہ اس پر ناز کر سکتا ہے۔ ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے۔ اسلام لانے کے بعد ان اوصاف میں ایک خاص جلا پیدا ہوئی بلکہ اس کے ساتھ خوف خدا، اطاعت وانقیاد، زہد واتقا، جود وسخا، صبر وشکر اور شرم وحیا کا مزید اضافہ ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور شرف دامادی نے ان میں اور زیادہ پختگی اور چمک پیدا کی۔

خوف خدا: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف طاری رہتا تھا، اور وہ ہر وقت اپنے نفس کو خواہشات سے بچائے رکھتے تھے۔ آپ نے پوری زندگی اپنے نفس کی تسکین کے لیے کبھی حدود

Marfat.com

اللہ کو نہیں توڑا۔ قبر اور آخرت کا خیال آپ کے ذہن وقلب میں خلش پیدا کر کے آنکھوں کو نمناک کر دیتا۔ کبھی کبھی موسلا دھار بارش کی طرح آپ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے۔ فرمایا کرتے تھے: ''قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ اگر آدمی اس سے بخیر وخوبی گزر گیا تو اس کے بعد کی منزلیں اس کے لیے آسان ہو جائیں گی۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جتنے مناظر دیکھے ان میں سب سے زیادہ ہولناک چیز عذاب قبر ہے۔''

(کتاب الخراج لابی یوسف: ص ۱۵، مسند احمد: ۱/۶۳)

حب رسول ﷺ: اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے خوف کا لازمی نتیجہ رسول اللہ ﷺ کی محبت ہے۔ چنانچہ آپ کے رگ وریشہ میں محبت رسول اللہ ﷺ رچی بسی تھی۔ شورش کے زمانے میں لوگوں نے آپ سے شام چلنے کے لیے کہا۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ''میں رسول اللہ ﷺ کی ہمسائیگی کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گا خواہ اس میں مجھے قتل ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔'' محبت رسول ﷺ کے ساتھ ادب رسول کا یہ عالم تھا کہ جس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، ساری زندگی اس ہاتھ کو عضو خاص سے مس نہیں کیا۔ (کنز العمال: ۵/۲۸)

رسول اللہ ﷺ کی آل اور آپ ﷺ کے متعلقین کا بھی آپ نہایت احترام فرماتے تھے۔ چنانچہ عم رسول سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا نہایت احترام کرتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/۱۶۲، تہذیب التہذیب: ۵/۱۲۳)

رسول اللہ ﷺ کی نواسی سیدہ امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا کے شوہر مغیرہ بن نوفل بن حارث ہاشمی کو آپ نے قاضی مقرر فرمایا۔ یہ بڑے زیرک اور مدبر تھے۔

(الاستیعاب: ۳/۳۶۶، اسد الغابہ: ۴/۴۸)

حیا: حیا انسان کا ایک فطری جذبہ اور وصف ہے جس سے اس کی بہت سی اخلاقی خوبیوں کی پرورش ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''حیا ایمان کا ایک جزو ہے۔'' (بخاری: ۲/۹۰۳)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے حیا کا وصف خاص طور پر ودیعت فرمایا تھا اور اس وصف کی بدولت آپ کو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت حاصل تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عثمان رضی اللہ عنہ باحیا ہے۔ اس سے ملائکہ بھی حیا کرتے ہیں۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۰۳)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ شرم وحیا کے مجسمہ تھے اور جیسا کہ سرکار دو

Marfat.com

عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آسمان کے فرشتے بھی آپ سے حیا کرتے تھے۔(البدایہ والنہایہ: ۱۸۳/۷)

جود وسخا: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں تواضع، ایثار، امانت و دیانت، صبر و تحمل اور زہد و اتقاء کے علاوہ جود و سخا کا وصف درجہ کمال میں تھا۔ بئر رومہ کی خریداری اور مسلمانوں کے لیے اس کا وقف، جیش عسرت میں قریباً ایک تہائی فوج کے سامان کی فراہمی اور اس قسم کے دوسرے کئی واقعات سے آپ کے جود وسخا کا پتہ چلتا ہے۔ مسجد نبوی کی توسیع کے لیے ۲۵ ہزار درہم میں مکان خرید کر مسجد کے نام وقف کر دینا یہ جود وسخا ہی کا تو ایک نمونہ ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ۴۸۰ درہم میں اپنی زرہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کی۔ آپ نے وہ رقم اور زرہ دونوں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دے دیں، جس پر سرکار دو عالم ﷺ نے آپ کو بہت دعائیں دیں۔(زرقانی: ۴/۲)

صلہ رحمی: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا۔ آپ نے اپنے چچا حکم رضی اللہ عنہ بن ابی العاص کو ایک لاکھ درہم ان کے مفلوک الحال ہونے کی وجہ سے عطا فرمائے۔ اس کے علاوہ اپنے تین دامادوں سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ، سیدنا حارث بن الحکم رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو پچاس پچاس ہزار اپنی جیب خاص سے دیے۔ صلہ رحمی کے سلسلہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''عثمان رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے۔''(الاصابہ: ۴۵۵/۲)

Marfat.com

ذاتی حالات

شکل وصورت

کتابوں میں آپ کا حلیہ کچھ یوں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے اعضاء متناسب اور خوب صورت تھے۔ آپ نہ تو زیادہ پست قد تھے اور نہ زیادہ لمبے، چاند جیسا کتابی چہرہ، نرم جلد، گندمی رنگ، ستواں اور خم دار ناک، رخسار بھرے ہوئے، چوڑا اور کشادہ سینہ، گھنے بال، سفید ریش، طویل اور گھنی زلفیں جو بازوؤں تک پہنچتی تھیں، پنڈلیوں پر گوشت، داڑھی کو زرد خضاب لگاتے، لیکن روایات میں سفید داڑھی کا ذکر ہے اور بعض میں حنا سے خضاب لگانے کا ذکر بھی ہے۔

(طبقات ابن سعد: ۵۸/۳، البدایہ والنہایہ: ۲۱۳/۷، طبری: ۴۴۳/۳)

شکل وصورت کے لحاظ سے آپ نہایت خوبصورت تھے۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے عبداللہ بن حزم سے نقل کیا ہے کہ ''میں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ حسین وجمیل نہ کسی مرد کو دیکھا ہے اور نہ ہی کسی عورت کو۔'' (تاریخ الخلفاء: ص۱۵۰)

لباس وسکونت

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں نفاست تھی، لہٰذا لباس نفیس اور اجلا زیب تن فرماتے تھے۔ لباس قیمتی بھی پہنا لیکن طبیعت میں رعونت اور خود بینی پیدا نہیں ہوئی، لباس اکثر سادہ اور کم قیمت کا ہوتا تھا۔ جس کی قیمت دو درہم سے پانچ درہم تک ہوتی۔

Marfat.com

مکہ کے مکان کے بارے میں تو کتابوں میں کچھ نہیں آتا کہ کیسا تھا لیکن ہجرت کے بعد مسجد نبوی کے قریب ''زوراء'' نام کا ایک نہایت عالیشان مکان تعمیر کرایا۔ یہ مکان نہ صرف عالیشان تھا بلکہ وسیع و عریض بھی تھا۔ آپ کے عہد خلافت میں اسی مکان کو گورنمنٹ ہاؤس کا درجہ حاصل تھا۔ یہیں آپ کی شہادت ہوئی۔

ازواج

آپ نے کئی شادیاں کیں۔ سب سے پہلی شادی آپ کی رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوئی۔ یہ نکاح مکہ میں ہوا۔ (کنز العمال: ۶/۳۷۵)

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین و جمیل تھیں۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ ہر وقت اسی غم میں ڈوبے رہتے کہ سرور کشور رسالت ﷺ سے میرا رشتہ مصاہرت منقطع ہو گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ عرصہ کے بعد اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان کے رشتہ ازدواج میں دے دی، اور ساتھ ہی یہ فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر میری سو بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے تم سے بیاہ دیتا۔'' (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، عقاد: ص ۱۰۳)

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ نے فاختہ بنت غزوان سے نکاح کیا۔ ان سے ایک لڑکا عبداللہ الاصغر پیدا ہوا لیکن وہ بچپن ہی میں انتقال کر گیا، آپ نے ایک نکاح ام عمرو بنت جندب دوسیہ سے بھی کیا۔ جس سے آپ کی پانچ اولادیں ہوئیں۔

① عمرو بن عثمان ② خالد بن عثمان ③ ابان بن عثمان ④ عمر بن عثمان اور ⑤ مریم بنت عثمان رضی اللہ عنہم۔

فاطمہ بنت ولید مخزومیہ سے بھی آپ نے نکاح کیا۔ یہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں ان سے دو لڑکے ولید اور سعید اور ایک لڑکی ام سعید پیدا ہوئی۔ آپ نے ام البنین بنت عیینہ اور رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ سے نکاح کیا۔ اور آخر میں نائلہ بنت فراصہ سے نکاح کیا جن کا تعلق بنو قلب سے تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت یہ موجود تھیں اور ایک شقی کی تلوار کے وار سے ان کی تین انگلیاں کٹ گئی تھیں۔ ان کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

Marfat.com

اولاد

① عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ: سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے ایک صاحبزادہ عبداللہ پیدا ہوئے جو بعد میں "عبداللہ الاکبر" کے نام سے مشہور ہوئے، اور اسی کی نسبت سے آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ بعض حضرات نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ سوائے سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور کوئی نواسہ زندہ نہیں تھا، سیدنا عبداللہ کو بچپن ہی میں فوت کر دیا، اور بتایا یہ کہ چھ برس کی عمر میں ایک روز ایک مرغ نے ٹھونگ ماری جس سے آپ کی آنکھ میں زخم ہو گیا۔ بعد میں چہرہ متورم ہو کر آپ کا انتقال ہو گیا۔ یہ روایت سراسر غلط ہے۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ ۷۶ سال کی عمر میں ان کی آنکھ میں مرغ نے ٹھونگ ماری جوان کی موت کا سبب بنی۔ (مروج الذہب: ۳۴۱/۲)

بہرحال یہ بات غلط ہے۔ مرغ کی ٹھونگ والی روایت زہری نے بنائی ہے۔

② ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں میں سیدنا ابان ایک نامور شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نہایت بہادر اور شجاع تھے۔ جنگ جمل میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر میں تھے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی سگی بھانجی سیدہ ام کلثوم بنت زینب رضی اللہ عنہا آپ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ (المعارف: ص ۸۶)

یہ فقہائے مدینہ میں شمار ہوتے تھے اور عبدالملک بن مروان کی طرف سے سات سال تک مدینہ کے گورنر رہے۔

③ عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ علمی لحاظ سے ایک جلیل القدر شخصیت تھے۔ ابن سعد نے انہیں طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے۔ رملہ بنت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی زوجیت میں تھیں۔ اس لحاظ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔ ان کی ایک اور بیوی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پوتی حفصہ تھیں۔ (المعارف: ص ۸۵)

④ عمر بن عثمان رضی اللہ عنہ: یہ ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے۔ نہایت نیک دل انسان تھے، سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ ان کی ایک بیٹی ام ایوب امیر المؤمنین عبدالملک بن مروان کی اہلیہ تھیں اور ان کے صاحبزادے زید کے حبالۂ عقد میں سیدنا

Marfat.com

حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہ تھیں۔ (المعارف: ص۸۵)

⑤ سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ: یہ فاطمہ بنت ولید مخزومیہ کے بطن سے تھے۔ اس لحاظ سے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سگے بھانجے تھے۔ فاطمہ بنت ولید کی ماں ابوجہل کی بیٹی تھی۔

Marfat.com

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

نام ونسب

نام علی، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب، لقب حیدر، والد کا نام ابوطالب (عبد مناف) اور والدہ کا نام فاطمہ۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب۔

ابوطالب کی شادی اپنی چچازاد بہن فاطمہ سے ہوئی تھی، لہٰذا ان کا شجرہ نسب بھی یہی ہے جو ابوطالب کا ہے۔ اس لحاظ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین ہاشمی ہیں۔ آپ کے خاندان بنو ہاشم کو قریش میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ بیت اللہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا ایک خاص امتیاز تھا، اس وجہ سے اسے عرب میں سیادت وقیادت کا مقام حاصل تھا۔

خاندان

آپ کا خاندان نہایت معزز تھا کیونکہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا خاندان تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے بارے میں فرمایا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ کیا۔" (البدایہ والنہایہ: ۲/۲۵۶)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دادا عبدالمطلب کی اہلیہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ جو بنو مخزوم سے تھیں،

Marfat.com

کے بطن سے تین بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹوں کے نام زبیر، عبد مناف، (ابوطالب) اور جناب عبداللہ (والد ماجد جناب رسول اللہ ﷺ) تھے، اور بیٹیوں کے نام عاتکہ، براہ، امیمہ اور ام الحکیم البیضاء تھے۔ (انساب الاشراف: ۵۸/۱)

ابوطالب

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب تھے۔ ان کا اصل نام عبد مناف تھا۔ کنیت اپنے بڑے بیٹے طالب کے نام پر ابوطالب تھی۔ (کتاب نسب قریش: ص ۱۷) زبیر بن عبدالمطلب کے انتقال کے بعد خاندان میں وہ سب سے عمر رسیدہ تھے، لہٰذا جسمانی معذوری و مالی کمزوری اور ناداری کے باوجود وہ اپنے خاندان کے سربراہ ہوئے۔ ابوطالب چونکہ لنگڑے تھے لہٰذا اس معذوری کی وجہ سے ان کی مالی حالت کمزور تھی۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میرے والد ابوطالب جب سردار ہوئے تو فقیر تھے اور ان سے پہلے کوئی فقیر سردار نہیں ہوا۔'' (تاریخ یعقوبی: ۱۷/۱)

ابوطالب نے اسی بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد تقریباً دس سال تک زندہ رہے لیکن قبول اسلام کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔

(سیرۃ حلبیہ: ۳۸۱/۱)

ابوطالب کی اولاد

ابوطالب کے چار بیٹے تھے: طالب، عقیل، جعفر اور علی رضی اللہ عنہم، اور لڑکیاں تھیں ام ہانی اور جمانہ۔ ام ہانی کا نام فاختہ تھا۔ طالب غزوہ بدر کے بعد حالت شرک میں مر گیا۔ (طبری: ۱۴۴/۲) اور عقیل، جعفر اور علی رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔

ابوطالب کے سب سے چھوٹے لڑکے سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے جو بعثت نبوی سے پانچ چھ سال قبل پیدا ہوئے۔ بعض حضرات کے نزدیک ان کی پیدائش رجب عام الفیل کے سنہ ۳۰ میں بیت اللہ کے اندر ہوئی۔ لیکن مؤرخین کے نزدیک معتبر روایت یہ ہے کہ کعبہ میں پیدا ہونے والا بچہ حکیم بن حزام بن خویلد تھا۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت

ابو طالب ایک کثیر العیال شخص تھے اور معاشی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو ابو طالب کی کثیر العیالی اور تنگ دستی کا بتایا اور تجویز یہ پیش کی کہ ابو طالب کے بچوں کی کفالت ہم اپنے ذمہ لے لیں۔ چنانچہ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کفالت میں لے لیا۔ (ابن ابی الحدید: ۱/۱۵)

قبول اسلام

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نماز پڑھتے دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کے بارے میں بتایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میں نے ایسی بات اس سے پہلے کبھی نہیں سنی، لیکن میں اس وقت تک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک کہ میں اپنے والد ابو طالب سے مشورہ نہ کرلوں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس رات خاموش رہے اور اس معاملہ پر غور و فکر کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے ان کے دل میں اسلام ڈال دیا۔ چنانچہ دوسرے روز وہ اسلام لے آئے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے کچھ عرصہ تک ابو طالب کے ڈر سے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۲۴)

اسلام کی معاونت کا اعلان

اعلان نبوت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریباً تین سال تک اسلام کی دعوت کی اعلانیہ تبلیغ نہیں کی بلکہ مخفی طور پر خاص خاص لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ چوتھے سال آپ کو یہ حکم ملا:

وانذر عشيرتك الاقربين۔

”اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ۔“

اس حکم کی تعمیل میں آپ نے پہلے تو کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے لوگوں کو بلایا لیکن آپ کو کوئی خاطر خواہ جواب نہ ملا، بلکہ آپ کا چچا ابولہب تو سخت برہم ہوا۔ (بخاری: ۲/۷۰۲)

Marfat.com

چند روز کے بعد آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''دعوت کا سامان کرو۔'' چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دعوت کا سامان کیا اور تمام خاندان عبدالمطلب کو مدعو کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا: ''میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے۔ اس بارگراں کے اٹھانے میں میرا کون ساتھ دے گا؟'' ہر چہرہ خاموش تھا اور ساری مجلس پر سناٹا تھا لیکن مجلس کے بزرگوں نے دیکھا کہ سات آٹھ سال کا ایک لڑکا جس کا نام علی رضی اللہ عنہ تھا، اس نے اٹھ کر کہا:

''اگرچہ میں عمر کے لحاظ سے بچہ ہوں، اور گو مجھے آشوب چشم ہے، میرا پیٹ بڑھا ہوا اور میری ٹانگیں پتلی ہیں تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔'' (طبری: ۶۲/۲، البدایہ والنہایہ: ۴۰/۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ہجرت

ہجرت تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قریش مکہ کے جو ظلم و ستم برداشت کیے، ان میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام کتابوں میں نہیں ملتا۔ شعب بنی ہاشم میں تین سال تک بنو ہاشم کو محصور کیا گیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے والد ابو طالب کے ساتھ اس گھاٹی میں صرف محصور رہے ہوں گے لیکن اس عرصہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کوئی نمایاں سرکردگی تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتی، وجہ شاید اس کی یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس وقت چھوٹے تھے اور بڑوں کے ہوتے ہوئے چھوٹوں کو آگے نہیں لایا جاتا۔

قریش مکہ نے جب اسلامی دعوت کا پھیلاؤ دیکھا اور اس پھیلاؤ کو روکنے کے لیے اپنے تمام حربے ناکام دیکھے تو انہوں نے دارالندوہ میں ایک میٹنگ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ جبرئیل امین نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور مکہ کے لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کیں اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے لہٰذا میں آج مدینہ روزانہ ہو جاؤں گا۔ تم رات کو میرے پلنگ پر میری حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہو، تم کو کوئی بھی گزند نہیں پہنچائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ الفاظ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ بے خوف و خطر بستر رسول پر سو رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر ہی کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم'' میں دی ہے۔

قریش مکہ نے اس خیال سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں سو رہے ہیں، پوری رات کاشانہ نبوت کا محاصرہ کیے رکھا لیکن جب صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نہ نکلے تو قریش نے اندر جا کر

Marfat.com

بستر دیکھا، اس پر سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اٹھے تو کفار مکہ نے ان سے پوچھا کہ ”رسول اللہ ﷺ کہاں گئے؟“ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مجھے کوئی علم نہیں۔“ (لا علم لی به) (طبقات ابن سعد: ۱/۲۲۸)

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو واقعی کوئی علم نہیں تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ تو کل دوپہر ہی کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں ان کے گھر سے عازم مدینہ ہو چکے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہجرت فرمانے کے تین روز بعد مکہ سے نکلے اور کلثوم بن الہدم کے مکان پر پہنچے جہاں رسول اللہ ﷺ پہلے سے قیام پذیر تھے۔ ہجرت کا یہ سفر نہایت مشکل تھا، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ایمانی قوت وطاقت راہ وفا کے ان سنگلاخ راستوں پر پروں کا کام دیتی تھی۔ آپ دن کو چھپے رہتے اور رات کو ریگزاروں میں چلتے، یہاں تک کہ

رسول اللہ ﷺ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آمد کا پتہ چلا تو فرمایا: ”علی کو بلاؤ۔“ خدمت گرامی میں عرض کیا گیا کہ وہ چلنے سے معذور ہیں۔ یہ سن کر سرکار دو عالم ﷺ خود تشریف لے گئے۔ گلے لگایا، سر منہ چوما، پاؤں کے ورم کو دیکھا تو نبوت کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ آپ کے پاؤں پر لعاب دہن لگایا۔ اس لعاب دہن کے لگانے سے ساری زندگی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو پھر کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ (ابن اثیر: ۲/۱۰۶)

مسجد نبوی کی تعمیر میں حصہ

مدینہ طیبہ میں ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینے میں رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسجد کی تعمیر میں اینٹ اور گارا اٹھاتے ہوئے یہ رجز پڑھتے تھے:

لا یستوی من یعمر المساجدا
یدأب فیہ قائما وقاعدا
ومن یریٰ عن الغبار حائدا

یعنی جو شخص مسجد کی تعمیر کرتا ہے اور مشقت برداشت کرتا ہے، کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر، اور اس کے مقابلہ میں جو گرد وغبار کی وجہ سے اس کام سے جی چراتا ہے، وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ (زرقانی: ۱/۴۲۶، ابن ہشام: ۲/۴۹۷)

Marfat.com

ہجرت مدینہ کے بعد

ہجرت کے وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عمر ۱۸ یا ۱۹ سال بنتی ہے۔ اس وجہ سے اسلام کے لیے کام کرنے کا وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے ہجرت مدینہ کے بعد شروع ہوا۔ چنانچہ آپ نے ہجرت مدینہ کے بعد وہ وہ کام کیا جو علی رضی اللہ عنہ جیسا نوجوان کر سکتا تھا۔ غزوۂ بدر، احد، خیبر اور احزاب وغیرہ سب جنگوں میں آپ نے شرکت فرمائی۔

مواخات

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے مابین مواخات اور بھائی چارے کا رشتہ قائم کیا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر پر لوگوں کو جمع کیا گیا۔ مہاجرین کی تعداد ۴۵ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو طلب کر کے ارشاد فرمایا: ”یہ تمہارے بھائی ہیں۔“ پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو اشخاص کو بلا کر آپ فرماتے گئے کہ ”یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔“ (طبقات ابن سعد: ۲۳۸/۱)

اسی طرح آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا سہیل بن حنیف کا بھائی بنایا۔

(طبقات ابن سعد: ۲۳/۲)

غزوہ بدر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

قریش مکہ اور مسلمانوں کے مابین سب سے پہلی جنگ بدر کے مقام پر سنہ ۲ھ میں ہوئی جس نے نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ تاریخ عالم کا دھارا بدل دیا۔ اس وجہ سے قرآن حکیم نے اسے ”الفقان“ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ غزوہ بدر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ سب سے پہلے ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے ہوا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے مبارزت میں قتل کر دیا۔

(ابن ہشام: ۶۲۵/۲، طبری: ۱۴۸/۲، ابن اثیر: ۱۲۵/۲، البدایہ والنہایہ: ۲۷۳/۳)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اس روز علم (جھنڈا) نبوی تھا جس کا نام ”عقاب“ تھا اور انصار کا جھنڈا سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

(البدایہ والنہایہ: ۲۶۰/۳، ابن سعد: ۲۲/۳)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جنگ بدر میں مشرکین کے ۷۰ آدمی مارے گئے تھے جن میں سے آدھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ (ابن ابی الحدید: ۲۴/۱) لیکن یہ روایت غلط اور

Marfat.com

موضوع ہے۔

جنگ بدر میں قتل ہونے والے مشرکین میں ایک شخص منبہ بن حجاج نامی بھی تھا۔ ابن ہشام کے مطابق سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا تھا۔ ذوالفقار نام کی تلوار اس مشرک کی تھی جو اس موقع پر مال غنیمت میں حاصل ہوئی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس تلوار کو ابوجہل کی تلوار بتایا ہے۔ (منہاج السنہ: ۱۷/۳) طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار بدر کے دن اپنے حصہ میں لی۔ (ابن سعد: ۳۲۸/۱، ۲۶۰، ۲۷۲/۲)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ تلوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم سے اپنے لیے پسند فرمائی تھی۔ پھر آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمادی۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۲۳/۷)

''ذوالفقار'' کا مطلب ہے ''کنگورے دار تلوار'' کیونکہ ''فقار'' ریڑھ کی ہڈی میں جڑے ہوئے مہروں کے اتار چڑھاؤ کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہ تلوار جبرئیل علیہ السلام آسمان سے لائے تھے۔ (الشافی ترجمہ اصول کافی: ۲۶۷/۱) لیکن یہ روایت صحیح نہیں۔

اس جنگ میں آپ کو ایک زرہ کا ملنا بھی روایت میں آیا ہے۔ (مسند الحمیدی: ۲۲/۱)

دامادی رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عمر جب ۲۰ سال تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی دامادی کا شرف بخشا، اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے حبالہ عقد میں دے دیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت ساڑھے پندرہ سال تھی۔ (البدایہ والنہایہ: ۳۴۲/۶، تفسیر قرطبی: ۱۵۱/۴)

بعض علماء نے اس شادی کی تاریخ ۲۱ محرم سنہ ۳ھ بیان کی ہے جب کہ ہماری تحقیق کے مطابق یہ شادی سنہ ۴ھ میں ہوئی، لیکن اگر یہ نکاح سنہ ۳ھ ہی میں تسلیم کرلیا جائے تب بھی روایات کے مطابق سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی باقاعدہ رخصتی نکاح کے قریباً دس گیارہ ماہ بعد ہوئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی مکان میں رہتے تھے، لیکن رخصتی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ایک مکان کرایے پر لے لو۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا مکان کرایہ پر لے لیا اور آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس مکان میں اپنی متاہل زندگی کے دن گزارنے لگے۔ (الاصابہ: ۱۵۸/۸) زرقانی میں بھی ایک روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح

Marfat.com

اگرچہ سنہ ۳ھ میں ہوا لیکن رخصتی سنہ ۴ھ میں ہوئی تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زرہ کی رقم سے جو کچھ باقی بچا تھا اس سے اپنی دعوت ولیمہ کی جس میں کھجور، جو کی روٹی، پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربہ کھلایا گیا۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ اس زمانے میں اس سے بہتر کوئی ولیمہ نہیں ہوا۔

(زرقانی: ۸/۲، کشف الغمہ: ۳۶۶/۱)

اس شادی کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

وما راينا عرساً احسن من عرس فاطمة۔

"فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے بہتر شادی ہم نے کوئی نہیں دیکھی۔"

(تاریخ الخمیس: ۴۱۱/۱، سنن ابن ماجہ: ص ۱۳۹)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور مختلف نصائح ارشاد فرمائیں اور زوجین کے لیے دعا کی۔

اللهم بارك فيهما وبارك عليهما وبارك لهما ولنسلهما۔

"اے اللہ! ان دونوں کے مال و جان میں برکت عطا فرما اور ان کی نسل اور اولاد میں بھی برکت فرما۔" (الاصابہ: ۳۶۶/۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس نکاح اور دعوت ولیمہ کا سارا کریڈٹ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچتا ہے جنہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زرہ ایک روایت کے مطابق ۴۰۰ درہم میں اور دوسری روایت کے مطابق ۴۸۰ درہم میں خرید کر رقم اور زرہ دونوں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دے دیں۔ (کشف الغمہ: ۳۵۹/۱)

غزوہ احد اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

غزوہ احد غزوہ بدر کے انتقام کے نتیجہ میں شوال سنہ ۳ھ کو پیش آیا۔ اس جنگ میں مہاجرین کا پرچم سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ ان کی شہادت کے بعد یہ علم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔ مشرکین کے علم بردار ابوسعد بن ابی طلحہ نے مسلمانوں کو مبارزت کے لیے للکارا۔ اس کے جواب میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کی طرف بڑھے اور تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اس کا پاؤں کٹ گیا اور وہ خود نیچے گر گیا۔ نیچے گرتے ہی وہ ننگا ہو گیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے رحم کی بھیک مانگنے لگا۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ (ابن اثیر: ۱۵۲/۲، طبری: ۱۹۴/۲، البدایہ والنہایہ: ۲۰/۴)

Marfat.com

علاوہ ازیں ابوالحکم بن الاخنس ثقفی کافر نے ایک مسلمان کو شہید کر دیا۔ اس کے جواب میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوالحکم پر اپنی تلوار سے اس کے پاؤں کو نصف ران سے قطع کر دیا۔ وہ گھوڑے سے نیچے گرا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ (طبقات ابن سعد: ۲۸/۳)

جنگ احد میں قریش نے یہ مشہور کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے ہیں۔ آپ کی شہادت کی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ مدینہ طیبہ سے وفا شعاران پیغمبر بڑی بے تابی سے دوڑتے ہوئے آئے۔ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا بھی آئیں اور اپنے ابا کو زخمی دیکھ کر تڑپ گئیں۔ چہرہ انور سے خون جاری تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا چہرۂ مبارک سے خون کو دھوتیں، لیکن خون تھا کہ تھمتا نہیں تھا۔ آخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا گیا اور زخم پر ڈالا گیا جس سے فوری طور پر خون رک گیا۔ (بخاری: ۵۸۴/۲، البدایہ والنہایہ: ۲۲۴/۷)

جنگ احد میں جب بھاگتے ہوئے قریش نے درہ کو خالی دیکھ کر مسلمانوں کے عقب سے ان پر حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی، اور سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ علم بردار لشکر اسلام کے شہید ہو جانے سے یہ مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ اس خبر نے مسلمانوں کے اور بھی اوسان خطا کر دیے اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میدان جنگ سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے کہ اب لڑنے کا کیا فائدہ! اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رہ گئے جن میں ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (کشف الغمہ: ۱۸۸/۲)

غزوہ خندق اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

ہجرت کے پانچویں سال غزوہ خندق پیش آیا۔ اس غزوہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مدینہ طیبہ کے ارد گرد خندق کھودی۔ اس خندق پر کئی روز تک حملے کیے گئے تاکہ اس کو عبور کر کے مسلمانوں پر زبردست حملہ کیا جائے، لیکن کافر اسے عبور نہ کر سکے۔ ایک روز ایک جگہ سے جہاں سے یہ خندق زیادہ چھوڑی نہ تھی، حملہ کرنے کی پلاننگ کی گئی، چنانچہ عرب کا مشہور بہادر عبدودّ جس کو ایک ہزار نوجوانوں کے برابر سمجھا جاتا تھا، اور وہ غزوۂ بدر میں زخمی ہو کر واپس ہوا تھا اور جنگ احد میں شرکت نہ کر سکا تھا، اور اب وہ غزوہ خندق میں مسلمانوں کے مقابلہ میں آیا تھا۔ وہ خندق میں اپنے گھوڑے کو مہمیز لگا کر آ گیا اور مسلمانوں کو

Marfat.com

دعوت مبارزت دی۔ اس وقت اس کی عمر ۹۰ سال تھی، اس کی دعوت مبارزت کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ قبول کرنے کے لیے اٹھے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ اس نے پھر مبارزت کے لیے پکارا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پھر اٹھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ عمرو بن عبدودّ ہے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''ہاں میں جانتا ہوں۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ذوق وشوق دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمادی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت فرمائی اور سر پر عمامہ باندھا اور دعا بھی فرمائی۔

عمرو بن عبدودّ کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو میں ایک ضرور قبول کروں گا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عمرو سے پوچھا: ''کیا تو واقعی ایسا کہتا ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لے آ۔'' عمرو نے کہا: ''یہ نہیں ہوسکتا۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جنگ سے واپس چلا جا۔'' اس نے جواب دیا: ''میں قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔'' اب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر تمہیں یہ دونوں باتیں منظور نہیں تو پھر مجھ سے معرکہ آرا ہو۔'' عمرو نے جواب دیا: ''مجھے یہ تیسری بات منظور ہے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ پیادہ تھے۔ عمرو ایک بہادر آدمی تھا۔ اس کی غیرت۔ نے یہ گوارا نہ کیا کہ اس کا حریف پیادہ ہو اور وہ اس سے سوار ہو کر لڑے۔ لہٰذا وہ گھوڑے سے نیچے اترا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر پوچھا: ''تم کون ہو؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنا نام بتایا۔ عمرو نے کہا: ''میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔'' آپ نے جواب میں فرمایا: ''لیکن میں تم سے لڑنا چاہتا ہوں۔'' یہ سن کر عمرو غصے سے سٹپٹا اٹھا۔ اس نے پرتلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر وار کیا۔ آپ نے اسے ڈھال پر روکا، لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر لگی۔ زخم اگرچہ کاری نہ تھا لیکن زخم کا نشان آپ کی پیشانی پر ہمیشہ کے لیے رہ گیا۔ اب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس پر وار کیا۔ آپ کی تلوار دشمن کا شانہ کاٹ کر نیچے اتر گئی۔ وار کرنے کے ساتھ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگایا۔ (سیرت ابن ہشام: ۳/۲۲۴-۲۲۵)

عمرو بن عبدود کے بعد ضرار اور جبیر نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا۔ ان دونوں کو بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کا لقمہ بننا پڑا۔ نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے تیر مارنے شروع کر دیے اس نے آواز دی کہ میں شریفانہ موت مرنا چاہتا ہوں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

اس کی عرضداشت منظور فرمائی اور خندق میں اتر کر اس کو قتل کیا۔ خلاصہ یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں نمایاں حصہ لیا۔

غزوہ بنو قریظہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

اس جنگ خندق میں بنو قریظہ نے چونکہ نقض عہد کیا تھا، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق سے فراغت کے بعد حکم دیا کہ بنو قریظہ کی طرف بڑھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے علم کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف بھیجا۔ (طبری: ۳۴۵/۲، ابن ہشام: ۲۳۴/۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنو قریظہ کے ہاں پہنچے اور ان کے قلعہ کی دیواروں کے پاس جا کر علم نصب کر دیا۔ اس وقت یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں سب وشتم کرنے لگے۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۱۹/۴، سیرت حلبیہ: ۳۵۵/۲)

مسلمانوں نے قریباً ایک ماہ تک بنو قریضہ کا محاصرہ کیا۔ آخر سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے مطابق ان کے مردوں کو قتل، عورتوں اور بچوں کو قیدی اور تمام مال واسباب کو غنیمت قرار دیا گیا۔ ان کا یہ فیصلہ تورات کے حکم کے مطابق تھا۔ غرض کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے صحن میں نماز عصر ادا کی۔ (زرقانی: ۱۸۰/۲)

اسی طرح شعبان سنہ ۶ ھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک سو افراد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قبیلہ بنو سعد کی سرکوبی کی اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مال غنیمت میں لائے، اور اسلامی قواعد کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسے تقسیم کیا گیا۔

(زرقانی: ۱۸۷/۲، طبقات ابن سعد: ۶۵/۲)

صلح حدیبیہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

ذی قعدہ چھ ہجری میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان حدیبیہ کے مقام پر ایک معاہدہ ہوا جو تاریخ اسلام میں معاہدۂ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ قریش کے نمائندہ سہیل بن عمرو کے ساتھ اس معاہدہ کی جو شرائط طے ہوئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر حکم دیا کہ ان شرائط کو حیطہ تحریر میں لائیں۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس معاہدے کے عنوان پر ''بسم اللہ الرحمٰن'' لکھا۔ عرب کا پرانا طریقہ یہ تھا کہ وہ خطوط اور معاہدوں کی ابتداء میں ''باسمك اللهم''

Marfat.com

لکھتے تھے۔ بسم اللہ سے وہ بالکل نا آشنا تھے۔ سہیل بن عمرو نے اس پر اعتراض کیا کہ وہی پرانے الفاظ "باسمك اللهم" لکھے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس بات کو منظور فرمالیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اب اس معاہدے کی عبارت شروع کرتے ہوئے لکھا: "هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله" یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے منظور فرمایا۔ سہیل نے کہا کہ ہم تو آپ کو رسول ہی تسلیم نہیں کرتے۔ اگر آپ کو رسول تسلیم کرتے تو پھر آپ سے جھگڑا کیا تھا، لہٰذا آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگرچہ تم لوگ میری تکذیب کرتے ہو لیکن بخدا! میں اللہ کا رسول ہوں۔'' یہ فرما کر آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یہ الفاظ کاٹ دیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار اور فرماں بردار تھے، لیکن عالم عشق و محبت میں کچھ مقام ایسے بھی آتے ہیں جہاں فرماں برداری سے بعض دفعہ انکار بھی کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ آپ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں آپ کے نام کے ساتھ ''رسول اللہ'' کے الفاظ ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔'' آپ نے فرمایا: اچھا مجھے دکھاؤ کہ میرا نام کہاں ہے؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت مبارک اس جگہ پر رکھ دی۔ آپ نے خود اپنے ہاتھ سے ''رسول اللہ'' کے الفاظ کاٹ دیے۔

اس کے بعد صلح کا وہ معاہدہ لکھا گیا اور دونوں طرف سے دستخط ہوئے۔

(حیات القلوب، ملا باقر مجلسی: ۲/۷۵۳، ارشاد شیخ مغید: ص ۶۳، بخاری: ۱/۳۷۱-۴۵۲، مسلم: ۲/۱۰۴-۱۰۵، المصنف لابن ابی شیبہ: ۱۴/۴۳۵، زرقانی: ۲/۱۱۰)

غزوہ خیبر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

سنہ ۷ھ اور بعض روایات کے مطابق سنہ ۶ھ کے آخر میں غزوہ خیبر پیش آیا۔ خیبر عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''قلعہ'' یہ جگہ مدینہ طیبہ سے آٹھ منزل پر واقع ہے۔ یہ عرب کی یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ مدینہ سے جو یہودی جلاوطن کیے گئے وہ بھی یہیں آکر آباد ہوئے تھے۔ یہاں تو قلعے تھے جن میں بقول یعقوبی ۲۰ ہزار سپاہی رہتے تھے۔ ان سب قلعوں میں قموص کا قلعہ سب سے زیادہ محفوظ اور مضبوط تھا۔ مرحب اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ یہ قلعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جو پوری فوج کے سپہ سالار اعظم تھے، اپنی ہدایات کے مطابق مختلف جرنیلوں کے ذریعہ اپنی فوج کو لڑوا رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک روز شام کو ارشاد فرمایا کہ ''کل میں اس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ اس قلعہ کو فتح فرما دے گا اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو چاہتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس کو چاہتے ہیں۔''

(بخاری: ۶۰۵/۲، مسلم: ۲۷۹/۲)

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ رات نہایت بے قراری اور اضطراب سے گزاری۔ ہر صحابی کی یہ خواہش تھی کہ علم فتح اسے مرحمت ہو۔ صبح ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''علی کہاں ہیں؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس وقت آشوب چشم میں مبتلا تھے اور جنگ کرنے کے قابل نہ تھے۔ لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں اپنے پاس بلایا اور ان کی آنکھوں کو اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا یا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی وقت شفاء کاملہ عطا فرمائی۔ (بخاری: ۵۲۵/۱، ۶۰۵/۲، مسلم: ۲۷۹/۲، سیرت حلبیہ: ۴۱/۳)

یہ قلعہ بیس روز کے بعد فتح ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ مرحب جو قلعہ قموص کا رئیس تھا اس کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہیں بلکہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔

(ابن ہشام: ۴۷/۲، البدایہ والنہایہ: ۱۸۸/۲، ابن اثیر: ۲۱۹/۲، تاریخ خلیفہ بن خیاط: ۴۵/۱، مسند ابی یعلی: ۳۸۶/۳)

اس جنگ کے بارے میں بعض روایات میں ہے کہ قلعہ قموص کا ایک دروازہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پکڑ کر بطور ڈھال استعمال کی، اور وہ دروازہ اس قدر وزنی تھا کہ اسے بقول بعض چالیس آدمی اور بعض کے بقول ستر آدمی بھی اٹھانے سے عاجز تھے۔ اس قسم کی سب روایات بے اصل اور موضوع ہیں۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۱۸۹/۴ وغیرہ)

فتح مکہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ نے ابھی فتح مکہ کے لیے سفر نہیں فرمایا تھا کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی، سیدنا زبیر بن عوام اور سیدنا مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ ایک عورت روض الخاج کے مقام پر سفر کر رہی ہے۔ اس کے پاس ایک خط ہے۔ وہ خط

Marfat.com

اس عورت سے لے کر یہاں لائیں۔ وہ اہل مکہ کے پاس نہیں پہنچنا چاہیے۔ یہ تینوں حضرات وہاں پہنچے۔ وہ عورت ایک تیز سواری پر سفر کر رہی تھی۔ انہوں نے اس کو روک کر وہ خط مانگا۔ اس نے کہا: ''میرے پاس کوئی خط نہیں۔'' انہوں نے اس کو دھمکی دی کہ اگر اس نے وہ خط ان کے حوالے نہ کیا تو تیری جامہ تلاشی لیں گے۔ اس دھمکی پر اس عورت نے اپنے سر کے بالوں کے جوڑے سے وہ خط نکال کر دیا۔ چنانچہ وہ یہ خط لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

خط کھولنے پر پتہ چلا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے بعض مشرکین مکہ کو لکھا ہے اور بعض معاملات کے بارے میں اہل مکہ کو اطلاع دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوچھا کہ ''یہ کیا معاملہ ہے؟'' انہوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! میرے اہل وعیال وہاں مکہ میں ہیں اور ان کا وہاں کوئی مددگار نہیں۔ ان حالات میں، میں نے مکہ والوں پر ایک احسان کرنا چاہا تاکہ وہ میرے اہل وعیال کی رعایت کریں اور ان کو کوئی تکلیف نہ دیں۔ اس کے علاوہ میری اور کوئی غرض نہ تھی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حاطب سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ فرمایا: حاطب تو بدری ہیں اور اہل بدر کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا پروانہ دے دیا ہے۔''

(بخاری: ۶۱۲/۲، البدایہ والنہایہ: ۲۸۳/۴)

فتح مکہ کے روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ہمشیرہ ام ہانی کے خاوند کے بعض رشتہ داروں، حارث بن ہشام اور زبیر بن امیہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ ام ہانی نے مزاحمت کی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حقیقت حال بیان کی، اور عرض کی کہ میں نے خاوند کے ان دونوں رشتہ داروں کو امان دے دی ہے اور علی رضی اللہ عنہ ان کو قتل کرنے کے درپے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس کو ام ہانی نے پناہ دی ہم نے بھی اس کو پناہ دے دی۔ اب علی رضی اللہ عنہ ان کو قتل نہیں کریں گے۔''

غزوہ حنین اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

فتح مکہ کے بعد شوال ۸ ھ میں غزوہ حنین پیش آیا۔ حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ رسول اللہ بارہ ہزار فوج کے ساتھ حنین کی طرف بڑھے اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکل گئے کہ ''آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے؟'' لیکن حق تعالیٰ کو

Marfat.com

یہ بات پسند نہ آئی۔ چنانچہ ثقیف اور ہوازن کے قبائل نے مسلمانوں پر تیروں کی ایسی بارش برسائی کہ ان کی صفوں میں انتشار اور پراگندگی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ غزوہ حنین میں ایک شریک صحابی سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ پسپا ہو گئے اور شکست کھا گئے۔ پس ہم مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انہوں نے ہمیں تیروں پر دھر لیا۔'' (بخاری: ۲/۶۱۷)

کیا سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھاگ گئے؟ اس بارے میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سب صحابہ رضی اللہ عنہم نہیں بھاگے تھے بلکہ مکہ کے وہ لوگ جو ابھی نئے نئے ایمان لائے تھے اور ابھی ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا، بھاگے تھے۔''

(نووی شرح مسلم: ۲/۱۰۰)

علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی عمدۃ القاری: ۸/۳۵۹ پر بڑی مفصل بحث کی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مجاہدین اسلام بھاگے نہیں تھے۔ بھاگنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ میدان چھوڑ کر نہیں بھاگے تھے بلکہ میدان جنگ میں ہی ادھر ادھر ہو گئے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد ایک روایت کے مطابق ایک سو اور دوسری روایت کے مطابق اسی (۸۰) آدمی رہ گئے تھے۔

(فتح الباری: ۸/۲۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۳۳۲، مسند احمد: ۱/۴۵۳)

اس مشکل وقت میں جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے ان میں ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عباس، سیدنا ابوسفیان بن حارث اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم ان لوگوں میں سے تھے۔ (طبری: ۲/۳۴۸)

غزوہ تبوک اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

غزوہ تبوک رجب ۹ھ میں پیش آیا۔ تبوک ایک مشہور مقام ہے جو مدینہ منورہ اور دمشق کے درمیان نصف راہ پر واقع ہے اور مدینہ سے چودہ منزل پر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عتبان بن مالک اور شام کے نبطی سوداگروں کی معرفت پتہ چلا کہ رومیوں نے شام میں ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے اور اس کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کردی ہیں اور اس فوج کا ہراول دستہ بلقاء تک آ گیا ہے۔ اس فوج کی تعداد چالیس ہزار بتائی گئی۔ (زرقانی: ۳/۷۲)

Marfat.com

اگرچہ مدینہ میں وہ زمانہ ایک قسم کے قحط کا تھا اور گرمی بھی اپنے پورے شباب پر تھی، پھر بھی آپ نے تبوک جانے کے لیے ایک لشکر جرار تیار کیا اور سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دل کھول کر اس لشکر کی تیاری میں چندہ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجاع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اور اپنے اہل و عیال اور مدینہ طیبہ کی مستورات اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ (طبری: ۳۶۸/۲، ابن اثیر: ۲۷۸/۲، ابن ہشام: ۱۲۴/۲، بخاری: ۶۳۳/۲)

منافقین نے عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ کو مدینہ میں چھوڑ جانے پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو طعنے دیے جس سے آپ کبیدہ خاطر ہوئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنا اسلحہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑے اور مقام جرف پر جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے آنے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! منافقین کہتے ہیں کہ آپ مجھے بوجھ سمجھتے ہوئے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ جھوٹ بولتے ہیں بلکہ میں نے تجھے اپنے پیچھے اس لیے چھوڑا ہے تاکہ تو اپنے اور میرے اہل و عیال کی حفاظت کرے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لانبی بعدی

''کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ تم میرے لیے اس مرتبہ پر ہو جس مرتبہ پر سیدنا ہارون علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تھے، مگر بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

(بخاری: ۵۲۶/۱، ۶۳۳/۲، مسلم: ۲۷۸/۲، طبری: ۲۷۸/۲-۳۶۸، سیرۃ ابن ہشام: ۱۲۴/۲، البدایہ والنہایہ: ۷/۵)

سورۃ برأت کی آیات کا اعلان

سنہ ۹ھ میں غزوہ تبوک کے بعد حج بیت اللہ فرض ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہلا امیر الحج مقرر فرمایا۔ تین سو مسلمانوں کا ایک کاروان حج بیت اللہ کے لیے آپ کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ اس کاروان کے ساتھ بیس اونٹ بھیجے گئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پانچ اونٹ

Marfat.com

الگ قربانی کے لیے ساتھ لیے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ابھی مقام ''عرج'' پر تھے کہ انہوں نے پیچھے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ ''جدعاء'' کے بلبلانے کی آواز سنی۔ آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس ناقہ پر سوار چلے آرہے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ شاید آپ نے امامت حج کے بارے میں اپنا فیصلہ تبدیل فرمالیا ہو، لہٰذا آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''آپ امیر بن کر آئے ہیں یا مامور بن کر۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''مامور بن کر۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سورۃ برأت کی چالیس آیات دے کر بھیجا ہے تا کہ حج کے موقع پر ان کا آپ کی طرف سے اعلان کروں۔''

(طبری: ۳۸۳/۲، البدایہ والنہایہ: ۳۷/۵، سیرۃ ابن ہشام: ۵۴۵/۲، مسند احمد: ۷۹/۱، مستدرک حاکم: ۵۲/۳، مسند حمیدی: ۲۶/۱ وغیرہ)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یمن روانگی

رمضان المبارک سنہ ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن جانے کے لیے فرمایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے ایسی جگہ بھیج رہے ہیں جہاں مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں۔ ان کے درمیان مختلف امور کا فیصلہ کرنا میرے لیے نہایت مشکل ہوگا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر دست مبارک رکھ کر دعا فرمائی کہ ''اے اللہ! ان کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور فرما۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور علم عطا کر کے یمن روانہ فرمایا۔

(زرقانی: ۱۰۳/۳، البدایہ والنہایہ: ۱۰۷/۵)

اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کرنے کے لیے ایک بنیادی قاعدہ ارشاد فرمایا: ''اے علی! جب آپ کے سامنے دو فریق پیش ہوں تو ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ کریں جب تک کہ دوسرے فریق کی بات نہ سن لیں۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میرے سامنے جب بھی کوئی فیصلہ آیا تو اس میں اشکال پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کے حل کے لیے کوئی بہتر صورت منکشف ہوگئی۔

قیام یمن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج بیت اللہ کے لیے تشریف

Marfat.com

لے گئے ہیں، لہٰذا وہ یمن میں اپنا قائم مقام مقرر فرما کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ رسول اللہ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہو گئے۔

حجۃ الوداع اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

ذی قعدہ دس ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حج کا ارادہ فرمایا اور اعلان فرمایا کہ اس سال چونکہ میں خود حج کے لیے جانے والا ہوں لہٰذا زیادہ سے زیادہ لوگ حج پر جائیں اور سنت کے مطابق حج کرنے کا طریقہ سیکھیں۔ چنانچہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ کو ظہر اور عصر کی نماز کے درمیان آپ مدینہ سے روانہ ہوئے اور ۴ ذی الحجہ پیر کے روز مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ (زرقانی: ۱۰۵/۳)

۱۰ ذی الحجہ کو آپ عرفات سے منیٰ تشریف لائے اور ۶۳ اونٹ اپنے دست مبارک سے قربان کیے جو آپ کی عمر کی طرف بھی ایک اشارہ تھا۔ باقی ۳۷ اونٹ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی جانب سے ذبح کیا۔ (ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۱۷۱/۲، البدایہ والنہایہ: ۲۰۸/۵، زرقانی: ۱۰۵/۳)

غدیر خم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حجۃ الوداع سے فراغت کے بعد واپس تشریف لا رہے تھے تو جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم (جو مقام جحفہ کے قریب واقع ہے) میں پہنچے تو اس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا۔ اس دوران بعض لوگوں کی طرف سے وہ شکایات پیش کی گئیں جو سفر میں شریک حضرات کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق پیش آئی تھیں۔ چنانچہ غدیر خم (غدیر عربی زبان میں تالاب یا جوہڑ کو کہتے ہیں اور خم اس مقام کا نام ہے) کے مقام پر بروز یک شنبہ ۱۸/ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو شکایات اور اعتراضات کچھ لوگوں نے کیے ان کو رفع کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو بیان فرمایا۔ ان کلمات میں ایک کلمہ سب سے زیادہ مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا:

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ"

"جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے۔"

(ترمذی: ۲۱۳/۲، البدایہ والنہایہ: ۲۰۹/۵)

Marfat.com

ان الفاظ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اعتراضات کا ازالہ مقصود تھا اور آپ کی فضیلت اور حسن کردار کو بیان کرنا تھا، نہ کہ مسئلہ خلافت کو بیان کرنا تھا۔ لیکن غدیر خم کے واقعہ کو بعض لوگوں نے بڑی اہمیت دی اور اس سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل ثابت کرنے کے لیے ناکام کوشش کی۔ حالانکہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک مضطرب ہے اور مضطرب حدیث شدید قسم کی ضعیف اور ناقابل قبول ہوتی ہے خواہ اس کی سند کتنی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو۔ دوسرے اس حدیث کا راوی میمون ابوعبداللہ ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی روایات منکر ہوتی ہیں۔ یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص لاشی ہے۔ خود شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ یہ ایک رذیل انسان ہے۔

لغت عرب میں ''مولیٰ'' کے ۲۲ معنی لکھے ہیں۔ (المنجد وغیرہ) مگر اس کے معنی حاکم اور خلیفہ کے نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا: ''انت اخونا و مولانا'' (مشکوٰۃ: ص ۲۹۳) تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاکم تھے۔ ایسے ہی یہ لفظ قرآن حکیم میں بھی کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ وہاں بھی اس کے معنی ''حاکم'' کے نہیں ہیں۔ اس حدیث میں یہ لفظ ''عداوت'' کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے ''اولیٰ بالمحبة'' اس سلسلہ میں صاحب لسان العرب نے بھی بڑی اچھی بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ مولیٰ کے معنی محبت اور دوستی کے ہیں۔ تاج العروس باب الوالی میں ہے کہ

''اگر ولی بمعنی اسم فاعل ہو تو بمعنی مطیع و فرماں بردار ہوگا، اور اگر بمعنی اسم مفعول ہو تو بمعنی محسن و منعم ہوگا یعنی جس پر احسان یا انعام کیا گیا ہو۔''

علماء نے لکھا ہے کہ لغت عرب میں ولایت بکسرہ واؤ یا بفتحہ واؤ بمعنی حکومت اور سلطنت کے نہیں آتے، اور ولایت بالفتحہ تو ہمیشہ نصرت کے معنی میں آتا ہے۔ نیز لفظ مولیٰ مطلق بغیر اضافت بمعنی حاکم نہیں آتا، ہاں کسی جزوی امر کی طرف اس کی اضافت ہو تو اس وقت اس کے معنی متولی ثابت ہوگا جیسے ولی المسجد یا ولی البیت، مگر لغت عرب میں مولیٰ بمعنی اولیٰ نہیں آتا چہ جائیکہ بالتصرف کے معنی لیے جائیں۔ چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ نے اس بارے میں اپنی تفسیر میں بڑی نفیس بحث کی ہے۔ (تفسیر کبیر: ۸/۱۹۳)

اس حدیث سے کسی صورت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت نہیں ہوتی۔ چنانچہ مشہور

Marfat.com

شیعہ عالم شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ نے لکھا ہے کہ ''اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کبھی دعویٰ امامت کا اظہار نہیں کیا سوائے اس زمانے کے جب ان کی بیعت ہوئی۔'' (شافی: ص ۱۱۵)

یہی وجہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے اور کسی فرد نے اس حدیث کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے استحقاق خلافت کے لیے پیش نہیں کیا۔ سند کے لحاظ سے بھی یہ حدیث صحیح نہیں اور معتبر طریقہ سے ثابت نہیں۔ (ملاحظہ ہو نسب الرایہ: ۳۶۰/۱، منہاج السنہ: ۸۶/۴)

سانحہ جانکاہ

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر اخیر ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ مدینہ منورہ پہنچے۔ ماہ صفر سنہ ۱۱ھ کے اخیر میں دفعتاً آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی اور طبیعت کی یہی ناسازی آپ کے انتقال کا باعث ہوئی۔ وفات سے پانچ روز قبل جب مرض میں شدت ہوئی تو جو لوگ کاشانہ نبوت میں موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ تاکہ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں، اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ یہ سن کر اہل مجلس اختلاف کرنے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ چونکہ بیمار ہیں اور مرض کی شدت ہے، لہٰذا ایسی حالت میں آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں ہو گا۔ اللہ کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے۔ بعض حضرات نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور بعض نے کہا کہ کاغذ اور قلم دوات لا کر لکھوا لینا چاہیے۔ آپ سے پوچھ لو کہ کیا آپ جدائی اور فراق اختیار کر رہے ہیں۔ (بخاری: ۶۳۸/۲-۸۴۶، ۴۲۹/۱-۴۴۹، مسند احمد: ۲۲۲/۱)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ''قد غلب علیه الوجع'' کہنا ان کے کمال عشق و محبت کی دلیل ہے اور آپ کے درد کا احساس ہے، اور ''عندکم القرآن'' کہنا دراصل ''الیوم اکملت لکم دینکم'' کی طرف اشارہ تھا۔ گویا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ایک محبت بھرا مشورہ تھا۔

آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت لکھوانا چاہتے تھے جیسا کہ بخاری: ۱۰۷۲/۲ کی روایت سے پتہ چلتا ہے، کیونکہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں، لیکن آپ نے یہ معاملہ قضا و قدر اور اجماع پر چھوڑ دیا اور اس کو لکھوایا نہیں، کیونکہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔'' تو ہو سکتا ہے کہ نبوت نے سمجھ لیا ہو کہ جب یہ کتاب اللہ کو کافی سمجھ رہے ہیں تو

Marfat.com

کتاب اللہ میں نبی کے بعد صدیق ہی کا درجہ ہے، لہذا نبی کا جانشین اور خلیفہ صدیق ہی ہوگا۔

آخر دوشنبہ (پیر) کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمایا۔ تاریخ وفات ۱۲/ربیع الاول سنہ ۱۱ھ ہے۔ (فتح الباری: ۹۸/۸، زرقانی: ۱۱۰/۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں آپ کے قریب ترین عزیز تھے، اس وجہ سے تجہیز و تکفین کے تمام افعال انہی کے ہاتھوں انجام پائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم رضی اللہ عنہما کروٹیں بدلتے تھے اور سیدنا اسامہ بن زید اور سیدنا شقران رضی اللہ عنہما پانی ڈال رہے تھے۔

(مستدرک حاکم: ۱۱۱/۳، البدایہ والنہایہ: ۲۶۰/۵، طبری: ۴۵۱/۲)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ وفات نبوی کے بعد

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک دور بعثت نبوی سے شروع ہوا اور وفات نبوی پر ختم ہوگیا۔ اس ۲۳ سالہ دور میں کچھ عرصہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نابالغیت کا تھا، لیکن ہجرت نبوی کے بعد مختلف جنگوں میں آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیے اور دامادی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے صحیح معنوں میں ان کا ایک مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پیدا ہوا۔ وفات نبوی کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا جس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت ابھر کر سامنے آئی اور ان کی علمی، فکری اور عملی خصوصیات مملکت اسلامیہ اور ملت اسلامیہ کے کام آئیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ عہد صدیقی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سب سے پہلے آپ کی جانشینی کا مسئلہ پیش آیا۔ آپ کے انتقال کے جانکاہ واقعہ اور جانگداز حادثہ کے تھوڑی دیر بعد انصار مدینہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا مسئلہ زیر بحث آ گیا۔ اس مسئلہ کو سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم نے نہایت خوبصورتی سے حل فرمایا جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب سیرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں دی ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پہلے روز بیعت ۱۳/ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کو شام کے وقت سقیفہ بنی ساعدہ

Marfat.com

میں ہوئی، لیکن اس بیعت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ شامل نہ تھے اور نہ ہی بنو ہاشم کے بزرگ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ دوسرے روز مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی۔ اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور بنو ہاشم کے تمام افراد موجود تھے، اور ان سب نے بلا توقف سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(البدایہ والنہایہ: ۲۴۹/۵، ۳۰۴/۶، سنن کبریٰ بیہقی: ۱۴۳/۸، طبری: ۴۴۷/۲، انساب الاشراف: ۵۸۵/۱، ابن ابی الحدید: ۵۰/۲)

ابن شہاب زہری کی روایات میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ اس عرصہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں مشورے ہونے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دھمکی دی کہ "اے فاطمہ! اگر تیرے گھر میں اس قسم کے مشورے ہوتے رہے تو میں تمہارے گھر کو جلا دوں گا۔" جہاں تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا چھ ماہ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کا تعلق ہے تو یہ ابن شہاب زہری کا روایت میں ادراج ہے۔ اور جہاں تک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جلانے کی روایت کا تعلق ہے تو وہ روایت بالکل موضوع اور ایک فرقہ کی ذہنی فکر اور قلبی بغض کا نتیجہ ہے۔

کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ خلافت کے بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا، اور سیدنا علی، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہما کے پورے دور خلافت میں ان سے پورا پورا تعاون فرماتے رہے اور پوری زندگی ان کی تحسین و تعریف فرماتے رہے۔ اور آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے میں کوئی تاخیر نہیں کی تھی بلکہ تعجیل سے بیعت کی تھی۔

(احتجاج طبرسی: ص ۵۰)

آپ پانچ وقت کی نمازیں بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھتے تھے۔

(کتاب سلیم بن قیس الہلالی: ص ۲۲۴، احتجاج طبرسی: ص ۵۳)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب زمام خلافت سنبھالی اور لوگوں کو جہاد و قتال کی ترغیب دی تو سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر اپنی ناقہ پر سوار ہو کر برہنہ تلوار لیے ہوئے مدینہ منورہ سے باہر نکلے۔ یہ وادی ذوالقصہ کی طرف ایک اہم اقدام تھا لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سواری کی باگ تھام لی اور کہا: "اے خلیفہ رسول! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ میں آپ کو وہی بات یاد دلاتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز فرمائی تھی۔

Marfat.com

آپ اپنی تلوار کو نیام میں کریں اور اپنی ذات کے بارے میں ہمیں کسی پریشانی میں نہ ڈالیں، بخدا! اگر ہمیں آپ کی ذات کے بارے میں کوئی تکلیف پہنچی تو آپ کے اسلام کے لیے کوئی صحیح نظم قائم رہنا ناممکن ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس بات پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واپس مدینہ تشریف لے آئے اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر ذوالقصہ چلا گیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۶/۳۱۵)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تقسیم خمس کی تولیت بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تھی۔ چنانچہ آپ بنو ہاشم کو اموال خمس تقسیم فرماتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ان اموال کی تولیت آپ ہی کے پاس تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس تولیت کو قائم رکھا۔

(المصنف لابن ابی شیبہ: ۱۲/۴۷۰، کتاب الخراج لابی یوسف: ص ۲۰، مسند احمد بن حنبل: ۱/۸۵)

علاوہ ازیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے دینی امور اور انتظامی امور میں مشاورت فرماتے تھے۔ (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد: ۲/۱۰۹، یعقوبی: ۲/۱۳۸)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رومیوں پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ پھر آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے رائے طلب فرمائی تو انہوں نے اس مہم کو انجام دینے کا مشورہ دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے بہت اچھی خوش خبری دی۔ (تاریخ یعقوبی: ۲/۱۳۲)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت فاروقی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے دو برس تین ماہ گیارہ روز بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی وفات ۲۲ رجمادی الآخرۃ سنہ ۱۳ھ بروز پیر مغرب اور عشاء کے درمیان ہوئی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کا سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ اسی صدمہ کی حالت میں آپ نے فرمایا:

الیوم انقطعت خلافة النبوة۔

''آج خلافت نبوت منقطع ہوگئی ہے۔''

پھر آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر ایک نہایت فصیح و

Marfat.com

بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب اور اسلام کے لیے ان کی خدمات کا تذکرہ فرمایا۔ اس خطبہ کو ہم نے اپنی کتاب ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار'' میں نقل کیا ہے۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ المبشرۃ: ۱۸۳/۱، منتخب کنز العمال: ۳۶۶/۴)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیماری کی شدت کے دوران سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد فرمایا۔ روایات میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بالا خانے میں تشریف اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اے لوگو! خلافت کے بارے میں، میں نے ایک عہد کیا ہے، کیا تم اس پر رضا مند ہو؟'' سب لوگوں نے جواب دیا کہ ''ہم اس پر راضی ہیں۔'' لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سوا ہم کسی دوسرے شخص پر راضی نہیں ہوں گے۔'' (اسد الغابہ: ۷۰/۴، تاریخ الخلفاء: ص ۸۲)

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ سب لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے ایک خاص قسم کی دلی محبت تھی اور وہ ان کے نزدیک نجیب امت، القوی الامین، خلیل وصدیق، امام ہدایت اور راشد ومرشد غرض کہ کئی قسم کی عظمتوں کے مستحق تھے۔

(مسند احمد: ۱۴۲/۱، طبقات ابن سعد: ۱۴۹/۳، تاریخ کبیر بخاری: ۱۴۵/۳، عمر بن خطاب لابن جوزی: ص ۱۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ جس طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شوریٰ کے رکن اور ان کے دینی اور انتظامی امور میں مشیر تھے، اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بھی مشیر اور مشاورتی کونسل کے ایک اہم رکن تھے۔ پھر افتاء وقضاء کا کام بھی آپ کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۱۰۹/۲، البدایہ والنہایہ: ۳۱/۷)

علاوہ ازیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب کبھی مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو مدینہ میں اپنا قائم مقام اکثر دفعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بنایا۔

(البدایہ والنہایہ: ۳۵/۷-۵۵، ابن خلدون: ۱۰۶/۲، طبری: ۲۰۳/۴)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ داماد علی رضی اللہ عنہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا باہمی اتحاد ویگانگت اس درجہ کا تھا کہ ان کی باہمی رشتہ

Marfat.com

داری اور مصاہرت ہوگئی۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، کا نکاح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کر دیا گیا۔ یہ نکاح سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خود کیا اور ذی قعدہ سنہ ۱۷ھ کو منعقدہ ہوا۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک صاحبزادہ زید رضی اللہ عنہ اور ایک صاحبزادی رقیہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھیں۔ یہ رشتہ داری ان دونوں بزرگوں کے باہمی تعاون اور یگانگت کی ایک بے نظیر مثال ہے جس کا اقرار شیعہ اور سنی دونوں نے کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو فروع کافی: جلد دو، باب تزویج ام کلثوم رضی اللہ عنہا، الاستبصار: جلد ۳، ابواب العدۃ، تہذیب الاحکام، باب عدۃ النساء وغیرہ)

یکم محرم الحرام سنہ ۲۴ھ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابولؤلو مجوسی ایرانی کے ہاتھوں زخمی ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ان کی شہادت کا بہت صدمہ تھا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ آپ کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئیں اور دوسرے اس وجہ سے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت اسلام کے لیے ایک عظیم حادثہ تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر رو رہے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ رونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: ''عمر کی موت پر رو رہا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ کی موت اسلام میں ایک ایسا شگاف ہے جو قیامت تک بھی پُر نہ ہو سکے گا۔'' (الفتوحات الاسلامیہ: ۴۲۹/۲)

مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے موقع پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا:

''اے ابوحفص! اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں جس کے نامہ اعمال کے ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند کروں۔'' (مسند احمد: ۱۰۹/۱)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت عثمانی میں

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے قبل ایک چھ رکنی کمیٹی ترتیب دی جس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جانشین کا انتخاب کرنا تھا۔ اس کمیٹی کے رکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ چنانچہ شہادت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد مجلس مشاورت کے اراکین خلافت کی گتھی سلجھانے کے لیے جمع ہوئے۔ کمیٹی کے سارے ارکان

Marfat.com

نہایت مخلص اور عشرہ مبشرہ کے صحابی تھے۔ دو تین روز کے بحث و مباحثہ اور تگ و دو کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ سب سے پہلے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور بخاری میں ہے کہ ان کے بعد دوسرے نمبر پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی اور پھر دوسرے تمام حضرات نے باری باری ان کی بیعت کی۔ (بخاری: ۵۲۵/۱، السنن الکبریٰ بیہقی: ۱۵۱/۸)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۴۷/۷، طبقات ابن سعد: ۴۲/۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کے عہد خلافت میں پورا پورا تعاون کیا بلکہ آپ کے صاحبزادگان سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما بھی آپ کے زمانہ خلافت میں مختلف محاذوں پر شریک جہاد رہے۔ جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ'' میں دی ہے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۱۵۴/۷، طبری: جلد ۳) بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں یزدگرد شاہ ایران کی دو لڑکیاں مال غنیمت میں آئیں۔ آپ نے ان میں سے ایک لڑکی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور دوسری سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرما دی۔ سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہ (زین العابدین) اسی لڑکی کے بطن سے تھے۔ (تنقیح المقال للمامقانی: ۸۰/۳)

شورش کے زمانے میں بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ پھر ایک وقت وہ بھی آیا جب آپ نے قصر خلافت کی حفاظت کے لیے اپنے دونوں صاحبزادگان سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کو دوسرے صحابہ زادوں کے ساتھ متعین فرمایا۔

(ابن اثیر: ۸۷/۳، البدایہ والنہایہ: ۱۷۶/۷-۱۸۱، تاریخ خلیفہ بن خیاط: ص ۱۵۱، انساب الاشراف: ۶۸/۵)

اور یہ دونوں صاحبزادگان امیر المومنین کی حفاظت میں زخمی بھی ہو گئے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے

روایات کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ۱۸/ذی الحجہ سنہ ۳۵ھ بروز جمعہ نماز عصر کے وقت ہوئی۔ اور ہفتہ کی رات یعنی ۱۹/ذی الحجہ کو مغرب اور عشا کے درمیان جنت البقیع میں حش کوکب کے مقام پر آپ کو دفن کر دیا گیا۔ آپ کی شہادت کے بعد تین روز تک اور بعض روایات

Marfat.com

کے مطابق ۵ روز تک مسند خلافت خالی رہی۔ تین روز کے بعد سبائیوں نے امیر کی تلاش شروع کر دی، اور انہوں نے مختلف حضرات پر خلافت قبول کرنے کا دباؤ ڈالا لیکن کسی نے ان کے دباؤ کو قبول نہ کیا۔ بالآخر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اس دفعہ مالک الاشتر بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے آتے ہی آپ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کی بیعت کی۔ اس کے بعد اس کے سارے ساتھیوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ بعد میں اہل کوفہ اور دوسرے سبائی فخر سے یہ کہا کرتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سب سے پہلے مالک الاشتر نے کی تھی۔ غرض کہ ۲۵/ذی الحجہ سنہ ۳۵ھ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور ان ہی لوگوں نے سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جو قتل عثمان میں پیش پیش تھے، لہٰذا کئی جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے جن میں عشرہ مبشرہ کے حضرات بھی شامل تھے، آپ کی بیعت سے گریز کیا۔ (خطط الشام: ۱۳۶/۱) جن میں سیدنا اسامہ بن زید، سیدنا ابوسعید الخدری، سیدنا قدامہ بن مظعون، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا محمد بن مسلمہ، سیدنا حسان بن ثابت، سیدنا کعب بن مالک، سیدنا مسلمہ بن مخلد، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا زبیر بن عوام، سیدنا طلحہ بن عبیداللہ، سیدنا عبداللہ بن سلام، سیدنا رافع بن خدیج اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل تھے۔ اسی وجہ سے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

> ''مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نصف یا زیادہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی، اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔'' (منہاج السنہ: ۲۳۷/۲)

مختصر یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے۔ مسند خلافت پر تشریف فرما ہونے کے بعد جب جمعہ کا دن آیا آپ نے ایک خلیفہ کی حیثیت سے اپنا سب سے پہلا خطبہ ارشاد فرمایا۔

(البدایہ والنہایہ: ۲۲۷/۶، طبری: ۴۵۷/۳)

مدینہ طیبہ کی حالت

سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ تو بن گئے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سفاکانہ قتل پر سارا مدینہ مضطرب اور ایک عجیب بحرانی کیفیت میں تھا۔ کیونکہ اہل مدینہ دیکھ رہے تھے کہ وہی مالک الاشتر، وہی محمد بن ابی بکر، وہی کنانہ بن بشر اور وہی غافقی بن حرب جو کل تک قاتلان عثمان میں سے تھے، آج

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گردو پیش پھر رہے ہیں۔ مدینہ کی سیاست پر ان کا پورا کنٹرول تھا اور کچھ پتہ نہیں کہ حالات کیا کروٹ لینے والے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور بنوامیہ کی ایک بہت بڑی تعداد مدینہ چھوڑ کر مکہ چلی گئی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی موجودہ حالت کو دیکھ کر فرمایا کہ مدینہ سے باہر نکل کر ایک قومی محاذ قائم کیا جائے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس سفاکانہ قتل کا قصاص لیا جائے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات چند صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں مکہ مکرمہ چل دیے۔

بعض روایات میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے مجبوراً بیعت کی، لیکن روایات میں یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے ابتدا میں کسی قدر تردد کے بعد بیعت کی اور یہ شرط لگائی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے گا۔ پھر جب دیکھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایسا نہیں کر رہے تو ان کے اجتہاد نے ان کی یہ راہ نمائی کی کہ حدود الٰہی کا قیام بے حد ضروری ہے اور قاتلان عثمان سے قصاص از بس لازم ہے اگرچہ اس مقصد کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اقدام ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ یہیں سے نئے معاملات شروع ہوئے۔ چنانچہ وہ دونوں مدینہ سے نکل گئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس مکہ پہنچ گئے جو حج کے لیے وہاں گئی ہوئی تھیں۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ معاشرہ میں ان کا بڑا مقام تھا۔ یہ ان چھ حضرات میں سے تھے جنہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے نامزد کیا تھا۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تردد کا شکار ہو کے گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ ان سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کوئی خطرہ نہ تھا جیسے سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا اسامہ بن زید، سیدنا کعب بن مالک اور سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کا معاملہ ہنوز نامکمل تھا کہ لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے میں تاخیر کر رہے ہیں۔ نیک فطرت حضرات میں ایک اشتعال کی کیفیت تھی۔ اسی سے آئندہ چل کر ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا حتیٰ کہ معاملہ پھیلتے پھیلتے خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا۔

قاتلان عثمان سے قصاص لینے کا معاملہ نے ایک نازک صورت اس طرح اختیار کر لی کہ بنوامیہ کی اکثریت مدینہ سے چلی گئی اور وہ دمشق وغیرہ چلے گئے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے روز بروز مشکلات بڑھ رہی تھیں کیونکہ قاتلان عثمان سیدنا

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ کو کئی ایسی باتوں پر مجبور کر رہے تھے جو سیاسی طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے زیادہ مشکلات پیدا کر سکتی تھیں۔ اب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ بغیر کسی نوٹس کے گورنروں کو بدل دیا جائے۔ خصوصی طور پر ان حضرات کو جو خلافت عثمانی میں گورنر تھے اور ان کی جگہ دوسرے حضرات کو گورنر مقرر کیا جائے جن میں کئی حضرات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عزیز تھے۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس عزم صمیم کا علم ہوا تو وہ تشریف لائے اور ہمدردانہ عرض کیا:

"میری رائے میں معاویہ رضی اللہ عنہ و عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور دوسرے گورنروں کو فی الحال اپنے اپنے منصب پر قائم رکھنا مناسب ہے۔ حتیٰ کہ عوامی بیعت اور لشکروں کی وفاداری کے پروانے آ جائیں۔ اس کے بعد آپ کی مرضی، انہیں تبدیل کریں یا باقی رکھیں۔ تاہم آپ کو انکار ہے تو جس کو چاہیں ہٹا دیں لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ چھیڑیں۔ ان میں جرأت ہے اور اہل شام ان کی بات مانتے ہیں۔ ان کو باقی رکھنے میں ایک وجہ جواز یہ ہے کہ انہیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نہیں بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا گورنر مقرر کیا تھا۔"

یہ رائے سامنے آئی تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ انہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کی رائے سے آگاہ کیا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

"مغیرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی ہمدردی کی بات کی ہے۔ اگر آپ ان کو معزول کر دیں گے تو لوگ کہیں گے کہ مشورہ کے بغیر اتنا بڑا کام کر ڈالا۔ آپ پر معترض ہوں گے اور اہل شام اور اہل عراق چڑھ دوڑیں گے۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور فرمایا:

"امر خلافت کی اتباع لازم ہے۔ بعض گورنروں میں صلاحیت نہیں ہے، اس لیے وہ مداہنت دیکھ سکتے ہیں اور نہ مزید صبر سے کام لے سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے اعمال کا بوجھ اٹھانے کی پوزیشن میں ہے۔ ادھر ظلم یہ ہے کہ بھاگ کر جانے والے مخالفین کے لیے یہ لوگ جائے امن ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ انہیں فی الفور بدلا جائے اور دوسرے لوگ مقرر کر دیا جائیں، ورنہ تو یہ لوگ قوت پکڑ لیں گے۔"

چنانچہ انہوں نے فوری فیصلہ کے طور پر

Marfat.com

① سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو بصرہ

② سیدنا عمارہ بن شہاب رضی اللہ عنہ کو کوفہ

③ سیدنا عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو یمن

④ سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو مصر اور

⑤ سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو شام گورنر بنا کر بھیج دیا

ان گورنروں میں سے سیدہ عمارہ اور سیدنا سہل بن حنیف اپنے اپنے مستقر پر نہ پہنچ سکے اور واپس آکر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو رپورٹ دی کہ انہیں کس طرح داخلہ سے روکا گیا۔ اب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس رخ پر سوچنا شروع کر دیا کہ وہ کیسے وسائل کو کام میں لائیں کہ ساری مملکت کو خلیفہ کے سامنے سرنگوں کر سکیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک اچھی خاصی تعداد حج بیت اللہ کے سلسلے میں پہلے ہی مکہ میں مقیم تھی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے مکہ پہنچ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ کے حالات سے آگاہ کیا اور مدینہ بھاگ کر آنے کی وجہ بتائی۔ اس طرح سے بغیر کسی مشاورت کے ایک قومی محاذ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے کے لیے تیار ہو گیا۔

جنگ جمل

یہ سارا قومی محاذ سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی قیادت میں بصرہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ اسی اثنا میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ ایک لشکر کے ساتھ بصرہ پہنچ گئے ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی آپ نے بصرہ جانے کا مصمم ارادہ فرما لیا، اور اس سلسلہ میں اہل مدینہ کو اپنے ساتھ تعاون کے لیے کہا۔ طبری کی روایت کے مطابق صرف چھ بدری صحابہ نے تعاون کا اظہار فرمایا اور اکثر اہل مدینہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ حکم گراں گزرا۔

(طبری: ۴۶۶/۳، ابن اثیر: ۱۹۸/۳)

بہر حال سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ فریقین کا مقصد نیک تھا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ صلح کی جو بات چیت مدینہ طیبہ میں بیٹھ کر ہونی چاہیے تھی اس کی سلسلہ جنبانی کا آغاز میدان کارزار میں ہوا۔

Marfat.com

دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے تھیں اور دونوں طرف کی یہ خواہش تھی کہ گفت وشنید کے ذریعہ صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ بالآخر دونوں فریق بعض خیر خواہان امت کی کوششوں سے صلح پر راضی ہو گئے۔ سبائیوں کے سرغنوں کو جب پتہ چلا کہ دونوں فریق صلح پر متفق ہو گئے ہیں تو انہوں نے کافی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ قبل اس کے کہ دونوں فریق مزید غور وفکر کریں، تم لوگ جنگ چھیڑ دو اور جب جنگ کا شعلہ بھڑک اٹھے گا تو پھر دونوں پارٹیاں اپنے اپنے دفاع کے لیے جنگ پر مجبور ہو جائیں گی۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ ظلمت شب نے ابھی اپنے کاکل سیاہ سمیٹے نہیں تھے اور رات کی تاریکی ابھی چھٹنے نہ پائی تھی کہ ان فتنہ پردازوں اور شورش پسندوں نے اپنے خفیہ پلان کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے شرائط صلح سے اتفاق کرنے کے باوجود دھوکہ سے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ یہی خیال سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے لوگ اصحاب جمل کے بارے میں کرنے لگے۔ اصلی صورت حال کیا ہوئی دونوں گروہ اس سے بے خبر تھے۔ (تفسیر قرطبی: ۳۱۸/۱۶، البدایہ والنہایہ: ۲۴۷/۷)

مختصر یہ کہ سبائیوں کے اس حملہ نے ایک بڑی خوفناک جنگ کی صورت اختیار کر لی جس میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ جیسے لوگ شہید ہو گئے اور تاریخ کے صفحات سے پتہ چلتا ہے کہ اس جنگ میں ۱۰ ہزار آدمی کام آئے جن میں سبائیوں کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنگ کی اس خون ریزی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بڑی حسرت سے اپنے صاحبزادے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''بیٹا! کاش تیرا باپ بیس سال قبل اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہوتا۔'' یہ سن کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''ابا جان! کیا میں نے آپ کو روکا نہیں تھا؟'' آپ نے فرمایا: ''بیٹا! مجھے توقع نہیں تھی کہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا۔'' (تاریخ الاسلام ذہبی: ۱۵۱/۲)

جنگ صفین

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ ہی ملکی انتظامیہ میں تبدیلی کر دی، چنانچہ آپ نے قریباً تمام گورنروں کو معزول کر کے ان کی جگہ کچھ اپنے خاندان میں سے اور کچھ سبائیوں میں سے گورنر مقرر کر دیے۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۲۷/۷، ابن اثیر: ۱۰۳/۳)

اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عثمانی گورنروں کو اتنی جلدی معزول کرنے سے روکا

Marfat.com

لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہ مانی۔ (اخبار الطوال: ص۱۴۲، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۱۶۶)

صفر سنہ ۳۶ھ میں یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قریباً تین ماہ بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ایک قاصد کے ذریعہ پتہ چلا کہ شام قاتلان عثمان سے قصاص لینے پر تلا ہوا ہے۔ انہوں نے اس بات کا عزم کرلیا ہے کہ جب تک وہ اس خون ناحق کا قصاص نہیں لے لیں گے اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں گے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۷/۲۲۹، ابن اثیر: ۳/۱۰۴)

یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ کو روکا لیکن شنوائی نہ ہوئی۔ آپ نے محمد بن حنفیہ کو علم بردار لشکر، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو میمنہ پر، سیدنا عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کو میسرہ پر، ابولیلیٰ کو مقدمۃ الجیش پر امیر مقرر فرمایا۔ غرضیکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے بھی جوابی کارروائی کے طور پر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ دونوں طرف سے جنگ کی تیاریوں کو دیکھ کر بہی خواہان امت کو پھر پریشانی لاحق ہونے لگی کیونکہ جنگ جمل کے شہداء کا خون ابھی خشک نہیں ہوا تھا کہ یہ دوسرا خون ریز مرحلہ امت کے سامنے پیش آ گیا۔ چنانچہ خیر خواہان امت نے دونوں میں مصالحت کرانے کی کوششیں کیں لیکن کوئی کوشش بار آور نہ ہوئی اور دونوں لشکر اپنے اپنے شہروں سے چل کر صفین کے میدان میں ایک دوسرے کے سامنے خیمہ زن ہو گئے۔ میدان جنگ میں بھی بشیر بن عمرو انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شیث بن ربعی وغیرہ نے دونوں کی مصالحت کی کوشش کی لیکن کوئی کوشش کارگر ثابت نہ ہوئی اور صفر سنہ ۳۷ھ میں جنگ شروع ہوگئی۔ آخر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ "ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قرآن حکم ہے۔" (ھذا حکم بیننا وبینکم) اس سے جنگ رک گئی لیکن جنگ رکنے کے ساتھ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ اس معرکہ میں کس قدر خون ریزی ہوئی اس کا اندازہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے: "اہل شام کی تعداد ۶۰ ہزار تھی جن میں سے ۲۰ ہزار قتل ہو گئے جب کہ اہل عراق کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی جن میں سے ۴۰ ہزار مقتول ہوئے۔" (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۷۵)

تحکیم

جنگ بند ہونے کے بعد باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ دونوں جانب سے ایک ایک حکم

Marfat.com

مقرر کیا جائے اور وہ متنازعہ فیہ مسئلہ کا کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں، اور وہ فیصلہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہوگا۔ جو فریق اس فیصلہ کو نہ مانے اس کے خلاف دوسرے فریق کی امداد کی جائے۔ اس قرارداد کے بعد اہل شام کی طرف سے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حکم مقرر ہوئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کیا گیا۔ ان دونوں حکموں نے قریباً چھ ماہ کی گفت وشنید سے ایک معاہدہ مرتب کیا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ فیصلہ تحکیم وہ نہیں تھا جس کو ہماری اردو میں لکھی ہوئی کتابوں میں درج کیا گیا ہے۔ یہ ایک لکھا ہوا فیصلہ تھا جس پر دونوں ثالثوں کے دستخط تھے اور جو پڑھ کر سنایا گیا تھا۔

(ملاحظہ ہو طبری: ۲۹/۶، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ: ۲۹/۲، مسعودی: ۲۷/۱، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: ص ۴۲)

ثالثوں نے جو فیصلہ کیا وہ کچھ یوں تھا:

"دونوں ثالث اس بات پر متفق تھے کہ حق دونوں جانب ہے اور یہ دونوں حضرات اپنے اپنے موقف میں مخلص ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ طلب قصاص میں اور علی رضی اللہ عنہ طلب بیعت میں، اور ان کے درمیان جو اختلاف ہے وہ اجتہادی اختلاف ہے (یعنی ایک نے قصاص عثمان کو ہاتھ میں لے کر اور دوسرے نے تلوار ہاتھ میں لے کر۔) اور یہ اختلاف نگاہ شریعت میں ایسا اختلاف ہے جس میں صواب وخطا دونوں میں ثواب ملتا ہے۔ لیکن ان لشکروں میں جو لوگ فتنہ پردازی کی غرض سے شامل ہیں وہ گنہ گار اور واجب القتل ہیں اور انہی کے قتل کا مطالبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کر رہے ہیں، لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بالفعل صحیح ہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاتلان عثمان سے قصاص کا مطالبہ درست ہے۔ اس وجہ سے دونوں کو اپنے اپنے موقف سے معزول کیا جائے یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ قصاص کا مطالبہ اپنے ہاتھ میں نہ لیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ تلوار روکیں۔ موقف کی معزولی کو مؤرخین نے خلافت سے معزولی پر محمول کیا ہے حالانکہ خلافت کے دعویٰ دار صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے نہ کہ دونوں حضرات۔ لہٰذا دونوں کی معزولی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پھر اس امر خلافت کا فیصلہ ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتماع میں ہو جن سے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھا۔" (العواصم من القواصم: ص ۱۷۸)

Marfat.com

کیونکہ اتنے بڑے قضیے کا فیصلہ ہمارے بس کا روگ نہیں۔ اس فیصلے کے لیے سب سے پہلے رائے عامہ کو ہموار کرنا ضروری ہے اور اگر ہم ابھی فیصلہ کر بھی دیں تو ایسے فیصلے کا کوئی فائدہ نہیں جس کو منوانے کے لیے پشت پر طاقت نہ ہو۔ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جب اس امر خلافت کا فیصلہ کرے گی تو وہ فیصلہ بہت جلد نافذ ہوگا۔

(البدایہ والنہایہ: ۲۸۳/۷، مروج الذہب: ۲۷/۱، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: ص ۱۷۱، حسن ابراہیم حسن)

فیصلہ تحکیم کے بعد حجاز، عراق اور مشرق کا پورا علاقہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، اور مصر، شام اور مغرب کا پورا علاقہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا، اور شرط یہ قرار پائی کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے علاقے پر دست اندازی نہیں کرے گا۔

(ابن اثیر: ۱۹۳/۳، البدایہ والنہایہ: ۳۲۳/۷)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک فرقہ خوارج پیدا ہو گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو تحکیم کے معاملہ میں بارہ ہزار کی تعداد میں آپ کے لشکر سے الگ ہو گئے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خود اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی معرفت ان کو بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے۔ رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی شکل اختیار کر لی اور وہ خوارج کہلائے۔

خوارج یہ سمجھتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ملت اسلامیہ کے امن کو پارہ پارہ کر رکھا ہے، لہٰذا ملت اسلامیہ کی خیر خواہی اس میں ہے کہ ان تینوں اشخاص کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دیا جائے۔ چنانچہ چند خارجیوں نے حج کے موقع پر اکٹھے ہو کر اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ ان تینوں حضرات کو ختم کر دیا جائے تا کہ امت کو خانہ جنگی سے نجات مل سکے۔ تجویز یہ پاس ہوئی کہ ان کے قتل کے ”نیک کام“ کو رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں نماز کی حالت میں انجام دیا جائے۔ چنانچہ خوارج میں سے تین آدمیوں نے اس ”نیک کام“ کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ عبدالرحمٰن بن ملجم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو برک بن عبداللہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور عمرو بن بکر نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ان تینوں نے آپس میں حلف اٹھائے۔ اپنی اپنی تلواروں کو زہر میں بجھایا اور فیصلہ کیا کہ

Marfat.com

۱۷ ررمضان المبارک کو ہر شخص رات اس شہر میں گزارے جہاں اس نے یہ ''بابرکت'' کام انجام دینا ہے۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ تینوں حضرات کو ایک ہی روز نماز فجر کے وقت شہید کیا جائے تا کہ اس سازش کا انکشاف نہ ہو۔ چنانچہ ۱۷ ررمضان المبارک ۴۰ھ کو فجر کی نماز میں تینوں حضرات پر زہر آلود خنجروں سے حملہ کیا گیا۔ دو حضرات (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) تو بچ گئے لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب نماز فجر کے لیے مسجد کی طرف تشریف لائے تو عبدالرحمٰن بن ملجم نے آپ پر حملہ کر دیا۔ حملہ کرتے وقت اس نے یہ نعرہ لگایا:

لا حكم الا لله ليس لك ولا لاصحابك يا علي!

''یعنی حکم صرف اللہ کا ہے، اے علی! تمہارا یا تمہارے ساتھیوں کا نہیں۔''

زہر آلود خنجر آپ کی مبارک پیشانی پر لگا اور ایک کاری زخم آیا۔

(طبری: ۸۴/۶، مروج الذہب: ۴۱/۲)

آپ نے آواز دی۔ لوگ دوڑتے ہوئے آئے۔ عبدالرحمٰن بن ملجم پکڑا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں مسجد میں لایا گیا۔ ابن ملجم کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے چند سوال کیے، پھر فرمایا: ''اس کو آرام سے رکھا جائے اور کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔'' پھر فرمایا: ''اگر میں اس زخم کی وجہ سے انتقال کر گیا تو اللہ کے حکم کے مطابق قاتل کو قصاص میں قتل کر دینا، لیکن اگر میں صحت یاب ہو گیا تو پھر اس معاملہ میں، میں خود غور کروں گا۔

زخم کاری تھا اور خنجر بھی زہر آلود تھا، لہٰذا جانبر ہونے کی امید کم تھی، لہٰذا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''بیٹا! میری وفات کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لینا اور ان کے امیر المؤمنین ہونے سے کراہت نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو بھی کھو دیا تو پھر امت میں ایسا اختلاف واقع ہو گا جس کے تلخ ترین نتائج تمہیں بھی بھگتنے پڑیں گے۔'' (ابن اثیر: ۳۶/۳، ازالۃ الخلفاء: ۲۸۳/۲)

زہر لحہ بہ لحہ اپنے اثرات دکھا رہا تھا۔ چنانچہ تین روز موت وحیات کی کشمکش کے بعد ۲۰ ررمضان المبارک کو آپ اس دار فانی سے انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۵۸ سال تھی اور ایک روایت کے مطابق ۶۳ سال۔ مدت خلافت ۴ سال ۹ ماہ۔ سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہم اور آپ کے داماد اور بھتیجے سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے غسل دیا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر آپ کو دار الامارۃ میں

Marfat.com

سپرد خاک کر دیا گیا۔ (طبری: ۱۶۶/۴، البدایہ والنہایہ: ۳۳۰/۷، ۴۴/۸)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کوفہ میں ہوئی جو آپ کے شیعوں کا گڑھ تھا لیکن آپ کے جنازہ میں ایک شیعہ بھی شریک نہ ہوا۔ آپ کے جنازہ میں کون کون شریک تھا: ''سیدنا حسن، سیدنا حسین رضی اللہ عنہما اور دو شخص جنازہ لے کر نکلے یعنی جنازہ میں صرف چار آدمی تھے۔

(اصول کافی: ۴۵۸/۱)

سوا تین سو برس تک کسی کو ان کی قبر کا پتہ نہ چلا۔ بنو بویہ کے عہد میں اس قبر کا پتہ چلا، لیکن تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قبر نہیں ہے۔

اصلاحات

جب ملکی حالات ایسے ہوں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے تو ان حالات میں اندرون ملک کیا اصلاحات ہو سکتی ہیں؟ کیونکہ اصلاحات کے لیے امن وسکون کی فضا کا ہونا ضروری ہے، لیکن جہاں امن مفقود ہو وہاں نہ تو کوئی ترقیاتی پروگرام ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ملکی اصلاحات بروئے کار لائی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے آپ کے عہد خلافت میں نہ تو رفاہ عامہ کے کاموں میں کوئی اضافہ ہوا، نہ زراعت اور اس کے وسائل میں کوئی ترقی ہوئی، نہ کسی نئے شہر کی تعمیر ہوئی اور نہ ہی نقل و حمل کے انتظامات میں کوئی ترقیاتی پروگرام بنایا گیا۔

نظم مملکت

تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیرت ایک دوسرے سے مشابہ تھی، لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ کاروبار خلافت اسی نہج پر چلایا جائے جس نہج پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں چلایا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے:

"كان علي يشبه بعمر يعني في السيرة"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت سے مشابہ تھی۔

(کتاب الخراج، یحییٰ بن آدم: ص ۱۲۳)

Marfat.com

رعایا سے حسن سلوک

رعایا سے حسن سلوک اور شفقت اسلامی حکومت کا طرۂ امتیاز ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیت المال کی رقوم لوگوں میں نہایت فیاضی سے تقسیم کیں۔ چنانچہ جنگ جمل میں شریک ہونے والوں پر بیت المال میں موجود چھ لاکھ سے زائد رقم پانچ سو فی کس کے حساب سے تقسیم کر دیا اور ساتھ ہی مزید رقم کا وعدہ بھی فرمایا۔

(طبری: ۵۴۱/۴، البدایہ والنہایہ: ۲۴۴/۷، ابن اثیر: ۳۵۹/۳، ابن خلدون: ۱۰۸۸/۲)

ذمیوں کے ساتھ بھی آپ کا برتاؤ نہایت شفقت آمیز تھا یہاں تک کہ ایرانی لوگ آپ کے لطف و ترحم کی وجہ سے یہ کہنے لگے: ''بخدا! اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی۔''

عسکری انتظامات

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ذاتی طور پر ایک فوجی آدمی تھے اور جنگ آزمائی میں آپ کو ایک خاص تجربہ تھا۔ غزوہ تبوک کے علاوہ آپ نے ہر غزوہ میں شرکت فرمائی۔ عسکری امور کے بارے میں آپ نے نہایت اچھے انتظامات کیے۔ شام کی سرحد پر بکثرت چوکیاں قائم کیں۔ اسی طرح آپ نے ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کی وجہ سے بیت المال، عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے نہایت مضبوط اور مستحکم قلعے تعمیر کیے۔

علم فضل

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بچپن ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت پرورش پائی تھی اور شب و روز نبوت کے عمال کو دیکھا تھا۔ نبوت کی باتیں سنی تھیں اور نبوت کے نزدیک ایک خاص تقرب حاصل کیا تھا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں ہر روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔

(مسند احمد بن حنبل: ۷۷/۱)

سفر و حضر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود رہتے کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

Marfat.com

زیر پرورش اور زیر تربیت تھے۔ اس وجہ سے علم و فضل میں ایک خاص مقام کے حامل تھے۔ آپ کا شمار اہل علم اور اہل فتویٰ اصحاب میں ہوتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۳۵۰/۲، یعقوبی: ۱۳۸/۲)

سیدنا علی علیہ السلام کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بہترین قاضی فرمایا کرتے تھے۔ (علی اقضانا) اسی وجہ سے آپ کو انہوں نے مدینہ منورہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۰۲/۷) آپ کا شمار کاتبان وحی میں بھی ہوتا ہے علم القرآن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا۔ (مسند احمد: ۸۳/۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی ہی میں آپ نے پورا قرآن حکیم زبانی یاد کر لیا تھا۔

سیدنا علی علیہ السلام کو علم الحدیث میں بھی ایک خاص مقام حاصل تھا۔ آپ کے عہد خلافت میں کوفہ حدیث و فقہ کی مسند تھی۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے انتقال سے کوفہ میں جو علمی خلا پیدا ہو گیا تھا آپ کے کوفہ تشریف لے جانے سے وہ کسی حد تک پُر ہو گیا۔ اگرچہ حدیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ آپ کے کوزۂ ذہن میں محفوظ تھا لیکن روایت حدیث میں آپ نہایت متشدد تھے۔

قرآن حکیم اور حدیث نبوی کے ساتھ اگر سرعت فہم، دقیقہ سنجی اور انتقال ذہنی حاصل ہو جائے تو ایسا شخص فقہ و اجتہاد کا ماہر کہلاتا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ سب خوبیاں رکھی تھیں۔ آپ میں اللہ تعالیٰ نے ایک مستحصرانہ قوت رکھی ہوئی تھی جس کی وجہ سے بڑے بڑے مشکل مسائل آپ فوراً حل فرما دیا کرتے تھے۔ آپ نہایت ذہین وطباع تھے اس وجہ سے آپ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بہترین مشیروں میں سے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ویسے ہی آپ کو طبعی محبت تھی کیونکہ آپ کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں تھیں۔

تقریر و شاعری

حق تعالیٰ شانہ نے سیدنا علی علیہ السلام کو تقریر و خطابت میں بھی ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہوا تھا۔ مختلف مواقع پر آپ نے اپنی خطابت سے لوگوں کے پژمردہ بلکہ مردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی اور قوائے عمل کے اضمحلال کو یکسر دور کر دیا۔ الفاظ کی بندش اور موقع و محل پر ان کا استعمال آپ کی خاص خصوصیت تھی۔ عربی کی مشہور کتاب نہج البلاغہ میں آپ کے خطبات، خطوط اور

Marfat.com

حکیمانہ اقوال کو جمع کیا گیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اس کتاب کے مؤلف شریف رضی ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کتاب کا بڑا حصہ منسوب ہے۔ (وفیات الاعیان: ۳۷۸/۱) جس طرح نثر میں ایک کتاب نہج البلاغہ آپ کے نام منسوب کر دی گئی ہے اسی طرح شعر میں بھی ایک پورا دیوان ''دیوان علی'' کے نام سے لکھ کر آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

اخلاق وعادات

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اعتراف حق سے کبھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ آپ نے دوسروں کی خوبیوں کے اعتراف کرنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ خلافت فاروقی میں ایک روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ سوار ہو کر کہیں جا رہے ہیں۔ پوچھا: ''امیر المؤمنین! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟'' فرمایا: ''بیت المال کے اونٹوں میں سے صدقہ کا ایک اونٹ فرار ہو گیا ہے، اس کو ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔ یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لقد اذللت الخلفاء بعدك۔

''آپ نے اپنے بعد آنے والے خلفاء کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابوالحسن! یہ کوئی قابل ملامت شے نہیں ہے۔'' پھر فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کر کے بھیجا، اگر بکری کا ایک بچہ بھی فرات کے کنارے گم ہو جائے تو روز قیامت عمر کو اس کے بارے میں باز پرس ہو گی۔''

(سیرۃ عمر لابن الجوزی: ص ۱۴۰، البدایہ والنہایہ: ۱۳۶/۷)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی زندگی کا طرۂ امتیاز سادگی، زہد اور تواضع تھا۔ آج دنیا میں رشوت اور کرپشن زندگی کے ہر شعبہ میں جاری و ساری ہے۔ اس کا بنیادی عنصر غیر سادہ اور غیر زاہدانہ زندگی ہے۔ سیدنا علی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھی اپنے پیشرووں کی طرح نہایت سادہ اور زاہدانہ تھی۔ یہ بھی آپ کی سادگی اور بے تکلفی ہی تھی کہ آپ گاہے بگاہے فرش خاک پر بھی سو جاتے چنانچہ اسی وجہ سے آپ کو ''ابوتراب'' کہا جانے لگا۔ آپ کو تکلف اور عیش و عشرت سے سخت نفرت تھی۔ آپ کی طبیعت کی سادگی اور زہد و اتقاء پر ضرار اسدی کا وہ بیان بھی دلالت کرتا ہے جو انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرتے

Marfat.com

ہوئے دیا تھا۔ضرار اسدی نے کہا تھا:

''ان کے لباس کی سادگی دیدنی تھی، کھانا تکلفات سے یکسر خالی، سادہ اور موٹا جھوٹا تھا۔وہ ہم ہی کی طرح رہتے تھے، کچھ امتیاز نہیں تھا۔'' (روضۃ النضرۃ:۲/۲۱۲)

خانگی زندگی

سیدنا علی صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی دو حصوں میں منقسم تھی۔ایک شادی سے قبل اور دوسری شادی کے بعد۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی سے پہلے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے، لیکن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ مکان میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہنے لگے۔چنانچہ اب آپ کو اپنی گھریلو زندگی چلانے کے لیے کسب معاش کے لیے جدوجہد کرنا پڑی، لیکن آپ کے معاشی حالات سیدہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک بہتر نہ ہوئے۔جنگ خیبر کے بعد اموال فے میں سے بھی گھر کی گزراوقات کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امداد فرماتے تھے۔ایک زمانہ ایسا بھی آیا جب مال غنیمت وافر مقدار میں آیا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ آپ اس مال کو بنو ہاشم میں تقسیم کر دیں۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''امیر المومنین! ہم لوگ اب اس مال سے مستغنی ہیں کیونکہ اب ہماری معاشی حالت بہتر ہوگئی ہے اور دوسرے مسلمان اس مال کے ہم سے زیادہ ضرورت مند ہیں۔چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ مال دوسرے حاجت مندوں اور ضرورت مند مسلمانوں کے لیے بیت المال میں واپس کر دیا۔

(ابوداود:۲/۶۱، مسند احمد ۱/۸۴، کتاب الخراج لابی یوسف: ص ۲۰)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ مسند خلافت پر خود جلوہ افروز ہوئے تو آپ کی معاشی حالت اور بہتر ہوگئی۔چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا: ''ایک وہ زمانہ تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا، اور آج میرا یہ حال ہے کہ میری سالانہ زکوۃ کی رقم ۴۰ درہم ہوتی ہے۔'' (مسند احمد:۱/۱۵۹)

ازواج واولاد

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے مختلف اوقات میں کئی شادیاں کیں جن میں سے چودہ

Marfat.com

لڑکے اور سترہ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ آپ کی اپنی نسل بقول واقدی صرف پانچ لڑکوں سے چلی جن کے نام یہ ہیں:

سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا محمد بن الحنفیہ، سیدنا عباس اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہم۔

سب سے پہلی شادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔ یہ شادی سیدنا ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب سے ہوئی۔ اس شادی کے مصارف کے لیے آپ نے اپنی زرہ چار سو درہم میں اور بقول زرقانی ۴۸۰ درہم میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے زرہ خرید کر زرہ اور رقم دونوں سیدنا علی صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دعائیں دیں۔ (فدعا لعثمان بدعوات) سیدہ رضی اللہ عنہا کا جہیز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خریدا۔ یہ شادی ۲۱ محرم الحرام سنہ ۲ھ میں ہوئی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دو لڑکے سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما اور دو صاحبزادیاں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کبریٰ پیدا ہوئیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ ایک مرتبہ آپ کو ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنے کا خیال آیا۔ جب اس بات کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ "رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی عدو اللہ (اللہ کے دشمن) کی بیٹی ایک نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔" (طبقات ابن سعد: ۴۳۸/۸، ۲/۸۷) چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ارادہ ترک کر دیا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سیدہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بڑی بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی سیدہ امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ (اسد الغابہ: ۴۰۰/۵، مروج الذہب: ۲۹۸/۲) سیدنا علی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ میں شہید ہوئے اس وقت سیدنا علی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا زندہ تھیں۔

سیدنا علی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شادی سیدہ ام البنین بنت حزام رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ ان کا تعلق بنو کلاب سے تھا۔ اس اہلیہ سے سیدنا عباس، سیدنا جعفر، سیدنا عثمان اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔ یہ چاروں حضرات سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

ایک اور شادی آپ نے سیدنا ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے کی۔

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان کے ہاں ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں انتقال کر گیا۔

عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ ام السعید بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ان میں سے ام الحسن اور رملہ الکبریٰ پیدا ہوئیں۔

محیات بنت امراء القیس سے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا اور ان سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئی جو بچپن میں انتقال کر گئی۔

ام حبیبہ بنت ربیعہ سے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نکاح فرمایا۔ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں۔ یہ دونوں جڑواں تھے۔ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ۸۵ سال کی عمر میں سب سے آخر میں ان کا انتقال ہوا۔ان کی صاحبزادی سیدہ رقیہ سے سیدنا مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تھا،اور ان سے عبداللہ بن مسلم پیدا ہوئے۔

خولہ بنت جعفر بن قیس، یہ حنفیہ کے نام سے مشہور تھیں۔ یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں گرفتار ہو کر آئیں۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں دے دیا۔ ان کے بطن سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد پیدا ہوئے جو بعد میں محمد بن الحنفیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔علماء نے لکھا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ عالم تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے خود کہا:

"حسن اور حسین رضی اللہ عنہما مجھ سے افضل ضرور ہیں لیکن میں علم میں ان سے زیادہ ہوں۔"

(الاعلام زرکلی: ۱۸۲/۷)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں سوائے چار بیویوں کے باقی سب کا انتقال ہو گیا تھا۔ان چار کے نام یہ ہیں:

سیدہ امامہ،سیدہ ام البنین ،سیدہ لیلیٰ ،سیدہ اسماء۔

ان ازواج کے علاوہ آپ کی متعدد لونڈیاں بھی تھیں۔ ان سے آپ کی متعدد صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔

Marfat.com

سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ان دس خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کا مژدہ سنایا تھا۔ چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے:

شهد له النبی صلی الله علیه وسلم بالجنة وسماء امین الامة ومناقبه شهیرة جمة۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۶)

''امین الامۃ کے لقب سے نوازا اور ان کے علاوہ ان کے اور بہت سے مشہور مناقب ہیں۔''

نام ونسب

نام عامر تھا اور کنیت ابوعبیدہ، لقب امین الامۃ، والد کا نام عبداللہ بن جراح بن ہلال بن اھیب بن ضبہ بن الہارث بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان القرشی الفہری المکی۔

آپ کا سلسلہ نسب فہر بن مالک پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱/۷)

آپ کی والدہ کا بھی اسی فہری خاندان سے تعلق تھا اور ارباب سیر کی تحقیق کے مطابق حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔

Marfat.com

قبول اسلام

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد جب دعوت وتبلیغ کا کام شروع کیا تو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جنہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ یزید بن رومان رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ عثمان بن مظعون، سیدنا عبیدہ بن حارث، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد اور سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیک وقت حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام پیش کیا اور شریعت کے احکام بتائے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت نے ذہن تو پہلے ہی صاف کر دیا ہوا تھا لہٰذا ان سب حضرات نے ایک ہی ساعت میں اسلام قبول کیا (فاسلموا فی ساعة واحدة) یہ وہ وقت تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دار ارقم میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۲۹۸/۳، قسم اول، سیر اعلام النبلاء: ۶/۱)

ہجرت

جس زمانے میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، اسلام کے لیے وہ بڑا سخت وقت تھا۔ قریش مکہ یہ بات ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے شہر کا کوئی شخص باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کرے اور جو قبول کر لیتا اس پر پھر جبر واستبداد کے پہاڑ توڑ دیے جاتے۔ چنانچہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے پر بھی قریش مکہ نے پوری سنگدلی سے ان کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ جور وستم اور ظلم وتشدد کا یہ دور سنہ ۴ نبوی میں شروع ہوا تھا۔ ابتداء میں تو وہ معمولی تھا لیکن مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان پر جور وستم میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ نبوت کے پانچویں سال کے وسط میں یہ سلسلہ پورے شباب پر آ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا مکہ میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ کفار مکہ جہاں کہیں کسی مسلمان کو پاتے درندوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتے اور اس وقت تک درگزر نہ کرتے جب تک وہ جرم نا آشنا ان کی نظروں میں قبول اسلام کے جرم کی قرار واقعی سزا نہ پا لیتا۔ جب کافروں کا جور وستم حد سے بڑھ گیا تو ایک روز لسان نبوت سے ان مظلوم مسلمانوں

Marfat.com

نے یہ الفاظ سنے: ’’تم اللہ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کر دے گا۔‘‘ ان مظلوموں نے پوچھا: ’’کہاں جائیں؟‘‘ آپ نے حبشہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

(زرقانی: ۱/۲۷۰، ابن ہشام: ۱/۳۲۲، عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/۲۰۹)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ’’ھی ارض صدق‘‘ یعنی وہ راستی کی سرزمین ہے۔ وہاں کا حکمران ایسا ہے جس کی قلمرو میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا۔ یہ حکم پاتے ہی جن لوگوں نے ’’ارض صدق‘‘ کی طرف ہجرت کی اور راہِ خدا میں غریب الوطن ہوئے، ان میں سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ دو مرتبہ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے اور پھر آخری دفعہ مدینہ کی طرف جب دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہجرت فرمائی تو آپ بھی مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے۔ یہاں پر رسول اللہ ﷺ نے ۴۵ مہاجرین کو ۴۵ انصار کا بھائی بنایا، ان میں آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی بنایا۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/۵۰۴، عیون الاثر: ۱/۳۲۴، الدار فی المغازی والسیر لابن عبد البر: ص ۹۱-۹۲، فتح الباری: ۷/۲۱۰)

انصار نے مہاجرین کے ساتھ اس بھائی چارہ کا صحیح معنوں میں حق ادا کیا۔ چشم فلک نے کبھی ایسا بھائی چارہ نہ پہلے کبھی دیکھا اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی دیکھے گی۔‘‘

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ’’سیرۃ خاتم النبیین ﷺ: ص ۴۵۹)

غزوات میں شرکت

ہجرت کے بعد قریش مکہ نے مسلمانوں کو مدینہ میں بھی آرام سے نہ بیٹھنے دیا اور انہوں نے اہل مدینہ کو یہ حکم دیا کہ محمد ﷺ سے جنگ کر و یا پھر انہیں اپنے ہاں سے نکال دو و گرنہ تمہارے نوجوانوں کو قتل اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنالیا جائے گا، لیکن اہل مدینہ نے قریش کے اس حکم کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اب قریش کے لیے یہ وقار کا سوال پیدا ہو گیا تھا اور انہیں اپنی عظمت و قیادت خطرہ میں نظر آنے لگی۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے ایک ہزار کا لشکر تیار کر کے میدان بدر میں لا کھڑا کیا۔ مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی۔ یہ غزوہ اسلام کے غزوات میں سب سے پہلا غزوہ اور سب سے بڑا غزوہ ہے جس میں پورا کفر اسلام کے سامنے آیا، لیکن

Marfat.com

اس میں شرک اور کفر کی اتنی ذلت و رسوائی ہوئی کہ پھر وہ اس طرح کھل کر مسلمانوں کے سامنے نہ آ سکا۔ کتابوں میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب قریش کے لشکر کو پورے ساز و سامان کے ساتھ میدان کارزار میں دیکھا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں دعا گو ہوئے:

''اے اللہ! یہ قریش ہیں جو اپنے پورے غرور اور تکبر کے ساتھ آئے ہیں۔ یہ تیری مخالفت کرتے ہوئے اور تیرے رسول کی تکذیب کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔ اے اللہ! اپنی فتح و نصرت نازل فرما جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ! آج انہیں ہلاک کر دے۔'' (سیرۃ ابن ہشام: ۶۲۱/۱، فتح الباری: ۳۲۵/۷)

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اسلام کے ان مجاہدین میں سے ایک تھے جنہوں نے کفر کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں ان کا والد عبداللہ بھی کفار کی طرف سے لڑنے آیا تھا۔ وہ تاک تاک کر اپنے لخت جگر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو نشانہ بناتا رہا لیکن سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ طرح دے جاتے اور اپنے باپ کے نشانہ سے بچ جاتے۔ لیکن جب دیکھا کہ باپ باز نہیں آ رہا تو بالآخر جوش ایمان سے اس پر ایک ہی وار ایسا کیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔ یہ تھا وہ دینی جذبہ جو اس غزوہ میں اہل ایمان نے دکھایا کہ باپ نے بیٹے اور بھائی نے بھائی کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے ان کے اس جذبہ دینی کی ان الفاظ مین تعریف کی ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ (المجادلۃ: ۲۲)

''یعنی تو نہ پائے گا کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور یوم آخرت پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے خواہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے، ان کے دلوں میں اللہ نے لکھ دیا ہے ایمان (یعنی ایمان ان کے دلوں میں جما دیا اور پتھر کی لکیر کی طرح ثبت کر دیا) اور ان کی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے۔''

Marfat.com

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں:
''حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی جو دوستی نہیں رکھتے اللہ کے مخالف سے اگرچہ باپ بیٹے ہوں، وہ ہی سچے ایمان والے ہیں۔ ان کو یہ درجے ملتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان یہ ہی تھی کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں کسی چیز اور کسی شخص کی پروانہیں کی۔ اسی سلسلہ میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ جنگ احد میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے مقابلہ میں نکلنے کو تیار ہو گئے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو، علی بن ابی طالب، حمزہ، عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم نے اپنے اقارب عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نے جو مخلص مسلمان تھے، عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر آپ حکم دیں تو اپنے باپ کا سر کاٹ کر خدمت میں حاضر کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا" فرضی اللہ عنہم ورضواعنہ و رزقنا اللہ حبہم واتباعہم واماتنا علیہ آمین۔"

(فوائد عثمانی: ص ۷۲۳)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے:
وقد شھد ابو عبیدہ بدراً فقتل یومئذ اباہ۔ (سیر اعلام النبلاء: ۸/۱)
''ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بدر میں شریک ہوئے اور اس روز انہوں نے اپنے باپ کو قتل کیا۔''
جنگ بدر میں شریک ہو کر اللہ کی رضا کا سرٹیفکیٹ لینے کے بعد سنہ ۳ھ میں جنگ احد میں بھی شریک ہوئے اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ اس جنگ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معمولی سی غلطی سے مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا جس کی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس زخمی ہو گیا۔ روایات میں ہے کہ ابن قمیئہ نے آپ کی دائیں جانب پسلیوں پر اس زور سے تلوار ماری کہ اگر دو آہنی زرہیں آپ کے جسم اطہر پر نہ ہوتیں تو بہت گہرا زخم ہو جاتا لیکن ان زرہوں کی وجہ سے زخم تو نہ ہوا مگر تکلیف قریباً ایک ماہ تک باقی رہی۔ (طبقات ابن سعد: ۲۹/۳، سیرۃ حلبیہ: ۲۵۸/۲)
اس کے بعد اس نے پہلے کی طرح پھر ایک زوردار تلوار ماری جو آنکھ کے نیچے ابھری ہوئی ہڈی پر لگی اور اس کی وجہ سے خود کی دو کڑیاں چہرہ مبارک کے اندر دھنس گئیں۔ اس کے ساتھ

Marfat.com

ہی اس نے کہا: "کذھا وانا ابن قمیئة" اسے لے، میں قمیئہ (توڑنے والے) کا بیٹا ہوں۔
سرکار دو عالم ﷺ نے رخ انور سے خون پونچھتے ہوئے فرمایا: "اللہ تجھے توڑ ڈالے۔"

ابن قمیئہ کے اس وار سے روئے انور شدید زخمی تھا۔ دندان مبارک شہید ہو گئے تھے مغفر کی کڑیاں رخسار مبارک میں دھنسی ہوئی تھیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کڑیاں نکالنے کا ارادہ فرمایا تو سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے قسم دے کر کہا کہ یہ سعادت مجھے حاصل کرنے دیجیے۔ ہاتھ سے کڑیاں نکالنے میں تکلیف زیادہ محسوس ہوئی تو سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دانتوں سے دبا کر ایک کڑی کو اس زور سے کھنچا کہ کڑی تو نکل آئی لیکن ساتھ ہی سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ایک دانت بھی ٹوٹ گیا۔ اب دوسری کڑی پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نکالنا چاہتے تھے مگر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے پھر قسم دے کر یہ سعادت حاصل کرنے کی درخواست کی۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اب دوسرے دانت سے کڑی دبا کر نکالی لیکن اب کی دفعہ دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے اس طرح دو دانت تو ٹوٹ گئے لیکن چہرہ کی رونق ایسی بڑھی کہ کوئی ٹوٹا ہوا دانت اتنا حسین و جمیل نہیں معلوم ہوتا تھا۔

(طبقات ابن سعد: ۲۹۸/۳، الاستیعاب: ۲۹۲/۵، الاصابہ: ۲۸۵/۵، سیرۃ ابن ہشام: ۷۷/۲، البدایہ والنہایہ: ۳۹/۴-۳۰)

غزوہ خندق اور بنو قریظہ کی سرکوبی میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ سنہ ۶ ھ میں جب انمار اور ثعلبہ کے قبائل نے اطراف مدینہ میں غارت گری شروع کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی سرکوبی کے لیے سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے چالیس جانبازوں کے ساتھ ربیع الثانی میں ان کے مرکزی مقام ذی القصہ پر چھاپہ مار کر ان کو پہاڑوں میں منتشر کر دیا اور ایک شخص جو ہاتھ لگا اس کو گرفتار کر کے مدینہ طیبہ لے آئے۔ اس نے یہاں پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔

(طبقات ابن سعد: ص ۶۲ مغازی)

معاہدہ حدیبیہ جو اسلامی تاریخ کا ایک نہایت اہم معاہدہ ہے اور جو سہیل بن عمرو کی کوششوں کی وجہ سے طے پایا کیونکہ تاریخ میں آتا ہے کہ بیعت رضوان سے قریش خوف زدہ ہو گئے اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے فوری طور پر صلح کے لیے اب خود کوشش شروع کر دی۔ (فتح الباری: ۳۴۵/۷) چنانچہ اب کی بار انہوں نے سہیل بن عمرو کو صلح کے لیے بھیجا۔

Marfat.com

سہیل ذاتی طور پر ایک اچھے اور شریف النفس آدمی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آتے دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ”قد سھل لکم من امرکم“ اب تمہارا کام تھوڑا سا سہل اور آسان ہوگیا ہے۔ چونکہ قریش کے سفیر کا نام سہیل تھا جو سہل کا اسم تصغیر ہے، اور عربی زبان میں ”من“ بھی تبعیض کے لیے آتا ہے، لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا آسان تو نہیں ہوا البتہ تھوڑا سا آسان ہوگیا ہے۔ (ملاحظہ ہو زرقانی: ۲/۱۹۴)

بہر حال قریش مکہ سے جو معاہدہ طے پایا اس پر فریقین اور گواہان کے دستخط ہونے تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا فاروق اعظم، سیدنا علی (کاتب عہد نامہ) سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا ابوعبیدہ بن جراح اور سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم نے بطور گواہان کے دستخط کیے۔ بیعت رضوان میں بھی آپ نے شرکت فرمائی اور بارگاہ الوہیت سے رضا کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔

۷ھ میں غزوہ خیبر ہوا۔ اس غزوہ میں آپ ﷺ نے صرف انہی مسلمانوں کو شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جو حدیبیہ کی مہم میں شریک تھے۔ ان کے سوا دوسرے مسلمانوں کی شمولیت سے انکار تو نہ فرمایا لیکن انہیں غنیمت سے مستثنیٰ فرما دیا۔ حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد چودہ سو تھی۔ اس میں مزید دو سو حضرات نے شرکت فرمائی۔ (زرقانی: ۲/۲۱۷، فتح الباری: ۷/۳۵۶)

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ چونکہ حدیبیہ کی مہم میں شریک ہوئے تھے اس لیے آپ غزوہ خیبر میں بھی شامل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب ہوکر خیبر میں اپنی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے اور فتح مند ہوکر واپس لوٹے۔

سنہ ۸ھ میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کی مشارف شام میں رہنے والے عرب قبائل مسلمانوں سے لڑنے کے لیے رومیوں کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے ایک مہم کا انتظام فرمایا تاکہ پھر اس علاقہ میں رومیوں اور عرب قبائل کے گٹھ جوڑ سے کوئی بڑی جمعیت مسلمانوں کے خلاف فراہم نہ ہوسکے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا کیونکہ ان کی والدہ کے میکے قبیلہ بلی میں تھے جو ان قبائل میں سے ایک اہم قبیلہ تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کو ایک اطلاع یہ بھی ملی تھی کہ بنو قضاعہ نے اطراف مدینہ پر حملہ بولنے کے ارادہ سے ایک جماعت فراہم کر رکھی ہے، اس وجہ سے آپ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کی زیرکمان ایک دستہ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ ممکن ہے کہ اس مہم کے دونوں سبب ہوں۔
بہر حال رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا اور ان کی زیر کمان بڑے بڑے مہاجرین و انصار پر مشتمل تین سو افراد کی ایک جماعت جس کے پاس تیس (۳۰) گھوڑے بھی تھے، ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ حضرات رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے۔ جب یہ دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لیے حملہ کرنے میں توقف کیا اور رافع بن مکیث جہنی رضی اللہ عنہ کو سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں یہاں کے حالات سے باخبر کرنے کے لیے بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوعبیدہ الجراح رضی اللہ عنہ کی زیرکمان دوسو افراد پر مشتمل ایک دستہ ان کی کمک کے لیے روانہ فرمایا۔ ان میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ اور اسی طرح انصار کے بھی کئی سردار تھے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ جلد از جلد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے جاملیں۔ دونوں مل کر کام کرنا، آپس میں متفق رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔ جب سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو نماز کے وقت سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے امامت کرانا چاہی۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ امیر لشکر تو میں ہوں اور تم میری مدد کے لیے آئے ہو۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اپنی جماعت کے امیر ہو اور میں اپنی جماعت کا امیر ہوں۔ اگرچہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی جلالت شان اور علو مرتبت کے مقابلہ میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو شرف کا استحقاق نہ تھا لیکن ان کے اصرار کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے چلتے وقت آخری حکم یہ فرمایا تھا کہ باہم متفق رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا، سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر تسلیم کر لیا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہی نماز پڑھاتے رہے اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے۔ (طبقات: ۱۳۱/۲)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ چونکہ حسن اخلاق کے حامل، نرم طبیعت اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کے متبع تھے لہٰذا انہوں نے منصب امارت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور خود ان کی اطاعت کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔ (سیر اعلام النبلاء: ۹/۱)

اب یہ دونوں لشکر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت بنو قضاعہ کے علاقہ میں داخل ہوئے اور ان پر زوردار حملہ کر کے ان کی سرکوبی کی۔ فتح کے بعد چند روز قیام کر کے یہ لشکر مدینہ منورہ واپس پہنچا اور اس معرکہ کی تفصیل سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔

Marfat.com

رجب سنہ ۸ھ میں ایک اور مہم سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کی گئی۔ اس مہم کا مقصد قریش کے قافلوں کی نقل وحرکت کا پتہ چلانا تھا۔ سامان رسد میں صرف کھجوریں دی گئیں۔ لیکن چند دنوں میں یہ کھجوریں ختم ہونے کے قریب ہوگئیں اس وجہ سے کچھ روز اس لشکر نے ایک ایک کھجور پر گزارا کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت جلد اس تکلیف کو دور فرما دیا اور انہیں سمندر کے کنارے ایک بہت بڑی مچھلی مل گئی جس پر مجاہدین عرصہ تک گزراوقات کرتے رہے اور کامیابی وکامرانی کے ساتھ مدینہ طیبہ واپس آئے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ

قد استعمل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابا عبیدۃ غیر مرۃ، منھا المرۃ التی جاع فیھا عسکرہ۔ (سیر اعلام النبلاء: ۲۰/۱)

"یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو کئی مرتبہ امیر بنا کر بھیجا۔ ان میں سے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت امیر بنایا جب آپ کا لشکر رسد نہ ملنے کی وجہ سے بھوکا ہوگیا۔"

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا یہ لشکر تین سو مجاہدین پر مشتمل تھا۔ رسد نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھوکے تھے کہ سمندر نے عنبر نامی مچھلی کو ان کے لیے باہر پھینک دیا۔ مچھلی بہت بڑی تھی۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے لشکر سے فرمایا:

نحن رسل رسول اللہ، وفی سبیل اللہ، فکلوا (سیر اعلام النبلاء: ۲۰/۱)

"ہم اللہ کے رسول کے قاصد ہیں اور اللہ کے راستے میں دعوت کا کام کر رہے ہیں پس تم اس کو کھاؤ۔"

چنانچہ مجاہدین اس کو کئی روز تک کھاتے رہے۔

(موطا امام مالک: ۲۴، مسند احمد بن حنبل: ۳۰۳/۳-۳۰۶-۳۱۱، بخاری: ۲۴۸۳، ۲۹۸۳، ۴۳۶۰، ۴۳۶۱، باب غزوہ سیف البحر: ۴۵۹۳، ۵۴۹۴، مسلم: ۱۹۳۵، ترمذی: ۲۴۷۷، نسائی: ۲۰۷/۷-۲۰۹، سیرۃ ابن ہشام: ۶۳۲/۲)

اسی سال سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ پھر غزوہ حنین اور طائف کی جنگ ہوئی۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ان تمام معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے اور جہاں بھی موقع ملا اپنی

Marfat.com

بہادری اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔

یہ تو جنگی مہمات کا تذکرہ تھا۔ ان مہمات کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو دوسری اہم خدمات بھی سپرد فرمائیں۔ مثلاً ۹ ھ میں نجران جو کہ یمن کا ایک بہت بڑا شہر ہے یہاں سے ایک وفد ساٹھ افراد پر مشتمل خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ عیسائی تھے۔ ان ساٹھ افراد میں سے ۲۴ آدمی اشراف میں سے تھے۔ رئیس الوفد عبدالمسیح عاقب تھا۔ دوسرا شخص ایہم یا شرحبیل تھا جو ثقافتی اور سیاسی امور کا نگران تھا۔ تیسرا ان کا لاٹ پادری اور روحانی پیشوا ابو حارثہ بن علقمہ تھا۔ ابو حارثہ کی شاہان روم بڑی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے اور اس کو بڑی بڑی جاگیریں دے رکھی تھیں۔ یہ تینوں آدمی اہل نجران کے سرکردہ تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ آپ کا ایک مصالحتی معاہدہ ہوا جس پر سیدنا ابوسفیان بن حرب، سیدنا غیلان بن عمرو، سیدنا مالک بن عوف، سیدنا اقرع بن حابس، اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم نے شہادتی دستخط کیے۔ (زادالمعاد لابن قیم: ۴۰/۳)

نجران کے ان عیسائیوں نے واپس جاتے وقت بارگاہ نبوت میں گزارش کی کہ ان کے ہاں ایک امین شخص کو بھیج دیں تاکہ وہ عہد نامہ کے مطابق مال وصول کرے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا اور فرمایا: ''یہ اس امت کا امین ہے۔''

(زرقانی: ۴۳/۴، زادالمعاد: ۴۱/۳، فتح الباری: ۹۴/۸-۹۵، مسند ابی داود طیالسی: ۱۵۹/۲، بخاری: ۳۷۴۵، فضائل الصحابہ: ۴۳۸۰ فی المغازی: باب قصۃ اہل نجران، مسلم: ۲۴۲۰، باب فضل ابی عبیدہ، ترمذی: ۳۷۵۹، ابن ماجہ: ۱۳۵)

بارگاہ نبوت میں آپ کی خدمات کا یہ باب بھی نہایت اہم اور مشہور ہے کہ آپ بحرین سے جزیہ کی رقم لانے پر بھی مامور ہوئے۔ تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل بحرین سے مصالحت کے بعد سیدنا علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو وہاں کا امیر مقرر فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو وہاں سے جزیہ کی رقم لانے پر مامور فرمایا۔ جس روز وہ جزیہ لے کر بارگاہ نبوت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو اس روز نماز صبح میں انصار کی غیر معمولی حاضری تھی۔ نماز میں اتنے بڑے مجمع کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں کو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے آنے کی اطلاع ہوگئی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: ''ہاں، یا رسول اللہ!'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں خوشخبری ہو، آج میں تمہیں خوش کردوں گا۔''

Marfat.com

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں

حجۃ الوداع میں تکمیل دین کی جو بشارت دی گئی تھی، اس کے بعد آپ کے جذبات و احساسات اور احوال وظروف بلکہ گفتار و کردار سے بھی یہی ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا کہ اب آپ اس دنیا کے باسیوں کو الوداع کہنے والے ہیں اور آپ عنقریب اس عدم ہست نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمانے والے ہیں۔ چنانچہ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آپ تسبیح وتحمید اور توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے۔ اوائل صفر سنہ ۱۱ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دامن احد میں تشریف لے گئے اور شہدائے احد کے لیے دعا فرمائی۔ پھر جنت البقیع تشریف لے گئے اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ اور دعا اس طرح فرمائی گویا زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ۱۲/ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ بروز پیر چاشت کی شدت کے وقت آپ کے انتقال کا روح فرسا اور جان گداز واقع پیش آیا۔

(زرقانی: ۳/۱۱۰، فتح الباری: ۸/۹۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا پیدا ہو گیا، لیکن امت کے جہاں دیدہ اور زمانہ کے نشیب وفراز چشیدہ حضرات کی کوششوں سے اختلاف کی یہ آگ بجھ گئی۔ اس آتش خرمن سوز کے بجھانے میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی کوششوں کو بھی بہت دخل حاصل ہے۔ ایک موقع پر جب کہ انصار خلافت کے لیے بضد تھے، سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

یا معشر الانصار! انکم کنتم اول من نصر، فلاتکونوا اول من غیر۔ (یعقوبی: ۲/۱۳۷)

"اے گروہ انصار! تم وہ لوگ ہو جنھوں نے سب سے پہلے (دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم) کی اعانت کی تھی، لہٰذا تم ہی سب سے پہلے اختلاف وافتراق کے بانی نہ ہو جانا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد پہلے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے لیکن جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے بعد آپ کو سرکار دو عالم رضی اللہ عنہ کے انتقال کا یقین ہو گیا تو اس کے ساتھ ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں کئی سوال

Marfat.com

انگڑائیاں لینے لگے کہ اب اس امت کا انجام کیا ہوگا؟ اب پیغمبر اسلام ﷺ کا جانشین کون ہوگا؟ جانشینی کے معاملہ میں اگر کوئی اختلاف ہوگیا تو ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں میں پھر وہ پرانی دلی رنجشیں عود کر آئیں اور پھر آپس میں سر پھٹول شروع ہو جائے جو رسول اللہ ﷺ کی قیادت کی وجہ سے ختم ہوگئی تھی یا دب گئی تھی۔ اگر ایسا ہوگیا تو اس سے اسلام اور مسلمان دونوں کو نا قابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ مکہ اور مدینہ سے دور جو لوگ جزیرہ نما عرب کے مختلف گوشوں میں آباد تھے انہیں مدینہ والوں اور خصوصی طور پر قریش کا اقتدار گوارا نہیں ہوگا۔ اگر ان لوگوں نے بغاوتیں کردیں تو کیا مدینہ جیسی چھوٹی ریاست کے پاس اتنی طاقت ہے کہ ان بغاوتوں کو فرو کرسکے۔ اس قسم کے کئی سوالات تھے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سیاسی شعور میں پیدا ہونے شروع ہوگئے۔

اب سب سے پہلا مسئلہ جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں خلش پیدا کر رہا تھا وہ آپ ﷺ کے خلیفہ اور جانشین کے انتخاب کا تھا۔ خلیفہ ایسا ہونا چاہیے کہ تمام سیاسی امور میں وہ مسلمانوں کی رہنمائی کرسکے۔ جو خود اخلاص کا پیکر ہو، امت مسلمہ کو اس پر پورا اعتماد ہو، قوم میں باوقار ہو، پھر اس انتخاب خلیفہ میں تساہل سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ یہ مسئلہ جلد پورے طور پر حل ہوتا کہ اسلامی معاشرہ میں اختلاف کی دراڑیں پیدا نہ ہوں، اور اگر مہاجرین وانصار میں کوئی اختلاف واقع ہوگیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اختلاف کی اس آگ کے شعلے پورے جزیرہ نما عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیں۔

ان سب سوالات کو اپنے کوزہ ذہن میں ترتیب دیتے ہوئے اور ان کے جوابات پر غور وفکر کرتے ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہجوم کو چیرتے ہوئے وہ مسجد نبوی سے باہر نکلے اور بغیر کچھ سوچے سمجھے چل پڑے۔ راستہ میں انہیں سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ مل گئے۔ ابوعبیدہ سرکار دوعالم ﷺ کے نہایت جلیل القدر صحابہ میں سے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

ان لکل امة امین ، وامین هذه الامة ابو عبیدة بن الجراح۔

(بخاری: ۳۷۴۴، ۴۳۸۲، ۷۲۵۵، مسلم: ۲۴۱۹، مسند احمد بن حنبل: ۱۳۳/۳-۱۸۹-۲۴۵-۲۸۱، مستدرک حاکم: ۲۶۷/۳ وصححه ووافقه الذهبی، طبقات ابن سعد: ۲۹۹/۳، الاستیعاب: ۲۹۳/۵، الاصابہ: ۲۸۵/۵، اخرجه احمد: ۱۴۶/۳-۱۸۴-۲۱۲-۲۸۶، من طریق حماد بن مسلمه عن ثابت البنانی عن انس، ترمذی: ۳۷۵۹، سنن ابن ماجہ: ۱۳۵، حلیۃ الاولیاء: ۱۰۱/۱)

Marfat.com

''بے شک ہر امت کے لیے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہیں۔''

جونہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو کہا: ''ہاتھ بڑھایئے، میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں۔'' سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ بات سن کر انگشت بدندان رہ گئے۔ وہ خود بھی اس مسئلہ کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے تھے اور ''امین الامت'' ہونے کے ناطے ان کے ذہن میں بھی یہ سوالات انگڑائیاں لے رہے تھے، لیکن جو طریقہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کا اختیار کیا وہ اس سے مطمئن نہ تھے، لہٰذا انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے منہ کی طرف غور سے دیکھا اور کہا: ''عمر! جب سے تم مسلمان ہوئے ہو تمہارے منہ سے اس قدر بے وقوفی کی بات میں نے کبھی نہیں سنی۔ کیا تم مجھ سے بیعت کرو گے جب کہ تم میں ثانی اثنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت موجود ہے؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی اس بات کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ پھر یہ دونوں حضرات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کاشانہ پر تشریف لائے جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کی تجہیز و تکفین ہو رہی تھی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں مصروف تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے سے وہاں موجود تھے۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں دوسری طرف منافقین کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کی بحث چھیڑ دی اور بعض لوگوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ہونا چاہیے۔ اور کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ دو امیر ہوں، ایک انصار سے اور دوسرا مہاجرین سے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم بیت نبوت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعتاً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے مجھے آواز دی: ''ابن خطاب! ذرا باہر آئیں۔'' میں باہر آیا۔ اس نے کہا: ''ایک حادثہ ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں اس لیے جلد جا کر ان کی خبر لو، ایسا نہ ہو کہ وہ کچھ ایسی باتیں کر گزریں جن سے معاملہ طول پکڑ جائے۔''

(فتح الباری: ۷/۲۳ بحوالہ مسند ابویعلیٰ موصلی)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس شخص نے انصار کی اس میٹنگ کے بارے میں بتایا اور مسئلہ کی

Marfat.com

اہمیت کے بارے میں بھی باخبر کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کان میں یہ سب کچھ بیان کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس ہنگامہ آرائی کی بابت سن کر فوری طور پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچ گئے۔ دیکھا کہ ایک عجیب ہنگامہ اور شور وغل برپا ہے۔ یہ تینوں حضرات بھی وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں انصار کا ایک خطیب کھڑا ہوا اور اس نے کہنا شروع کیا: ''ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں اور اے مہاجرین! تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی (رہط) ہو لیکن اب تم ہم سے برگزشتہ ہو گئے ہو اور جو ہمارا مقام ہے اس سے ہم کو الگ کرنا چاہتے ہو۔''

وہ تقریر ختم کر کے بیٹھ گیا۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ بولنا چاہا لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں روک دیا اور خود کھڑے ہو گئے اور ایک ایسی تقریر کی جو اپنے مضمون اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایک بے مثال تقریر تھی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری: ۲/۴۵۷، بخاری: ۱/۵۱۸)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر میں پہلے تو مہاجرین کے فضائل اور اسلام کے لیے ان کی غیر معمولی قربانیوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے رشتہ قرابت کا ذکر کیا۔ اس کے بعد فرمایا: ''اے انصار! تم جو کچھ اپنے بارے میں کہتے ہو بلا شک وشبہ تم اس کے اہل ہو اور اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تمہیں گہرا تعلق ہے، لیکن عرب اس معاملہ میں سوائے قریش کے اور کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔'' اس کے بعد آپ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔''

بخاری کی روایت کے مطابق سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جب میرا نام بیعت خلافت کے لیے پیش کیا گیا تو میرے لیے یہ حد درجہ ناگوار بات تھی۔ بخدا! بغیر کسی گناہ کے میری گردن اڑا دی جاتی یہ بات میرے لیے بہت آسان تھی بہ نسبت اس کے میں ایک ایسی قوم کا امیر بنتا جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔'' (بخاری: ۲/۱۰۰۹)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوسرا نام سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا پیش کیا۔ ابن سعد نے ان کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب بعض لوگوں نے ان سے بیعت کرنا چاہی تو انہوں نے فرمایا: ''تم لوگ میرے پاس آتے ہو حالانکہ تم میں ثانی اثنین (غار ثور کی رفاقت کی طرف اشارہ ہے)

Marfat.com

یعنی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔" (طبقات ابن سعد: جلد۳)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں فرمایا:

قد رضیت لکم احد هذین الرجلین، عمر وابا عبیده۔

(سیر اعلام النبلاء: ۸/۱)

"میں ان دو آدمیوں کے بارے میں تم سے راضی ہوں کہ تم ان دونوں میں ایک کو خلیفہ بنالو، عمر رضی اللہ عنہ کو یا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو۔"

لیکن ان دونوں بزرگوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اپنے استحقاق سے یک قلم انکار کیا اور آگے بڑھ کر سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ (یعقوبی: ۱۳۷/۲)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا تھا کہ مہاجرین وانصار سب نے ہاتھ بڑھا دے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی۔ (بخاری: ۵۱۸/۱، ۱۰۰۹/۲) ایک اور روایت میں ہے کہ سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سیدنا بشیر بن سعد انصاری نے کی تھی۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۴۷/۵) ممکن ہے کہ مہاجرین میں سے سب سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی ہو اور انصار میں سے سیدنا بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے۔ بہرحال بیعت پہلے کسی نے بھی کی ہو لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی نگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی جانشنی کا استحقاق اور اہلیت رکھتے تھے، اسی وجہ سے انہوں نے ان کا نام پیش کیا۔

محاذ شام کی سپہ سالاری

سنہ ۱۳ھ میں جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مرتدین کی سرکوبی اور اندرونی بغاوتوں کے فرو کرنے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے شام پر لشکر کشی کا اہتمام فرمایا۔ اس سلسلہ میں آپ کی حکمت عملی یہ تھی کہ شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کی جائے۔ اس کے لیے آپ نے چار لشکر تیار کیے۔ ان میں سب سے بڑا لشکر سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا تھا جس میں اہل مکہ اور اہل یمن دونوں جگہوں کے حضرات شامل تھے دوسرا لشکر سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت تھا، تیسرا سیدنا عمرو بن

Marfat.com

عاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اور چوتھا سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے زیر کمان تیار فرمائے۔ بعض روایات میں ایک اور لشکر سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کی سیادت میں روانہ کیا۔ ان لشکروں کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ الگ الگ روانہ کرتے اور ان کو الوداع کہنے کے لیے مدینہ کے باہر تک پا پیادہ تشریف لے جاتے تھے۔ ان کو مختلف ہدایات دیتے پھر ان کے حق میں بارگاہ ایزدی میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کرنے کے بعد خدا حافظ کہہ دیتے تھے۔ ان ہدایات میں ایک ہدایت بلکہ سب سے بڑی ہدایت یہ تھی کہ وہ سب ایک راستہ سے نہ جائیں بلکہ مختلف راستے اختیار کریں۔ چنانچہ سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جن کو دمشق کے محاذ پر بھیجا گیا تھا، ان کو حکم فرمایا کہ تبوک کے راستے سے جائیں۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو فلسطین کے محاذ کے لیے مقرر ہوئے تھے وہ ایلہ کی راہ گئے اور امراء جو حمص اور دوسرے محاذوں کے لیے نامزد ہوئے تھے وہ بلقاء کے راستے سے گئے۔ ان لشکروں کی روانگی جمعرات کے روز یکم صفر ۱۳ھ کو ہوئی تھی۔

(فتوح البلدان، بلاذری: ص ۱۱۴)

ایک ہدایت ان لشکروں کو یہ دی گئی کہ وہ جب سب ایک جگہ مجتمع ہو جائیں تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار عام ہوں گے۔ یہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔

ان لشکروں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق مختلف محاذوں پر پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ چنانچہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دمشق کے راستے میں، سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ طبریہ اور نہروان کے بالائی حصہ میں، سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بلقاء میں جہاں سے وہ بصریٰ پر آسانی سے حملہ کر سکتے تھے، اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عربہ میں حبرون کے لیے خطرہ کی گھنٹی بنے پڑے تھے۔ یہ لشکر اگرچہ الگ الگ تھے لیکن ان کے امراء میں باہمی مراسلت و مشاورت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ ان تمام اسلامی لشکروں کی تعداد تیس ہزار تھی۔

قیصر روم کو جب ان اسلامی لشکروں کا علم ہوا تو اس نے بھی ان کے مقابلے کے لیے اپنے لشکر مرتب کیے۔ ابن اثیر کی ایک روایت یہ ہے کہ ہرقل نے شروع میں رومی سرداروں اور ان کے مذہبی پیشواؤں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لیں لیکن ان سب لوگوں نے ہرقل کے اس مشورہ کی سخت مخالفت کی۔ چنانچہ مجبوراً اس کو جنگ کی تیاری کرنی پڑی۔

(ابن اثیر: ۲/۲۷۸)

Marfat.com

ہرقل کی بنیادی پالیسی یہ تھی کہ اسلامی لشکروں کو کسی ایک محاذ پر اکٹھا نہ ہونے دیا جائے تاکہ وہ اجتماعی قوت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ نہ کرسکیں۔ چنانچہ قیصر خود حمص آیا جہاں شام کی ایک بہت بڑی فوجی چھاؤنی تھی اور یہاں اس نے اپنے چار لشکر تمام جنگی سازوسامان اور اسلحہ سے لیس کرکے اس طرح روانہ کیا:

① ایک لشکر جو نوے ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ اس لشکر کی کمان ہرقل کے حقیقی بھائی تھیوڈورس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نوے ہزار کے لشکر کے مقابلہ میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد سات آٹھ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔

② دوسرا لشکر جو ساٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر بھیجا گیا۔ اس لشکر کا قائد پیٹر (Peter) تھا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی فوج بھی سات آٹھ ہزار کے درمیان تھی۔

③ تیسرے لشکر کی قیادت سرجیس (Ser Gius) کررہا تھا جو سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا گیا۔

④ چوتھا لشکر دراقص کی زیر قیادت تھا جو سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجا گیا۔

مسلمانوں کو جب ان لشکروں کی روانگی کا علم ہوا تو انہیں اپنی قلت تعداد اور دشمن کی کثرت تعداد کے باعث کچھ اندیشہ ہوا۔ چنانچہ انہوں نے بارگاہ خلافت سے اس بارے میں ہدایت طلب کی۔ وہاں سے جواب آیا: ''تم سب ایک جگہ اکٹھے ہوجاؤ اور ایک لشکر بنالو۔ قلت تعداد کا غم نہ کرو۔ تم اللہ کے دین کے مددگار ہو وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ لہٰذا تم سب یرموک میں جمع ہوجاؤ'' اس کے ساتھ ہی آپ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ تم عراق میں مثنیٰ کو اپنا قائم مقام بناکر فوراً شام کے لیے روانہ ہوجاؤ۔ ابن اثیر کے الفاظ میں ''تم روانہ ہوجاؤ یہاں تک کہ یرموک میں جو مسلمان مجتمع ہیں ان سے ملو کیونکہ وہ غم زدہ ہیں۔'' (ابن اثیر: ۲/۶۰۲)

یرموک دراصل ایک دریا کا نام ہے جو حوران کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور مختلف پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اردن کے دریا اور بحر مردار (Dead Sea) میں جا ملتا ہے۔

Marfat.com

یرموک کا یہ دریا اردن کے دریا سے جہاں ملتا ہے وہاں تیس یا چالیس میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جس کا نام داقوصہ ہے۔ یہ مقام ایک وسیع نشیبی علاقہ ہے اور تین اطراف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ چونکہ یہ بہت وسیع مقام تھا اس لیے ہرقل کی فوجوں نے اسے اپنے ہیڈ کوارٹر کے لیے منتخب کیا۔ رومی وہاں پہنچ کر لشکر انداز ہو گئے۔ مسلمان دریائے اردن کے دائیں بازو کو عبور کر کے رومیوں کے بالمقابل فروکش ہو گئے۔ اب تین طرف سے رومی پہاڑوں سے گھرے ہوئے تھے اور ان کے سامنے جو راستہ تھا اس پر اسلامی فوج قابض ہو گئی۔ اس طرح وہ محصور ہو کر رہ گئے۔ مسلمانوں کے لیے یہ صورت حال جنگی لحاظ سے بڑی مفید تھی۔ قیصر روم کی فوج تھیوڈوس کے ماتحت تھی۔ مقدمہ الجیش پر سرجس اور میمنہ اور میسرہ پر باہان اور دراقص اور میدان جنگ کا انچارج پیٹر تھا ادھر اسلامی لشکر کی قیادت اب خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔

ادھر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بھی عراق سے منزلیں طے کرتے یرموک پہنچ گئے۔ ان کے یرموک پہنچنے سے قبل رومیوں اور مسلمانوں میں معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن کھل کر کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ جب خالد رضی اللہ عنہ پہنچ گئے تو پھر ایسی زوردار جنگ ہوئی جس میں رومیوں کو عبرت ناک شکست ہوئی جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ'' میں دی ہے۔

جنگ یرموک سے کوئی دس روز قبل یعنی ۸ جمادی الاخرۃ ۱۳ھ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا لہٰذا یہ جنگ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوئی ہے۔

جنگ یرموک شروع ہونے سے قبل سارے لشکر کے امیر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تھے لیکن جب خالد رضی اللہ عنہ آ گئے تو سب نے متفقہ طور پر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سارے لشکر کا امیر بنا دیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے سارے لشکر کو ۳۶ دستوں میں تقسیم کیا۔ ان میں سے ۱۸ درمیانی دستوں پر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو کمانڈر بنایا گیا۔ دس دستے میمنہ پر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں دیے گئے اور دس ہی دستے میسرہ پر سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں رکھے گئے۔

حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ جنگ شروع ہونے کے بعد جو شخص سب سے پہلے شہید ہوا وہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس لڑائی شروع ہونے سے قبل آیا اور عرض کی: ''میں نے آج

Marfat.com

شہادت کا مرتبہ حاصل کرنے کا پورا پورا تہیہ کیا ہوا ہے لہٰذا سرکار دو عالم ﷺ کے لیے کوئی پیغام ہے تو مجھے دے دیں۔'' سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب تو شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہووے تو میری طرف سے آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرنا اور یہ بھی عرض کرنا کہ

یا رسول الله! انا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا۔

''اے اللہ کے رسول! جو ہمارے رب نے ہم سے وعدے کیے تھے ہم نے ان سب کو سچا پایا۔''

یہ شخص پیغام لے کر میدان جنگ میں گیا اور جاتے ہی شہید ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے تھے تو ایک بطریق صف کو چیرتے ہوئے میدان میں آیا اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا۔ وہ یہ شعر پڑھتے ہوئے میدان میں بڑھے

سائل نساء الحی فی احجالها
ألست یوم الحرب من ایطالها

یعنی پردہ نشین عورتوں سے پوچھ لو، کیا میں لڑائی کے دن بہادر لوگوں میں سے نہیں ہوتا۔''

قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر میدان میں آئے اور آتے ہی دشمن پر ایسا جھپٹے کہ دشمن ہتھیار بھی نہ سنبھال سکا۔ سر پر ایسی تلوار ماری جو خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اتر گئی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے بطریق کو اس طرح مرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''الحمد للہ! شگون اچھا ہوا ہے۔ اب ان شاء اللہ فتح ہماری ہی ہوگی۔

رات کو باہان نے اپنے سرداروں کو بلایا اور ان کے مشورے سے اسلامی لشکر کے سپہ سالار کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ کسی معزز کمانڈر کو صلح کی بات چیت کے لیے بھیج دو۔ قاصد جو رومیوں کی طرف سے پیغام لے کر آیا اس کا نام جارج (George) تھا۔ وہ شام کے وقت مسلمانوں کے کیمپ میں آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نماز مغرب شروع ہوئی۔ مسلمان نماز میں جس محویت، سکون و وقار اور ذوق وشوق کے ساتھ کھڑے ہوئے تو وہ اس کو نہایت حیرت سے دیکھتا رہا اور بہت متاثر ہوا۔ بعد میں اس نے مسلمانوں سے اس بارے میں کچھ سوالات بھی کیے اور آخر

Marfat.com

حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ وہ واپس رومی لشکر میں جانا نہیں چاہتا تھا لیکن سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اصرار کے ساتھ واپس بھیج دیا اور فرمایا: ”کل ہمارے سفیر کے ساتھ آ جانا۔“

دوسرے روز سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے کہنے پر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رومیوں کے کیمپ میں تشریف لے گئے رومیوں نے اپنی شان وشوکت اور دبدبہ دکھانے کا بڑا اہتمام کیا ہوا تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ان کی اس تمام شان وشوکت کو پائے استحقار سے ٹھکراتے ہوئے سیدھے باہان کے خیمے میں پہنچ گئے اور ایک مترجم کے ذریعہ سے گفتگو ہوئی۔ باہان نے پہلے تو اپنی طاقت وقوت کا تذکرہ کیا پھر کہا کہ اگر تم لوگ یہاں سے واپس چلے جاؤ تو انعام کے طور پر تمہارے سپہ سالار کو دس ہزار دینار، افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سوسو دینار دلا دیے جائیں گے۔

جب باہان اپنی پیشکش کہہ چکا تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے بڑا نفیس جواب دیا۔ فرمایا:
”باہان! سن (انا قوم نشرب الدماء وانه بلغنا انه لادم اطيب من دوم الروم، فجئنا لذالك) ہم اس وجہ سے اپنے ملک سے نکل کر یہاں نہیں آئے جو وجہ تو نے بیان کی ہے بلکہ ہم خون پینے والے لوگ ہیں اور ہمیں پتہ چلا ہے کہ رومیوں سے زیادہ اور کسی قوم کا خون لذیذ اور اچھا نہیں ہوتا۔ ہم صرف اس لیے آئے ہیں پھر آپ نے اس کو اصل حقیقت سے واضح کیا کہ ہم اللہ کے دین کی دعوت دینے والے لوگ ہیں۔ جو ہماری دعوت قبول کر لے وہ ہمارا بھائی ہے۔ جس نے قبول نہ کیا لیکن جزیہ دینا قبول کر لیا ہم اس کے محافظ ہیں، جس نے دونوں سے انکار کیا اس کے لیے ہماری تلوار ہے۔“

باہان نے جزیہ کا نام سن کر ایک ٹھنڈی آہ بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ”یہ لوگ مر کر بھی جزیہ نہ دیں گے کیونکہ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔“ مختصر یہ کہ کوئی معاملہ طے نہ ہوا اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اٹھ کر واپس اپنے لشکر میں آ گئے۔ اب باہان نے اپنے سرداروں سے کہا: ”دیکھ لیا عربوں کا انداز سخن، تم جب تک ان کی رعایا نہ بن جاؤ ان کے حملہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے کیا تم کو ان کی غلامی منظور ہے؟ تمام کمانڈروں نے کہا: ”ہم مر جائیں گے لیکن یہ ذلت گوارا نہیں کریں گے۔“

جب صلح کی تمام امیدیں ختم ہو گئیں تو اگلے ہی روز جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمان تعداد میں اگرچہ بہت کم تھے لیکن افسران فوج کی دانشمندی، فن سپہ گری سے بخوبی آشنائی، سپاہیوں کے غیر معمولی

Marfat.com

جوش اور سب سے بڑھ کر نصرت خداوندی نے دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیے۔ دشمن سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ اس کے ستر ہزار سپاہی کھیت رہے۔ مسلمان بھی تین ہزار کے قریب شہید ہوئے۔

جنگ یرموک کے کچھ روز بعد مسلمانوں نے دمشق پر حملہ کیا۔ اہل شہر قلعہ بند ہو گئے۔ اسلامی لشکر نے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ محاصرہ کے دوران دمشق کے پادری کے ہاں بچہ کی ولادت ہوئی۔ اس کے جشن میں اہل شہر نے خوب شرابیں پیں اور بدمست ہوکر سو گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ امیر لشکر ہونے کے ناطے راتوں کو سوتے نہ تھے بلکہ گھوم پھر کر دشمن کی مخبری کرتے تھے۔ انہوں نے اس جشن کی وجہ سے جب دیکھا کہ اہل شہر اور فوج بدمست ہوکر سوئے ہوئے ہیں تو چند مسلمانوں کی معیت میں انہوں نے شہر کی فصیل پر کمند ڈال کر شہر کے دروازے کھول دیے۔ مسلمان فوج شہر میں داخل ہوگئی جس سے اہل شہر بوکھلا گئے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ وہ سیدھے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے جو شہر کی دوسری جانب متعین تھے، اور ان سے پناہ اور صلح کی درخواست کی۔ انہیں صحیح صورت حال کا علم نہیں تھا، لہٰذا انہوں نے صلح قبول کرلی۔ چنانچہ شہر کی ایک جانب سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ فاتحانہ داخل ہوئے اور دوسری جانب سے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مصالحانہ طور پر داخل ہوئے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ چونکہ مصالحت کر چکے تھے اس لیے یہ فتح مصالحانہ قرار دی گئی، لہٰذا نہ مال غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ ہی کسی کو لونڈی اور غلام بنایا گیا۔ دمشق کی فتح کے چند روز بعد مسلمانوں نے اردن کے پورے علاقہ کو بھی فتح کرلیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خط پہنچا کہ اور شہروں کا خیال چھوڑ کر پہلے حمص اور پھر انطاکیہ کو فتح کیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم کی تعمیل میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر حمص کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہرقل ان دنوں حمص ہی میں مقیم تھا۔ اس نے اپنے دو جرنیلوں توذا شنس کی شکست کا سنا تو اہل حمص کو مقابلہ کی ہمت دلا کر خود بھاگ گیا۔ اہل شہر قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ چند روز کے بعد اہل شہر محاصرے سے تنگ آ گئے اور صلح پر آمادہ ہو گئے۔ ابھی یہ صلح کے بارے میں غور و فکر ہی کر رہے تھے کہ اچانک زلزلہ آیا اور شہر کی فصیل شق ہوگئی اور اندرون شہر بہت سے مکان مٹی کا ڈھیر ہو گئے۔ اس سے خوف زدہ ہوکر انہوں نے مسلمانوں سے صلح کی درخواست کر دی جو قبول ہوگئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو حمص ہی میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔

Marfat.com

موسم سرما گزرنے کے بعد فتح کی امنگ پھر دلوں میں چٹکیاں لینے لگی، چنانچہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ اب کس طرف کا رخ کیا جائے؟ انہوں نے کہا کہ ایک طرف انطاکیہ اور دوسری طرف حلب پر حملہ کرنا ضروری ہے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو حمص میں اپنا قائم مقام بنا کر خود حماۃ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حماۃ والوں نے صلح کر لی۔ پھر لاذقیہ کو فتح کیا۔ اب سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ انطاکیہ کی طرف بڑھے اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ حلب کی طرف۔ راستے میں قنسرین تھا جو صوبہ حلب کا سب سے بڑا اور سب سے بارونق شہر تھا۔ میناس حلب کا گورنر تھا وہ اس وقت قنسرین ہی میں موجود تھا۔ اس نے عرب فوجوں کے حملہ کی اطلاع پا کر اعلان کیا کہ ''اب مسلمانوں کو کچل کر رکھنا ہے۔ انہیں یہ بتانا ہے کہ ہماری سرحدوں میں در آنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ فوج کو کمر بندی کا حکم دیا جائے اور شہر کا ہر چھوٹا بڑا مادر وطن کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہو جائے۔''

گورنر کا اعلان اہل شہر کی ہمتوں کو بڑھاوا نہ دے سکا اور مسلمانوں نے قنسرین کو فتح کر لیا۔ اہل شہر میں سے کچھ انطاکیہ بھاگ گئے جو بعد میں واپس آ گئے لیکن اہل شہر کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف بغض و کینہ کے جذبات سلگتے رہے۔ چنانچہ جب مسلمان فوج حلب کی طرف بڑھی تو انہوں نے بغاوت کر دی۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے باغیوں کی سرکوبی کے لیے فوج روانہ کی جس نے محاصرہ کر کے بغاوت کو فرو کیا۔ اس فوج کو پھر وہیں چھوڑ دیا گیا تا کہ وہ دوبارہ بغاوت و سرکشی نہ کر سکیں۔

قنسرین کی فتح کے بعد سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ آگے حلب کی طرف بڑھے اور شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں جو عرب تھے انہوں نے جزیہ پر صلح کر لی۔ اب سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو آگے بھیجا۔ ان کو دیکھ کر اہل حلب قلعہ بند ہو گئے۔ سیدنا عیاض رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ہر چند کہ حلب کے قلعے بہت مضبوط تھے لیکن جب ہمتیں پست ہو جائیں اور ارادے مسمار ہو جائیں تو قلعوں کی مضبوطی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ چنانچہ انہوں نے امان کی درخواست کی۔ سیدنا عیاض رضی اللہ عنہ نے ان کو امان دے دی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جب حلب میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی شخص نہ تھا۔ پورا شہر انطاکیہ منتقل ہو گیا اور یہ لوگ صلح کے بعد واپس آئے۔

Marfat.com

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے قنسرین اور دوسرے شہروں کی فتح کا خط سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا جس میں خالد رضی اللہ عنہ کے کارناموں کا ذکر تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط پڑھ کر خالد رضی اللہ عنہ کی عبقریت پر بڑا تعجب ہوا اور فرمایا:

''خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو امیر بنا لیا ہے۔ اللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔'' اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس جملہ کو بار بار دہراتے۔''

انطاکیہ پر قبضہ

دمشق، حمص اور دوسرے بڑے شہروں کے فتح ہونے کے بعد ہرقل کی پوزیشن بڑی مخدوش ہو گئی کہ اسے اپنی وسیع و عریض سلطنت میں کہیں جائے پناہ نہ ملتی۔ وہ جس شہر میں بھی جاتا مسلمان اس شہر پر حملہ کر دیتے اور اسے وہاں سے بھاگنا پڑتا۔ وہ دمشق میں تھا کہ مسلمانوں نے دمشق کو فتح کر لیا۔ ہرقل بھاگ کر حمص چلا گیا۔ مسلمانوں نے حمص کو بھی فتح کر لیا تو ہرقل بھاگ کر انطاکیہ چلا گیا۔ اب انطاکیہ مسلمانوں کا ہدف تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ شاید تقدیر ترش روئی کے بعد پھر اس کے لیے مسکرا دے لیکن ایسا ہونا اب ممکن نہیں تھا۔ اسے اب اپنا ستارہ زوال کے افق میں غروب ہوتا نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ وہ ''رہا'' سے بھاگ کر قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کی طرف جا رہا تھا۔ جب اس نے شمشاط سے گزر کر پہاڑوں کی راہ اختیار کی تو وہاں سے شام کی حسین و جمیل سرزمین پر نگاہ ڈالی اور نہایت حسرت و یاس بھرے لہجے میں کہنے لگا: ''سلام اے سرزمین شام! الوداعی سلام! اب کوئی رومی بے کھٹکے تیری طرف نہ آ سکے گا۔''

انطاکیہ ان دنوں مشرق میں رومی سلطنت کا پایہ تخت تھا اور قسطنطنیہ کے مقابلہ کا شہر سمجھا جاتا تھا۔ رومی سردار اس کو اسکندریہ سے بہتر سمجھتے تھے۔ رومی امراء اور سلاطین نے اس شہر میں ایسی ایسی عبادت گاہیں، ایسی ایسی عمارتیں اور ایسی ایسی تفریح گاہیں بنائی ہوئی تھیں جنہوں نے اس شہر کو دمشق کے علاوہ مشرق کے تمام شہروں سے زیادہ بارونق بنا دیا تھا۔ اس زمانہ میں انطاکیہ کی آبادی ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی جو کہ اس زمانہ کے لحاظ سے بہت بڑی آبادی تھی۔

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ انطاکیہ کے استحکام، اس کے محل وقوع اور اس کی فوجی قوت اور دفاعی

Marfat.com

اہمیت سے پوری طرح آشنا تھے۔شام کی جنگوں میں جو رومی شکست کے بعد بچ گئے وہ سب کے سب انطاکیہ میں جمع ہو کر اس کی حفاظت و مدافعت کے لیے کمر بستہ ہو گئے،لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود وہ مسلمان فوج کا مقابلہ نہ کر سکے اور آخر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے جزیہ پر صلح کی۔جن لوگوں نے جزیہ دینا قبول نہ کیا ان کو جلاوطن کر دیا گیا۔

دمشق میں مسلمانوں کی طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ان اسلامی فوجوں کی فکر لاحق ہوئے جو فحل کے قریب اقامت پذیر تھیں۔فحل کے قریب رومیوں کا وہ لشکر موجود تھا جس نے یرموک کے میدان جنگ سے بھاگ کر وہاں پناہ لی تھی۔اس کے علاوہ ہرقل کی امدادی فوجیں بھی ان کے پاس پہنچ چکی تھیں۔

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمنی فوج کو دمشق میں چھوڑا اور خود سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ فوج لے کر روانہ ہو گئے اور فحل میں جا کر پڑاؤ ڈالا۔خوراک کی یہاں کوئی کمی نہ تھی کیونکہ علاقہ بہت زرخیز تھا۔دوسری طرف ان کے سامنے رومیوں کا اسی (۸۰) ہزار کا لشکر تھا جو ان کے سامنے یرموک اور دمشق کا انتقام لینے کے لیے زخمی ناگ کی طرح پھنکاریں مار رہا تھا۔جب فحل میں مسلمانوں کا قیام طویل ہو گیا تو ہرقل کے جرنیل سقلا بن مخراق نے اپنی کثرت افواج کے زعم میں اچانک حملہ کر کے انہیں شکست سے دوچار کرنے کا ارادہ کیا۔لیکن اس کی یہ تمام اسکیم غلط ثابت ہوئی اور مسلمانوں سے جنگ میں رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔اس جنگ میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیدنا ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ نے بہادری اور جوانمردی کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن ورطۂ حیرت میں پڑ گیا۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نہ صرف فتح سے ہمکنار کیا بلکہ انہیں بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا۔سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فتح کی خوش خبری سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجی۔

بیت المقدس کی فتح

جس وقت سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شمالی روم میں فاتحانہ پیش قدمی فرما رہے تھے،سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اس وقت فلسطین میں رومی فوجوں سے جنگ آزما تھے۔فوجیں کثرت تعداد میں بہت زیادہ تھیں۔جدید قسم کا سامان حرب وضرب ان کے پاس موجود تھا،

Marfat.com

پھر ان کی قیادت روم کا سب سے بڑا جرنیل اطربون کر رہا تھا جس کی دوراندیشی، جنگی مہارت اور جنگ کے بارے میں اس کی حکمت عملی ساری مملکت میں اپنا حریف نہ رکھتی تھی، لہٰذا وہاں فتح حاصل کرنا کوئی آسان اور معمولی کام نہ تھا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور وفکر کیا اور انہوں نے اردگرد کے تمام علاقوں پر قبضہ کر کے رومی کمانڈر اطربون کی سپلائی لائن کاٹ دی۔ پھر ایک خط سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ''میں بڑے ہی خطرناک دشمن سے لڑ رہا ہوں اور ایسے شہروں میں ہوں جو آپ کے لیے سپرد کر دیے گئے۔ آگے جو آپ کی رائے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ فلسطین سے انہیں بار بار کمک بھجوانے کے لیے لکھا جا رہا ہے تو خود فلسطین کے سفر پر روانہ ہوئے۔ سیدنا یزید بن ابی سفیان، سیدنا ابو عبیدہ اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہم کو اطلاع بھجوائی گئی کہ مجھے جابیہ کے مقام پر آ کر ملیں۔ (جابیہ اس زمانے میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی چھاؤنی تھی۔ شام کے علاقہ میں اس سے بڑی چھاؤنی اور کوئی نہ تھی) اس وقت سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ شام کا سارا شمالی علاقہ فتح کر چکے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جابیہ میں اپنے کمانڈروں اور جرنیلوں کے باہمی مشورے سے بیت المقدس کی صورت حال کے بارہ میں فتح کا نقشہ بنانا چاہتے تھے۔

سیدنا ابو عبیدہ، سیدنا خالد، سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم، امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے استقبال کے لیے جابیہ پہنچ گئے۔ بیت المقدس والوں کے نمائندے کی حیثیت سے رومی حکومت کا امیر صفرنیوس بھی جابیہ موجود تھا۔ وہ اس لیے آیا تھا کہ مسلمانوں سے مصالحت کر لی جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب بستی کے قریب پہنچے تو سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سب حضرات کو لے کر استقبال کے لیے شہر سے باہر گئے۔ پادری صفرنیوس کا خیال تھا کہ اب امیر المؤمنین کا لاؤ لشکر نظر آئے گا۔ ان کے محافظ دستہ ان کے اردگرد آگے پیچھے ہوگا جیسا کہ اس زمانے میں بادشاہوں کے ساتھ ہوتا تھا لیکن وہاں تو دور دور تک کوئی ایسا اہتمام نظر نہ آتا تھا۔ انہوں نے جو کچھ دیکھا وہ یہ تھا کہ ایک آدمی اونٹ پر بیٹھا ان کی طرف آ رہا ہے اور دوسرا آدمی اونٹ کی نکیل پکڑے آگے آگے چل رہا ہے۔ سب مسلمان جرنیلوں نے دوڑ کر اس شخص کا بڑے احترام اور اہتمام سے استقبال کیا جو نکیل پکڑے ہوئے پیدل آ رہا تھا۔ صفرنیوس پادری نے پوچھا: ''امیر المؤمنین کہاں ہیں اور وہ کب آئیں گے؟'' اس کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی تھی کہ یہ شخص امیر المؤمنین ہو سکتا ہے

Marfat.com

جس نے اونٹ کی نکیل پکڑی ہوئی ہے۔لیکن اسے بتایا گیا کہ یہی تو امیر المومنین ہیں۔اب اس کا دوسرا سوال یہ تھا کہ اگر یہ امیر المومنین ہیں تو پھر وہ شخص کون ہے جو اونٹنی پر سوار ہے؟ اسے بتایا گیا کہ وہ امیر المومنین کا غلام ہے۔اب یہ بات اس کے لیے اور پریشان کن تھی کہ امیر المومنین تو پیدل چل رہے ہیں اور غلام اونٹ پر سوار ہے۔اس کا دماغ چکرا رہا تھا لیکن وہ اس معمہ کو حل نہ کر سکا۔ایسا اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔صفرنیوس کو اس کی تفصیل بتائی گئی۔اس نے جب یہ تفصیل سنی تو اس کا دماغ اور بھی چکر کھا گیا کہ ''یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟'' اس نے اپنے دل میں کہا: ''یہ کیسے عجیب اور نفیس لوگ ہیں۔''

امیر المومنین جابیہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔یہیں بیت المقدس کا معاہدہ دستخط ہوا اور یہیں رملہ والوں سے صلح کا معاملہ طے پایا۔فلسطین کے اور بھی کئی شہروں کے امراء یہاں آ کر صلح کے معاہدے کر کے گئے۔چنانچہ اس لحاظ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ سفر نہایت کامیاب رہا۔

حمص پر دوبارہ قبضہ کی کوشش

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنے اپنے علاقوں میں واپس بھیج دیا۔سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ حمص اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ قنسرین کی امارتوں پر واپس چلے گئے۔اہل جزیرہ جو عراق اور شام کے درمیان آباد تھے، وہ ان شہروں کے فتح ہونے کی وجہ سے غضب ناک تھے۔چنانچہ انہوں نے ہرقل کو لکھا کہ اگر وہ مسلمانوں سے لڑنے اور انہیں ان کے مقبوضات سے نکال باہر کرنے کے لیے بحری راستے سے اپنا لشکر بھیجے تو وہ اس کی مدد کریں گے۔ہرقل نے ان کی تجویز سے اتفاق کیا کیونکہ وہ خود بھی مسلمانوں کو شکست دے کر اپنا کھویا ہوا علاقہ ان سے واپس لینا چاہتا تھا۔جونہی ہرقل کا خط پہنچا مختلف قبائل اپنی فوجیں لے کر جزیرے سے حمص کی طرف روانہ ہو گئے۔اس فوج کی تعداد تیس (۳۰) ہزار بتائی جاتی ہے۔

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو جب رومیوں کی ان جنگی کارروائیوں کی اطلاع ملی تو انہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو قنسرین سے مشورہ کے لیے بلایا۔دونوں جرنیلوں نے باہم مل کر یہ طے کیا کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے تمام اسلامی فوجوں کو شمالی شام سے اکٹھا کیا جائے۔چنانچہ انطاکیہ، حلب اور قریب کی تمام چھاؤنیوں سے لشکروں کو حمص میں اکٹھا کیا گیا۔جب ہرقل کے جہاز انطاکیہ

Marfat.com

پہنچے تو شہر کے دروازے فوج کے لیے کھل گئے اور رعایا مسلمانوں کے خلاف ہوگئی اور تمام شمالی شام میں یک دم بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ یہ ایک نہایت نازک موقع تھا۔ چنانچہ اس بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا گیا۔ انہوں نے اپنی چھاؤنیوں کے انچارج حضرات کو لکھا کہ فوراً حمص پہنچیں۔ چنانچہ ہر طرف سے کمک آنا شروع ہوگئی اور اس بغاوت کو نہایت سختی سے فرو کر دیا گیا جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیرت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ'' میں دی ہے۔

شام کی امارت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عراق اور شام کے محاذوں پر جنگی پالیسی مختلف تھی۔ عراق میں پوری فوج کی باگ ڈور صرف ایک شخص کے ہاتھ میں تھی۔ عہد صدیقی میں یہ کنٹرول سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھا جب کہ عہد فاروقی میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں، لیکن شام میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیک وقت چار لشکر روانہ کیے اور ہر لشکر کے لیے شام کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا اور ہر لشکر کا الگ الگ امیر مقرر فرمایا تھا اور انہیں اپنی حدود میں مکمل اختیارات حاصل تھے لیکن ساتھ ہی یہ حکم تھا کہ اگر کسی جگہ پر یہ سارے لشکر جمع ہو جائیں تو ان سب کے سپہ سالار اور کمانڈر سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہوں گے جو اس امت کے ''امین'' ہیں۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ امین الامت سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا دیا۔ چنانچہ دمشق کی فتح کے بعد سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ برابر شام میں اسلامی فوجوں کے سپہ سالار رہے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے یہ عہدہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ دمشق سے روانہ ہونے لگے تو انہوں نے لوگوں سے فرمایا: ''تمہیں خوش ہونے چاہیے کہ امین الامت تمہارا امیر ہے۔'' سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا: میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''خالد اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔'' غرض اسی محبت اور خلوص کے ساتھ امارت کا چارج لیا اور دیا گیا۔ یہ معزولی سنہ ۱۷ھ میں عمل میں آئی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی دیانت، خلوص اور لیاقت واہلیت پر بڑا اعتماد تھا۔

Marfat.com

چنانچہ آپ نے شام میں جتنی بھی اصلاحات کیں ان میں سے اکثر و بیشتر سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے عمل میں آئیں۔

سنہ ۱۷ھ کے آخر میں مدینہ اور جزیرہ نمائے عرب میں قحط پڑ گیا۔ اس قحط میں کھیتیاں تباہ اور مویشی ہلاک ہو گئے اور لوگوں کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نازک موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ذمہ داری کو خوب نبھایا۔ آپ نے عرب کے باشندوں کی مدد کے لیے عراق اور شام کے گورنروں کو خطوط لکھے اور ان خطوط کے الفاظ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے غلہ کی کھیپ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ لے کر آئے۔ چار ہزار اونٹ غذا کے سامان سے لدے ہوئے خود لے کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس غذائی سامان کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔ (بعض روایات میں ہے کہ شام سے بھیجے تھے خود لے کر نہیں آئے تھے) اور قحط زدہ لوگوں میں تقسیم کرنے کا کام بھی انہی کے سپرد فرمایا۔

طاعون عمواس

قحط ابھی پوری طرح ختم نہ ہونے پایا تھا کہ شام میں طاعون کے پھوٹنے کی خبر نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بے چین کر دیا۔ ہوا یہ کہ فلسطین کے ایک شہر عمواس میں طاعون پھیلا اور پھر اس کے جراثیم نے پورے شام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس طاعون سے قریباً ۲۵ ہزار مسلمان لقمہ اجل بن گئے۔ جن میں بڑے بڑے جرنیل بھی تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود تدبیر و انتظام کے لیے مدینہ چھوڑ کر مقام سرغ پہنچے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور دیگر سرداروں نے ان کا یہاں استقبال کیا اور آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ طاعون کی شدت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ آپ مہاجرین و انصار سے مشورہ کے بعد واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ مدینہ میں آپ نے وبا کے بارے میں غور و فکر کرنا شروع کیا کہ مسلمانوں کو طاعون کی تباہ کاریوں سے کیسے بچایا جائے۔ امیر المؤمنین کو دوسرے لوگوں کے ساتھ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی بہت فکر تھی۔ آخر ''امین الامت'' تھے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی زندگی اس لیے بھی عزیز تھی کہ وہ انہیں اپنے بعد خلیفہ نامزد کرنا چاہتے تھے، لہٰذا آپ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو وبا کے گرداب سے نکالنے کے لیے خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے:

Marfat.com

''سلام کے بعد مجھے ایک ضرورت پیش آ گئی ہے جس کے بارے میں آپ سے زبانی بات کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا سخت تاکید کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ جونہی آپ کو میرا یہ خط موصول ہو فوراً میری طرف روانہ ہو جائیں۔''

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مارشل آدمی تھے۔ آپ ساری زندگی اطاعت امیر کے پابند رہے لیکن اس خط کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صرف اس لیے مدینہ بلا رہے ہیں کہ مجھے اس طاعون زدہ علاقہ سے نکالا جا سکے۔ چنانچہ خط پڑھ کر انہوں نے ساتھیوں سے فرمایا کہ ''میں امیر المؤمنین کی ضرورت جان گیا ہوں، وہ ایک ایسے شخص کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جو باقی رہنے والا نہیں۔'' یہ کہہ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ جواب لکھا:

''امیر المؤمنین! آپ نے مجھے جس ضرورت کے لیے بلایا ہے وہ مجھے پتہ چل گئی ہے، لیکن میں مسلمانوں کے ایسے لشکر کے درمیان بیٹھا ہوں جس کے لیے میں اپنے قلب میں اعراض کا کوئی جذبہ نہیں پاتا، لہٰذا میں ان لوگوں کو تنہا چھوڑ کر اس وقت تک نہیں آنا چاہتا جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے بارے میں اپنی تقدیر کا حتمی فیصلہ نہیں فرما دیتا، لہٰذا مجھے، اے امیر المؤمنین! اپنے اس تاکیدی حکم سے معاف فرمائیں اور اپنے لشکر ہی میں رہنے دیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے خط کا یہ جواب پڑھا تو آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جو آب دیدہ دیکھا تو پوچھا: ''کیا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی؟'' فرمایا: ''ہوئی تو نہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہونے والی ہے۔'' (سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۸-۱۹، مستدرک: ۳/۲۶۳)

اس کے بعد آپ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو دوسرا خط لکھا کہ آپ نے لوگوں کو ایسی زمین پر رکھا ہوا ہے جو نشیب میں واقع ہے۔ اب انہیں کسی بلند جگہ پر لے جائیں جس کی ہوا صاف ستھری ہو۔ یہ خط سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ملا تو انہوں نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا: آپ کوئی اچھی سی جگہ تلاش کریں جہاں لے جا کر لشکر کو ٹھہرایا جا سکے۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جگہ کی تلاش میں جانے کے لیے گھر پہنچا تو دیکھا کہ میری اہلیہ طاعون میں مبتلا ہو چکی ہے۔ میں نے واپس آ کر سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بتایا۔ انہوں نے خود جگہ کی تلاش میں جانے کے لیے اونٹ پر کجاوا کسوایا۔ ابھی آپ نے اس کی رکاب میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ آپ پر بھی طاعون کا

Marfat.com

حملہ ہو گیا اور آپ اس عالم فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو انتقال فرما گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاء۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل کے لیے لشکر کو کسی اچھے اور صحت بخش مقام پر لے جاؤ، سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ کسی بلند اور صحت بخش مقام کو تلاش کرو۔ انہوں نے جابیہ کا انتخاب کیا، چنانچہ آپ لشکر کو لے کر جابیہ چلے آئے۔

(فتح الباری: ۱۰/۱۵۹)

جابیہ پہنچ کر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ طاعون میں مبتلا ہو گئے۔ جب مرض نے زیادہ شدت اختیار کر لی تو سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور لوگوں کو جمع کر کے ایک نہایت موثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا: ''حضرات! یہ مرض خدا کی رحمت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہے۔ پہلے بہت سے صلحائے روزگار اس میں جاں بحق ہوئے ہیں اور اب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے رب سے اس سعادت میں حصہ پانے کا خواہش مند ہے۔'' (مسند احمد: ۱/۱۹۶)

نماز کا وقت آیا تو سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے تجہیز و تکفین کی اور حاضرین کے سامنے ایک پُر درد، موثر اور دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اترنے والی تقریر کے بعد فرمایا: صاحبو! آج تم میں سے ایک ایسا شخص اٹھ گیا ہے کہ بخدا! میں نے اس سے زیادہ صاف دل، بے غش و کینہ، سیر چشم، عاقبت اندیش، دانش مند، باحیا، خلق خدا کا خیر خواہ کبھی نہیں دیکھا۔ پس خدا سے اس کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرو۔'' (الاصابہ: ۴/۱۲)

چنانچہ تمام لشکر نے نمناک آنکھوں کے ساتھ تدفین کا فریضہ انجام دیا۔ وفات کے وقت اٹھاون سال کی عمر تھی۔ اس قلیل مدت میں اتنے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیے کہ دنیا آج تک انگشت بدنداں ہے۔

اخلاق و عادات

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کی کتاب زندگی کا یہ باب نہایت روشن اور تابناک ہے کہ وہ اس امت کے امین تھے۔ لیکن ان کے صحیفہ اخلاق میں اتباع سنت، تقویٰ و پرہیز گاری، زہد و اخلاص اور شفقت و ترحم کے ابواب بھی نہایت روشن تھے۔ چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

كان ابو عبيدة موصوفاً بحسن الخلق وبالحلم الزائد والتواضع۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۳)

''یعنی سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ حسن خلق، حلم زائد اور تواضع سے موصوف تھے۔''

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ ''میری خواہش ہے کہ میرا ایک گھر ہو جو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں سے بھرا ہوا ہو۔''

(سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۴، طبقات ابن سعد: ۳/۳۰۰، مستدرک حاکم: ۳/۲۶۲، حلیۃ الاولیاء: ۱/۲۶۲)

مؤرخین نے لکھا ہے کہ خوف خدا کا یہ حال تھا کہ معمولی واقعات آپ کے لیے سرمایۂ عبرت بن جاتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت و جلال کو یاد کر کے آنکھیں نم ناک بلکہ اشک بار ہو جاتیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص ان کے گھر گیا۔ دیکھا کہ آپ زاروقطار رو رہے ہیں۔ اس نے پوچھا: ''ابوعبیدہ! رونے کی کیا وجہ ہے؟' فرمانے لگے: ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ آپ مسلمانوں کی آئندہ فتوحات اور ان میں انہیں جو مال و دولت حاصل ہوگا اس کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ آپ نے اس سلسلہ میں شام کا ذکر بھی فرمایا: پھر فرمایا ابوعبیدہ! اگر اس وقت تک تمہاری عمر وفا کرے تو تمہارے لیے صرف تین خادم کافی ہوں گے، ایک تمہارے لیے، ایک تمہارے اہل و عیال کے لیے اور ایک سفر میں تمہارے ساتھ جانے کے لیے۔ اسی طرح سواری کے تین جانور تمہارے لیے کافی ہوں گے، ایک سواری خاص تمہارے لیے، ایک اسباب و سامان کے لیے اور ایک سواری تیرے غلام کے لیے، لیکن اب میں دیکھتا ہوں تو میرا گھر غلاموں سے اور میرا اصطبل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے۔ میں قیامت کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے ملاقات کروں گا اور انہیں کیسے منہ دکھاؤں گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا تھا:

ان احبكم الى واقربكم منى، من لقينى مثل الحال التى فاقتكم عليها۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۲-۱۳، مسند احمد بن حنبل: ۱/۱۹۵-۱۹۶، مجمع الزوائد: ۱۰/۲۵۳، تاریخ ابن عساکر: ۱/۳۰۷-۳۰۸)

''وہ شخص مجھے سب سے زیادہ محبوب ہوگا اور مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوگا جو مجھے اسی حال میں ملے گا جس حال میں، میں اسے چھوڑ جاؤں گا۔''

Marfat.com

یہ دین میں ان کے خلوص اور للہیت کا جذبہ تھا جس نے ان سے جنگ بدر میں باپ کو قتل کروایا اور یہ تواضع اور اطاعت رسول تھی جس کی وجہ سے انہوں نے جنگ ذات السلاسل میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے اختلاف کے باوجود ان کی اطاعت کی اور اطاعت کرتے وقت یہ فرمایا کہ ''میں اس کی امارت کو صرف اس لیے تسلیم کر رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اتفاق سے رہنا اور ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرنا اور میں تمہاری اطاعت نہیں کرتا بلکہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی گردن جھکا رہا ہوں۔'' (مسند احمد بن حنبل: ۱۹۶/۱) حالانکہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس لشکر میں تھا جو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ لے کر گئے جب انہوں نے دمشق کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ جب ہم وہاں پہنچے اور نماز کا وقت آیا تو سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں کیونکہ آپ ہماری مدد کے لیے آئے ہیں اس لیے امامت کے زیادہ حق دار ہیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے کہا میں ایسے شخص کے آگے نہیں ہوں گا جس کے بارے میں، میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

لکل امة امین، وامین هذه الامة ابو عبیدة بن الجراح۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱۲/۱، تاریخ بغداد للخطیب بغدادی: ۲۸۱/۷)

''ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہے۔''

زہد و بے نیازی آپ کی گھٹی میں بھری ہوئی تھی۔ دولت دنیا سے نہایت بے نیازی تھی، دنیا اور اس کی نعمتیں ان کی نظر میں پر کاہ کی حیثیت نہ رکھتی تھیں۔ چنانچہ سفر شام میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوجی جرنیلوں کو پُر تکلف قبائیں اور زرق برق لباس پہنے دیکھا تو غصہ سے گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگ ریزے اٹھا کر ان کو مارے اور فرمایا کہ ''تم نے اس قدر عجمی عادتوں کو اپنا لیا ہے؟'' لیکن سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین سے اس حالت میں ملے کہ جسم پر وہی عربوں کا سادہ لباس اور سواری میں وہی عربوں کی اونٹنی جس کی نکیل بھی معمولی سی تھی۔ چنانچہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن مبارک کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب شام تشریف لے گئے تو وہاں کے امراء، عظماء اور بڑے بڑے فوجی جرنیل آپ سے ملے۔ آپ نے ان میں سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھ کر فرمایا: ''این اخی ابو عبیده؟'' میرا بھائی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا: ''وہ ابھی آ رہے ہیں۔'' تھوڑی دیر بعد سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ایک اونٹنی پر سوار تشریف لائے

Marfat.com

جس کی نکیل ایک معمولی رسی کی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سلام کیا: پھر لوگوں سے فرمایا: ''آپ حضرات تشریف لے جائیں۔'' آپ ان کے ساتھ ان کی رہائش گاہ پر تشریف لائے۔ انہیں دیکھ کر نہایت حیرت ہوئی کہ وہاں سوائے ڈھال، تلوار اور اونٹ کے کجاوے کے اور کچھ نہ تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابوعبیدہ! کاش تم ضروری سامان تو اپنے گھر میں رکھ لیتے۔'' سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے نہایت بے نیازی سے جواب دیا: ''امیر المومنین! ہمارے لیے یہی کافی ہے۔''

(سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۶، الاصابہ: ۵/۲۸۸، المصنف عبدالرزاق: ۲۰۶۲۸، حلیۃ الاولیاء: ۱/۱۰۱-۱۰۲، کتاب الزہد احمد بن حنبل: ص ۱۸۴)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ایک اور روایت اس سلسلہ میں نقل کی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب شام تشریف لے گئے تو آپ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے ساتھ اپنے گھر چلیں۔ گویا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ امیر شام کے گھر کا مال و اسباب کیا ہے؟ کتنے قالین اور کتنے صوفے ہیں؟ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ میرے ہاں جا کر کیا کریں گے؟'' آپ کو وہاں جا کر تکلیف ہوگی۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اصرار تھا، چنانچہ وہ انہیں اپنی رہائش گاہ پر لے گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ گھر بالکل خالی ہے۔ آپ نے تعجب سے پوچھا: ''ابوعبیدہ! آپ کا سامان کدھر ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں صرف ایک پرانا نمدہ (سونے کے لیے) ایک پیالہ، اور ایک کمان ہے اور آپ شام کے امیر ہیں؟ کیا تمہارے ہاں کچھ کھانے کا سامان بھی ہے؟'' سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں، اس مٹکے میں ہے۔'' چنانچہ آپ نے اس میں سے روٹی کے چند ٹکڑے دکھائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انہیں دیکھ کر رو پڑے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امیر المومنین! میں نے پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ آپ میری رہائش گاہ کو دیکھ کر رو پڑیں گے۔ زندگی کے دن گزارنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

غیر تنا الدنیا کلنا غیرك یا ابا عبیدہ!۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۷)

''ہم سب کو دنیا نے تبدیل کر دیا ہے، اے ابوعبیدہ! سوائے تیرے۔''

یہ ہے زہد خالص کہ سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ بھی نہیں۔ امیر شام ہیں لیکن گھر میں چند سوکھے ٹکڑے کھانے کے لیے ہیں۔

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں چار ہزار درہم یا چار سو دینار بھیجے اور قاصد کو فرمایا کہ

Marfat.com

دیکھنا وہ اس رقم کا کیا کرتے ہیں؟ قاصد کا بیان ہے کہ جونہی وہ رقم میں نے انہیں دی، انہوں نے ساری راہ خدا میں تقسیم کر دی۔ پھر اتنی ہی رقم سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ہاں بھیجی۔ انہوں نے بھی وہ ساری کی ساری تقسیم کر دی اور ایک حبہ بھی اپنے پاس نہ رکھا۔ جب واپس آ کر قاصد نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الحمدللہ الذی جعل فی الاسلام من یصنع ھذا۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۷، طبقات: ۳/۳۰۱)

''الحمدللہ! اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔''

آپ کی طبیعت کی سادگی اور تواضع کا بھی کچھ عجیب حال تھا۔ باوجود اس بات کے کہ آپ امیر شام اور پوری فوج کے سپہ سالار اعظم تھے، لیکن تکلف اور جاہ و حشم سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ رومی سفراء اور جرنیل آپ کی لشکر گاہ میں جب کبھی آتے تو آپ کی سادگی کی وجہ سے آپ کو پہچان نہ سکتے۔ ایک دفعہ ایک رومی قاصد آیا تو اسے نہایت تعجب ہوا کہ مسلمانوں کی فوج میں عام سپاہی اور بڑے سے بڑا جرنیل ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ سپاہی کون ہے اور افسر کون۔ چنانچہ اس نے گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا امیر فوج کون ہے؟ لوگوں نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''وہ۔'' اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ ایک نہایت معمولی وضع قطع کا عرب نہایت معمولی کپڑے پہنے ہوئے فرش خاک پر بیٹھا ہے۔

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی شفقت اور رعایا پروری نے شام کے عیسائیوں کو بھی مرہون منت بنا رکھا تھا۔ عربی کا محاورہ ہے۔ "الانسان عبدالاحسان" انسان احسان کا غلام ہے۔ آپ میں جذبہ ترحم تمام لوگوں کے لیے تھا خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ شام کے عیسائیوں کو نماز کے وقت ناقوس بجانے کی اور عام شاہراہوں اور گزرگاہوں میں صلیب نکالنے کی سخت ممانعت تھی۔ لیکن عیسائیوں نے ایک مرتبہ ان کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ سال میں کم از کم ایک مرتبہ ان کی عید کے روز انہیں صلیب نکالنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اس درخواست کو کسی بحث و مباحثہ کے بغیر قبول فرما لیا۔ آپ کی اس رواداری اور ترحم کا یہ اثر ہوا کہ شامی اپنے ہم مذہب رومیوں کے دشمن ہو گئے اور خوشی کے ساتھ اپنے ہم مذہبوں کی جاسوسی کے فرائض سرانجام دینے لگے۔

Marfat.com

آپ کو مساوات اسلامی کا بھی حد درجہ خیال تھا اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ اسلام کی نگاہ میں محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں نہ کوئی بندہ اور نہ کوئی بندہ نواز ہوتا ہے۔ اس میں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے حضرات بھی بلال رضی اللہ عنہ کو ''بلال سیدنا'' کہتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ باوجود اس بات کے کہ آپ سپہ سالار اعظم تھے لیکن ان کے لشکر گاہ میں ایک معمولی مسلمان سپاہی کو بھی وہی عزت اور مقام حاصل تھا جو ایک بڑے سے بڑے سردار اور جرنیل کو ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک مسلمان نے دشمن کے ایک سپاہی کو پناہ دی۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس پناہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم اس کو پناہ دیتے ہیں کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''ایک مسلمان سب کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے۔'' (مسند احمد: ۱/۱۹۵)

آپ کی خانگی زندگی کیسی تھی اس بارے میں کوئی خاص روایت کتابوں میں موجود نہیں ہے لیکن آپ چونکہ سنت نبوی کے بڑے متبع تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی۔

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے لیے سب سے بہتر ہوں۔''

اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی خانگی زندگی اچھی ہی ہوگی۔ اگر آپ کی خانگی زندگی اچھی نہ ہوتی تو کتابوں میں ضرور اس کا ذکر ہوتا لیکن چونکہ آپ امین الامت ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہد فی سبیل اللہ بھی تھے اس وجہ سے آپ کی پوری زندگی جہاد میں گزری اور مدینہ طیبہ کے باہر مختلف محاذوں پر گزری۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ جذبہ انقطاع الی اللہ نے اہل و عیال سے غیر معمولی شغف پیدا نہ ہونے دیا، لیکن یہ ہمارا قیاس ہے کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مقام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک آپ کا ایک خاص مقام تھا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ پوچھا گیا: ''اے اللہ کے رسول! کون سا شخص آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟'' فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا، کہا گیا

Marfat.com

کہ آدمیوں میں سے کون سا؟ فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ، کہا گیا کہ ان کے بعد کون؟ فرمایا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۰)

اور ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کون سے اصحاب آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ اور پھر ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۰، ترمذی: ۳۶۵۷، ابن ماجہ: ۱۰۲، مستدرک حاکم: ۳/۷۳، وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی، الاصابہ: ۵/۲۸۷)

اور ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے میرے تین بہترین دوست ہیں: ''ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم۔''

حلیہ

حافظ ذہبی رحمہ اللہ اور دوسرے مؤرخین نے آپ کا جو حلیہ بیان کیا ہے وہ کچھ ایسا ہے کہ قد لمبا، جسم نحیف ولاغر، چہرہ پر گوشت کم، سامنے کے دو دانت خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جنگ احد میں قربان ہو گئے تھے لیکن انہوں نے چہرہ کی خوبصورتی میں بے حد اضافہ کر دیا تھا۔ داڑھی گھنی نہ تھی، مہندی اور دسمہ (کتم) کو ملا کر خضاب لگاتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۲۳)

سنہ ۱۸ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت عمر ۵۸ سال تھی۔

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے صرف دو شادیاں کی تھیں۔ ایک ہند بنت جابر سے اور دوسری درجا سے۔ ہند بنت جابر سے یزید پیدا ہوئے جب کہ درجا سے عمیر پیدا ہوئے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ دونوں لاولد فوت ہوئے۔

Marfat.com

سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بھی ان دس حضرات میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں نام لے کر جنت کی بشارت دی تھی۔

نسب وخاندان

نام طلحہ تھا، کنیت ابو محمد، فیاض، خیر اور جود لقب، والد کا نام عبید اللہ اور والدہ کا نام صعبہ تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فھر بن مالک بن نضر بن کنانہ، القرشی التیمی المکی۔

لقب کے بارے میں روایت ہے کہ جنگ احد کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ''طلحۃ الخیر'' رکھا اور غزوہ ذی العشیرۃ میں انہیں ''طلحۃ الفیاض'' کا لقب دیا اور جنگ خیبر کے روز انہیں ''طلحۃ الجود'' کے لقب سے پکارا۔

(معجم کبیر، طبرانی: ۱۹۷، ۲۱۸، مستدرک حاکم: ۳/ ۳۷۴، مجمع الزوائد: ۹/ ۱۴۷، سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۳۰)

چونکہ مرہ بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں، اس وجہ سے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا نسب چھٹی ساتویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

آپ کے والد عبید اللہ بعض روایات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اور بعض روایات کے مطابق سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے قبل ہی اس دنیا سے انتقال کر گئے

Marfat.com

تھے، البتہ ان کی والدہ دولت اسلام سے مشرف ہوئیں اور نہایت طویل زندگی پائی۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے تک زندہ رہیں۔ اس وقت سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی اور آپ کی والدہ کی عمر کوئی اسی (۸۰) سال تھی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب تاریخ صغیر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو جب اپنے عہد خلافت میں قصر خلافت میں محصور کر دیا گیا تو یہ گھر سے باہر تشریف لائیں اور اپنے بیٹے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنے اثر و رسوخ سے ان مفسدین اور باغیوں کو قصر خلافت سے دور کریں۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس وقت زندہ تھیں لیکن آپ کی وفات کب ہوئی اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ملی۔

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی سے قریباً پچیس سال قبل پیدا ہوئے اور بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ بارہ سال قبل۔ بچپن اور اوائل زندگی کے حالات گوشہ خمولت میں ہیں کیونکہ اسلام ہی نے ان لوگوں کو تاریخ کے اوراق میں اجاگر کیا ورنہ کوئی ان حضرات سے واقف اور نہ ہی ان کے علاقہ سے آشنا تھا۔ یہ درست ہے کہ مکہ کا متبرک ہونا کافی پرانا ہے اور لوگ یہاں ہر سال حج بیت اللہ کے لیے آتے تھے لیکن وہ آتے اور طواف کعبہ اور حج بیت اللہ کر کے چلے جاتے ان کو یہاں کے لوگوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ان کے والد معلوم ہوتا ہے کہ ایک تاجر پیشہ آدمی تھے۔ اس وجہ سے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو عنفوان شباب ہی سے مختلف دور دراز ممالک کے سفر کا اتفاق ہوا۔

قبول اسلام

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ عنفوان شباب ہی سے مختلف سفروں پر جانا پڑا، چنانچہ ایک مرتبہ جب کہ آپ کی عمر سترہ اٹھارہ سال کی تھی، آپ تجارتی اغراض کے لیے بصریٰ تشریف لے گئے۔ بصریٰ میں راہب کافی تھے۔ ان میں سے ایک راہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت دی۔ راہب کی اس خوش خبری سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ مکہ میں ایک نبی آخر الزمان مبعوث ہونے والا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا دعویٰ بھی کر چکے تھے، لیکن آباء واجداد کے خیالات ذہن پر کچھ اس طرح مستولی تھے اور مکہ کی جس بت پرستانہ آب وہوا میں آپ نے اس زندگی کے سترہ اٹھارہ سال گزارے تھے، اس کے اثرات کو اس راہب کی پیش گوئی زائل نہ کر سکی اور آپ نے اس بات

Marfat.com

کی کوئی پروانہ کی کہ راہب نے کیا کہا ہے اور کس کے بارے میں کہا ہے۔ چنانچہ آپ جب اس سفر سے واپس مکہ آئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت و تبلیغ نے اسلام کی طرف متوجہ کیا، دل سے شکوک وارتیاب کے کانٹوں کو نکالا اور رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی محبت کا جذبہ دل میں پیدا کیا۔ پھر ایک روز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی وساطت سے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے اور نگاہ نبوت نے دل میں توحید کی شمع روشن کر دی۔ بس پھر کیا تھا اسی وقت کلمۂ توحید پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے جانثاروں میں داخل ہو گئے۔ مؤرخین نے لکھا ہے خلعت ایمان سے مشرف ہونے میں ان کا آٹھواں نمبر ہے۔ اس لیے ان کو ''السابقون الاولون'' میں شمار کیا جاتا ہے۔

جس زمانے میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے دعوت اسلام کو لبیک کہا اس زمانے میں کوئلوں کی آگ پر چلنا آسان تھا اور دعوت اسلامی کو قبول کرنا مشکل تھا کیونکہ جب بھی کوئی شخص مسلمان ہوتا قریش مکہ کی طرف سے ظلم وستم کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ چنانچہ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ مؤرخین بتاتے ہیں کہ جونہی انہوں نے اسلام کو قبول کیا ان کا حقیقی بھائی عثمان بن عبید اللہ جو کہ نہایت سخت مزاج اور سفاک طبع آدمی تھا اس نے آپ کو مختلف اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ بلکہ اس نے ان کو اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک ہی رسی سے باندھ کر مارا تا کہ وہ اس نئے مذہب کو اس کے تشدد اور اذیت کی وجہ سے ترک کر دیں، لیکن اسلام کا نشہ وہ نہیں تھا جس کو تشدد کی ترشی اتار دے۔ اس کے تشدد نے قلب میں اسلام کی دعوت کو اور جاگزین کیا۔

(اسد الغابہ: ۵۹/۳)

مواخات

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ اور حافظ ابن سید الناس رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مواخات دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں جس میں مہاجرین میں باہمی رشتہ مواخات قائم کیا گیا اور دوسری مرتبہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار کے مابین مواخات قائم کی گئی جس میں ایک انصاری کو ایک مہاجر کا بھائی قرار دیا گیا۔ چنانچہ مہاجرین کے مابین جو بھائی چارہ قائم کیا گیا ان میں چند حضرات کے نام علامہ ابن سید الناس رحمہ اللہ نے لکھے ہیں۔ ان میں سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا گیا۔ (عیون الاثر: ۳۲۱/۱، فتح الباری: ۲۱۰/۷-۲۱۱)

Marfat.com

اور ایک روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے سیدز بیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔

ہجرت

تاریخ اور سیر کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد مکہ مکرمہ میں نہایت خاموش زندگی گزاری۔ ان کی کوئی خاص عملی کارروائیاں تاریخ میں ہمیں نظر نہیں آتیں۔ شاید اس وجہ سے کہ آپ اکثر اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن تاریخ کے اوراق سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جس وقت جناب رسول اللہ ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سے ان دونوں حضرات کی ملاقات ہوئی۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ انہوں نے ان دونوں حضرات کی خدمت میں کچھ شامی کپڑے پیش کیے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اہل مدینہ نہایت بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی اس اطلاع پر رسول اللہ ﷺ نہایت عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ ادھر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ عجلت کے ساتھ مکہ پہنچے۔ تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا مہمان بنایا۔

بعض روایات کے مطابق ہجرت کے پانچ ماہ بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان پر ۴۵ مہاجرین کو ۴۵ انصار کا بھائی بنایا۔ اس میں آپ ﷺ نے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا کعبین مالک رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔

(ابن ہشام: ۵۰۴/۱، عیون الاثر: ۳۲۴/۱، الدار فی المغازی والسیر لابن عبدالبر: ص ۹۱، فتح الباری: ۲۱۰/۷)

اور طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق سیدنا ابی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کا بھائی چارہ کرایا۔ (طبقات: ۱۵۴/۳)

غزوات میں شرکت

ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں غزوات اور سرایا کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ کفر و اسلام کی پہلی جنگ ۲ھ میں بدر میں ہوئی۔ اس موقع پر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس میں شرکت نہ کر سکے بلکہ روایات کے مطابق آپ ایک خاص مہم کے سلسلہ

Marfat.com

میں شام تشریف لے گئے تھے۔ وہاں سے جب واپس تشریف لائے تو غزوہ بدر ہو چکا تھا۔ آپ نے اس کے مال غنیمت میں اپنے حصہ کی بارگاہ رسالت میں درخواست کی جو منظور ہو گئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمانے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ ”تم جہاد کے ثواب سے بھی محروم نہیں رہو گے۔“

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے آپ ﷺ نے ان آٹھ آدمیوں کو بھی حصہ دیا جو آپ کے حکم کے تحت بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جن کو آپ ﷺ ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے مدینہ منورہ چھوڑ گئے تھے۔ دوسرے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور تیسرے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔ ان دونوں کو آپ ﷺ نے قافلہ کی خبر لینے کے لیے بھیجا تھا۔ چوتھے ابولبابہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو آپ ﷺ نے مدینہ کے انتظام کے لیے بھیجا تھا۔ پانچویں عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو مدینہ کی بالائی آبادی کے انتظام کے لیے آپ ﷺ مدینہ میں چھوڑ گئے تھے۔ چھٹے سیدنا حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو آپ ﷺ نے کسی وجہ سے بنی عمرو بن عوف کی طرف واپس لوٹا دیا تھا، اور ساتویں حارث بن الصمۃ رضی اللہ عنہ اور آٹھویں خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ ان سب کو جنگ میں شریک نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے اصحاب بدر میں شامل فرمایا اور بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ دیا۔

بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے تجارتی اغراض سے ملک شام گئے ہوئے تھے، لیکن ان کا یہ خیال درست نہیں۔ کیونکہ اگر وہ ذاتی کام کے لیے شام گئے ہوتے تو ان کو مال غنیمت میں سے حصہ نہ دیا جاتا اور نہ ہی وہ حصہ کا مطالبہ کرتے بلکہ اصل بات وہی تھی جس کا ہم نے گزشتہ سطور میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف قریش کے قافلہ کی تحقیق حال اور ٹوہ لگانے کی خدمت پر مامور کیا تھا۔ اس وجہ سے وہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تاہم وہ اس کے مال غنیمت اور اس کے اجر وثواب سے محروم نہ رہے۔

(اسد الغابہ: ۵۹/۳)

غزوۂ احد

۳ھ میں غزوہ احد پیش آیا۔ اس کے پیش آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ غزوہ بدر میں قریش کو مسلمانوں کے ہاتھوں جو صدمہ اٹھانا پڑا۔ غزوہ احد اس کی ایک صدائے بازگشت تھی۔ بدر کے

Marfat.com

چر کے کا زخم کسی طور ان کے دلوں سے مندمل نہیں ہو رہا تھا۔ اگرچہ قریش نے مقتولین بدر پر آہ و فغان اور نوحہ و ماتم سے بھی منع کر دیا تھا اور قیدیوں کے فدیے کی ادائیگی میں بھی جلد بازی کا مظاہرہ کرنے سے روک دیا تھا تاہم ان کے سینے غیظ و غضب کی آگ سے کھول رہے تھے اور ان کی شدت رنج و غم میں کوئی افاقہ نہیں ہوا تھا بلکہ اضافہ ہی ہوا تھا۔ بدر کا یہ غم فراموش بھی کیسے کر سکتے تھے کیونکہ ان کے نادرۂ روزگار اور سرکردہ اشخاص مسلمانوں کی تلواروں کے ذریعہ لقمہ اجل بنے تھے جن کی یاد میں قریش کی عورتیں نوحہ و ماتم کی ممانعت کے باوجود ہر لمحہ مصروف گریہ و بکا تھیں۔ کوئی اپنے لخت جگر کو روتی، کسی کے دل میں اپنے بھائی کے قتل کا ناسور رس رہا تھا، کوئی باپ کا سایہ اٹھ جانے سے شکستہ خاطر تھی، کسی کا شوہر مارا گیا تھا غرضیکہ مکہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی فرد بدر میں مسلمانوں کی تلواریں چاٹ نہ گئی ہوں۔ گویا اپنے مقتولوں پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا قریش کی عورتوں کا مقدر بن گیا تھا۔ ان کا نوحہ ایسی رقت اور سوز سے معمور تھا جسے قریش سنتے تو ان کی آتش انتقام اور تیز ہوتی۔ یہ سبب ہوا جنگ احد کا۔

اس جنگ میں پہلے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کافر بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ مسلمانوں کی تلواروں نے مشرکین کے سروں کی ایسی فصل کاٹی کہ وہ کیمپ سے بھی پرے بھاگ گئے۔ مسلمان ان کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے خیموں تک پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف چند حضرات رہ گئے جو حفاظت کی غرض سے آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بخدا! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھی عورتوں کی پنڈلیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ کپڑے اٹھائے بھاگی جا رہی تھیں۔ ان کی گرفتاری میں کوئی شئے بھی حائل نہ تھی۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۷۷)

عین اس وقت جب کہ اسلامی لشکر فتح و نصرت سے ہم کنار ہو کر دنیا کی تاریخ کے اوراق پر اپنی تابناک فتح کے نقش ثبت کر رہا تھا، درہ پر متعین تیر انداز دستہ کی اکثریت نے ایک ایسی خوفناک غلطی کی جس نے ان کی فتح کو شکست میں تبدیل کر کے رکھ دیا اور اسلامی لشکر کو اتنا نقصان اور قائد اسلام کو اس قدر تکلیف پہنچی جو ناقابل بیان ہے۔ درہ کا مورچہ چھوڑنے والے مجاہدین کو اس وقت اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی بڑے خوف ناک غلطی کر رہے ہیں اور انہیں اس وقت اس بات کا بھی احساس نہیں تھا کہ دشمن کی فوج کو جو پانچ سو کلو میٹر سے لڑنے کے لیے آئی

Marfat.com

ہے، خالد بن ولید جیسے جرنیل بھی میسر ہیں جو اپنی عقابی نگاہوں سے تحت الثریٰ اور پاتال کی چیزیں بھی دیکھ لیتے ہیں اور اپنی ماہرانہ جنگی تدبیروں سے اپنے حریف کی فتح کو شکست میں تبدیل کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قریشی لشکر کے بھاگتے ہوئے بھی خالد بن ولید نے اس مورچہ پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ یہ کمزور ہو چکا ہے۔ انہوں نے مورچہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ پہاڑ کے پیچھے سے اس مورچہ پر حملہ کر دیا۔ وہاں اب صرف دس مجاہدین تھے، انہوں نے اگرچہ ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن کب تک۔ دشمن ان کی لاشوں کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھا اور مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا اور ایسا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے۔

اب کافروں کا ہدف ذات نبوت تھی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ نے اپنی صحیح روایت نقل کی ہے کہ غزوہ احد کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نو صحابہ کرام (جن میں سات انصار اور دو مہاجر تھے) الگ رہ گئے تھے۔ جب مشرکین کے لشکر نے پلٹ کر اسلامی فوج پر حملہ کیا تو وہ آپ کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی کہ کون ہے جو ان کو ہم سے دفع کرے اور اس کے لیے جنت ہے۔ اس آواز کا سننا تھا کہ وہ ساتوں انصاری صحابی باری باری آپ کی حفاظت کرتے ہوئے عروس شہادت سے ہم کنار ہوئے۔

(مسلم: ۲/۱۰۷، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۶)

آخری انصاری صحابی سیدنا زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اب صرف دو مہاجر سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ گئے۔

(بخاری: ۱/۵۲۷، ۲/۵۸۱)

یہ موقع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے لیے نہایت نازک تھا جب کہ مشرکین کے لیے انتہائی سنہری تھا۔ اب پوری جنگ کا مرکز ثقل آپ کی ذات تھی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۷/۲۷۸، زرقانی: ۲/۳۵، سیرۃ ابن ہشام: ۴/۷۷)

اس موقع پر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تاریخ عالم میں اپنی نادر الوجود جانبازی کی مثال قائم کی۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بھی ماہر تیر انداز اور شمشیر زن تھے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی بہادری اور جانبازی کا اندازہ نسائی کی اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے جس میں سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب مشرکین نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جا لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کون ہے جو ان

Marfat.com

لوگوں سے نمٹے؟'' سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میں ہوں، اے اللہ کے رسول!'' یہ کہہ کر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور کئی آدمیوں کے برابر تنہا مقابلہ کیا یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر تلوار کی ایک ایسی ضرب لگی جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ اس سے ان کے منہ سے سی کی آواز نکلی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طلحہ! اگر تم اس کے بجائے بسم اللہ کہتے تو تمہیں فرشتے اٹھا لیتے اور تم دیکھتے۔'' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو پلٹا دیا۔''

(نسائی: ۵۲/۲، فتح الباری: ۳۶۱/۷)

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا قیس بن حازم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ دیکھا کہ وہ شل تھا، اس سے انہوں نے احد کے روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی۔ (بخاری: ۵۲۷/۱، ۵۸۱/۲)

اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا: ''جو شخص کسی شہید کو کرۂ ارض پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ طلحہ کو دیکھ لے۔''

(سیرۃ ابن ہشام: ۸۶/۳۲)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے ابا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب جنگ احد کا تذکرہ فرماتے تو کہتے:

کان ذالك اليوم كله طلحة۔ (فتح الباری: ۲۷۸/۷)

''یہ جنگ کُل کی کُل طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے تھی۔''

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اپنا پہلو اور شانہ تیروں کی طرف کیے ہوئے تھے اور دشمن کے تیروں کو اپنے پہلو اور بازوؤں پر روکتے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے احد کے دن طلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم دیکھے۔ ایک اور روایت کے مطابق انتالیس یا پینتیس زخم آئے اور ان کی انگلیاں شل ہو گئیں۔ (فتح الباری: ۳۶۱/۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کو صاحب احد فرمایا کرتے تھے۔ خود سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس پُر فخر کارنامے پر بڑا ناز تھا اور ہمیشہ لطف و انبساط کے ساتھ اس کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔

(بخاری غزوہ احد)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کے والد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احد کے

Marfat.com

روز محافظین کے سوا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی قیام گاہ چھوڑ کر لڑائی کی اگلی صفوں میں چلے گئے تھے۔ پھر گھیراؤ کے حادثہ کے بعد سب سے پہلا شخص میں تھا جو آپ ﷺ کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے سامنے صرف ایک آدمی تھا جو آپ کی مدافعت میں اپنی جان سے کھیل رہا تھا۔ میں نے کہا: ''تم طلحہ رضی اللہ عنہ ہو، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں؟'' اتنے میں ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی میرے پاس پہنچ گئے۔ وہ اس طرح دوڑ رہے تھے گویا چڑیا اڑ رہی ہے۔ اب ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑے۔ دیکھا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیں دیکھ کر فرمایا: ''اپنے بھائی کو سنبھالو، اس نے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے۔'' چنانچہ ہم طلحہ رضی اللہ عنہ کو طرف متوجہ ہوئے اور انہیں سنبھالا ان کو اس وقت تک دس سے زیادہ زخم آ چکے تھے۔ (زادالمعاد: ۲/۹۵)

متفرق غزوات وسرایا

ان دو غزوات کے علاوہ فتح مکہ تک جتنے غزوات وسرایا ہوئے ان میں اکثر و بیشتر میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ شریک ہوئے۔ بیعت رضوان میں بھی آپ نے شرکت فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت جہاد سے بھی مشرف ہوئے۔ فتح مکہ میں بھی آپ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں بھی آپ نے شرکت فرمائی۔ اس جنگ میں بھی غزوہ احد کا سا معاملہ ہوا کہ پہلے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن چند بہادر اور ثابت قدم مجاہدین کے عزم واستقلال اور ثبات نے پھر انہیں سنبھالا دیا اور پھر وہ اس طرح جم کر اور ثابت قدمی سے لڑے کہ غنیم بھاگنے پر مجبور ہو گیا اور میدان جنگ میں بے شمار مال غنیمت چھوڑ گیا۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اس جنگ میں ان لوگوں میں سے تھے جو میدان میں ثابت قدم رہے۔

۹ھ میں غزوہ تبوک پیش آیا کیونکہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے عیسائی دنیا خائف ہونے لگی اور وہ مسلمان ریاست کی روز بروز وسعت اور عرب قبائل کی بیداری کو اپنے لیے ایک بہت بڑا خطرہ سمجھنے لگے تھے۔ چنانچہ قیصر روم نے سوچا کہ مسلمانوں کی قوت کو عظیم اور ناقابل شکست خطرے کی صورت اختیار کرنے سے پہلے ہی کچھ اس طرح کچل دیا جائے کہ پھر اس کو کبھی سر اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ اس نے عیسائیوں اور رومی باشندوں پر مشتمل فوج کی فراہمی

Marfat.com

شروع کردی اور ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

نبی اکرم ﷺ کو بھی یہ سب اطلاعات مل رہی تھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بھی مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا اور اس بات کا تہیہ کر لیا کہ رومیوں پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے جس سے ان کے منہ پھر جائیں اور پھر کبھی انہیں مسلمانوں کے سامنے آنے کی ہمت اور جرأت نہ ہو۔

مدینہ میں اس وقت منافقین کا بھی ایک گروہ تھا جو ففتھ کالمسٹ کا کردار ادا کر رہا تھا۔ اندرونی طور پر اس کا دشمن سے رابطہ تھا لیکن مسلمانوں کو بھی وہ ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے نہ صرف خود نہ جانے کے بہانے تلاش کرنا شروع کر دیے بلکہ مخلص مسلمانوں کو بھی بہکانے لگے تاکہ وہ بھی اس جہاد میں نہ جائیں۔ چنانچہ کہتے:

﴿لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ﴾ (التوبہ:۸۱)

''ایسی گرمی میں گھر سے نہ نکلنا۔''

ان منافقوں ہی میں سے بنوسلمہ کا ایک شخص جد بن قیس تھا۔ اس سے جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم بنو اصفر (رومیوں) کے ساتھ جہاد کرنے نہیں چلو گے؟'' تو اس نے ایک نہایت بودا جواب دیا کہ ''یا رسول اللہ! مجھے اپنے ہمراہ نہ لے جائیے۔ میری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کے بارے میں کس قدر حواس باختہ ہوں۔ رومیوں کی عورتیں حسن و جمال میں شہرۂ آفاق ہیں، اس لیے انہیں دیکھ کر میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکوں گا۔'' یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس سے منہ موڑ لیا۔

سویلم ایک یہودی تھا۔ یہ منافقین اس کے گھر میں جمع ہو کر مسلمانوں کو جنگ میں جانے سے روکنے کے لیے تدابیر سوچتے اور مختلف قسم کی میٹنگیں کرتے۔ ایک روز آپ کو ان کارروائیوں کی اطلاع ملی کہ سویلم یہودی کے گھر میں کچھ لوگ جمع ہو کر مسلمانوں کو جنگ سے روکنے کی میٹنگ کر رہے ہیں۔ آپ نے اسی وقت سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں چند مسلمانوں کو اس خانہ برانداز جماعت کی تنبیہ کے لیے بھجوایا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں سویلم کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور اس کو آگ لگا دی۔ ضحاک بن خلیفہ نے آگ کے شعلوں سے گھبرا کر چھت سے چھلانگ لگا دی اور اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ باقی لوگ بھاگ گئے اور اس فتنہ جو ضحاک بن خلیفہ کو مسلمانوں کے پنجۂ اقتدار سے بچا کر لے گئے۔ (سیرۃ ابن ہشام:۲/۳۱۵)

Marfat.com

اس واقعہ کے بعد پھر کسی منافق کو زبان سے ایسی بات نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ کی ایک ہی گرفت نے تمام منافقوں کے حواس باختہ کردیے۔

اس لشکر کے لیے جس میں تیس ہزار مردانِ جنگی جمع تھے اس کے مال واسباب کی فراہمی بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی تحریک پر سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا سعد بن عبادہ، سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہم وغیرہ نے چندہ فراہم کیا۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس موقع پر ایک بہت بڑی رقم پیش کی اور بارگاہ نبوت سے ''فیاض'' کا لقب حاصل کیا۔ (اسد الغابہ: ۵۹/۳، سیر اعلام النبلاء: ۳۰/۱) اسی طرح یوم خیبر کے موقع پر آپ کو بارگاہ رسالت سے ''طلحۃ الجود'' کا لقب عطا ہوا۔

(معجم کبیر طبرانی: ۱۹۷، ۲۱۸، مستدرک حاکم: ۳۷۴/۳)

مختصر یہ کہ کوچ کا نقارہ بجنے کے ساتھ ہی تیس ہزار جانبازوں کے اس لشکر میں حرکت پیدا ہوئی۔ ہر طرف غبار اڑا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ نے فضا میں ارتعاش پیدا کردیا۔ شہر کی عورتیں اپنے گھروں کی چھتوں سے اس لشکر جرار کا نظارہ دیکھنے لگیں جو صحرا کو پامال کرتا ہوا شمال کی جانب بڑھا۔ یہ جمعرات کا دن تھا۔ اس کی منزل تبوک تھی۔ اس سے بڑا لشکر اس سے پہلے کبھی دشمن کے مقابلے میں نہیں گیا تھا۔ تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا۔ ان بیس دنوں میں آپ نے دشمن کا انتظار فرمایا کیونکہ آپ اس سے فیصلہ کن مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن آپ کے آنے سے دشمن کچھ اس طرح مرعوب ہوگیا کہ اس کو مقابلہ میں آنے کی سکت نہ رہی۔ آپ کی اس پیش قدمی کے اثرات بہت اچھے پڑے اور اس سے مسلمانوں کی فوجی ساکھ قائم ہوگئی۔ تبوک میں بیس روز قیام کے بعد آپ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ مدینہ کے قریب پہنچے اور مدینہ کے درودیوار پر آپ کی نگاہ پڑی تو فرمایا: یہ طابہ ہے اور یہ پہاڑ احد ہمیں محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ جب واپس مدینہ تشریف لائے تو رمضان المبارک ۹ھ کا مہینہ تھا۔ یہ آپ کا آخری غزوہ ہے جس میں آپ ﷺ نے شرکت فرمائی۔ اس کے بعد انتقال تک آپ مدینہ منورہ ہی میں رہے۔

پھر ۱۰ھ میں سرکار دوعالم ﷺ نے آخری حج فرمایا۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اس میں بھی آپ کے ہم رکاب تھے۔ حج سے واپسی پر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بروز پیر آفتاب نبوت ورسالت اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ اس سانحہ کبریٰ کا سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ پر بہت اثر ہوا جس کا اندازہ اس

Marfat.com

بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے انصار و مہاجرین جمع تھے یہ اس وقت کسی گوشہ تنہائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں مصروف گریہ وبکا تھے۔

عہد صدیقی اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ

سقیفہ بنی ساعدہ میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام مہاجرین وانصار کا اتفاق ہو گیا۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کے دور خلافت میں تمام مہمات امور میں رائے اور مشورہ کے لحاظ سے ان کے دست و بازو بنے رہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب مرض الموت میں مبتلا تھے تو انہوں نے اپنی جانشینی کے لیے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا۔ اس بارے میں انہوں نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا جن میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا اسید بن حضیر، سیدنا سعید بن زید اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر اکابر مہاجرین وانصار بھی شامل تھے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سے جب آپ نے پوچھا تو آپ نے نہایت بے باکی اور آزادی وجرأت کے ساتھ کہا: ''اے ابوبکر! آپ کو معلوم ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں تشدد اور سختی ہے اس کے باوجود آپ ان کو اپنا جانشین نامزد کر رہے ہیں تو کل اپنے پروردگار کو جب وہ آپ سے بازپرس کرے گا، کیا جواب دیں گے؟'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ بات سن کر آپ کو غصہ آ گیا۔ فرمایا: ''ذرا مجھ کو بٹھا دو۔'' لوگوں نے بٹھا دیا تو فرمایا: ''کیا تم مجھ کو میرے پروردگار سے ڈراتے ہو؟'' ''میں جب اپنے رب سے ملوں گا اور وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں کہوں گا کہ اے اللہ! میں نے تیرے بندوں پر ایک تیرے بہترین بندہ کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔'' (ابن اثیر: ۲/۲۹۲)

عہد فاروقی اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی رائے کے علی الرغم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے جو رائے دی تھی وہ کوئی بغض وکینہ کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اخلاص پر مبنی تھی، اور پھر یہ صرف انہی کی رائے ہی نہیں تھی بلکہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی رائے تھی، لیکن

Marfat.com

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ نامزد ہو گئے تو ہر صحابی رسول ﷺ نے اپنی اس رائے سے رجوع کرتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو دل و جان سے قبول کر لیا۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ متشدد نہیں بلکہ اس منصب کے لیے نہایت موزوں ہیں۔ چنانچہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پورے دورِ خلافت میں اپنے مفید مشوروں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اعانت کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی ملکی اہم امور میں ان سے مشورہ لیتے اور انہیں اپنی مجلس شوریٰ کا ایک اہم رکن مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ عہد فاروقی میں جب ایک دفعہ یہ سوال پیدا ہوا کہ مفتوحہ ملکوں کی اراضی مجاہدین میں تقسیم کر دی جائے یا نہیں؟ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ۱۶ھ میں جب مسلمان فوجوں نے عراق عجم پر قبضہ کر لیا اور دوسری طرف یرموک کی فتح نے رومی حکومت کی قوت کا استیصال کر دیا تو اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوج کے نظم و نسق کی طرف توجہ فرمائی لیکن اس معاملہ میں آپ کو نہایت مشکل کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ فوج کے سپہ سالاروں کا اصرار تھا کہ تمام مفتوحہ علاقوں کی زمینیں جو فوج نے بزورِ شمشیر حاصل کی ہیں، مالِ غنیمت کی طرح فوج میں تقسیم کر دی جائیں اور وہاں کے باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن دوسری طرف فوج کے ہمنوا تھے اور اس بارے میں امیر المومنین پر سخت دباؤ ڈال رہے تھے۔ اس بارے میں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب جابیہ تشریف لائے تو انہوں نے مسلمانوں میں زمینیں تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس پر سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''واللہ! اگر ایسا کیا گیا تو ناخوشگوار نتائج پیدا ہوں گے۔ اگر آپ نے یہ زمینیں تقسیم کر دیں تو لوگوں کو بے تحاشا دولت ہاتھ لگ جائے گی۔ پھر ان کے مرنے پر ممکن ہے کہ یہ ایک مرد یا عورت کو مل جائے، اور جو لوگ ان کے بعد اسلام کی مدافعت میں حصہ لیں گے انہیں کچھ بھی نہ مل سکے گا، لہٰذا کوئی ایسی تدبیر اختیار کیجیے جو شروع میں موجودہ لوگوں اور بعد میں آنے والوں دونوں کے لیے یکساں مفید ہو۔ (کتاب الاموال لابی عبید: ۱۸۶/۱)

اس معاملہ نے بہت طول کھینچا۔ آخر مجلس مشاورت نے یہ معاملہ طے کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدلل طریق سے اپنا موقف بیان کیا۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس مسئلہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی۔ آخر تین دن کے مباحثہ کے بعد مجلس مشاورت نے فیصلہ دیا:

''آپ ہی کی رائے صحیح ہے۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ قابلِ تحسین ہے اور جو رائے

Marfat.com

آپ نے قائم کی ہے وہ نہایت موزوں ہے۔ اگر ان شہروں اور سرحدوں میں افواج نہیں رکھی جائیں گی اور ان کے لیے بطور تنخواہ اگر کچھ مقرر نہ کیا جائے تو اہل کفر اپنے شہروں پر پھر سے قابض ہو جائیں گے۔''

اسی طرح معرکۂ نہاوند کے موقع پر ایرانی فوج نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پریشان کیا۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں مشورہ چاہا۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا: امیر المؤمنین! آپ ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لیے تیار ہیں۔ آپ جو حکم کریں گے اس کی تعمیل میں آپ ہم کو پیچھے نہ پائیں گے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۰ سال چھ ماہ ۱۰ دن امیر المؤمنین کی حیثیت سے گزارے۔ انہوں نے اس طرح حکومت کی کہ نہ اس سے قبل کسی نے ایسی حکومت کی اور نہ ہی اس کے بعد کوئی ایسی حکومت کر سکے گا۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ سواری کا اونٹ دوڑائے جا رہے ہیں۔ پوچھا: ''امیر المؤمنین! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔'' فرمایا: ''بیت المال کا ایک اونٹ فرار ہو گیا ہے اسے تلاش کرنے جا رہا ہوں۔'' یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ نے اپنے بعد والے خلفاء کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابوالحسن! یہ کوئی قابل ملامت شئے نہیں ہے۔ اس ذات کی قسم، جس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت و نبوت کے ساتھ مبعوث فرمایا، اگر بکری کا بچہ بھی فرات کے کنارے جا کر گم ہو جائے تو قیامت کے دن اس کی بھی عمر رضی اللہ عنہ سے پرسش ہو گی۔''

(سیرۃ عمر بن الخطاب لابن الجوزی: ص ۱۴۰، البدایہ والنہایہ: ۱۳۶/۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت جب ان کی جانشینی کا مسئلہ اٹھا تو انہیں خطرہ تھا کہ یہ کہیں الجھ نہ جائے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جو واقعات پیش آئے وہ سب آپ کے سامنے تھے۔ اور اب تو سلطنت کی وسعت کے باعث صورت حال اس سے بھی زیادہ نازک تھی۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں تو خلافت کا دعویٰ مہاجرین و انصار تک محدود تھا لیکن اب تو عرب و عجم اور عراق و شام کی جنگوں میں تمام عرب قبائل نے شرکت کی تھی، لہٰذا ہر قبیلہ یہ سمجھتا تھا کہ انتخاب خلیفہ میں اس کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا اہل مدینہ کا۔ یہ ساری باتیں اس نوزائیدہ سلطنت کے لیے نہایت خطرناک تھیں۔ چنانچہ آپ نے اس مسئلہ کو ادھورا نہ چھوڑا، بلکہ فرمایا: ''تمہارے لیے یہ لوگ ہیں جن کے بارے

Marfat.com

میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں اور وہ علی، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوام اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی کو منتخب کرلو۔ جب وہ آپس میں سے ایک کو خلیفہ بنالیں تو اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرو۔"

(طبری: ۲۹۳/۳)

پھر آپ نے ان حضرات کو بلایا اور ان کو کچھ وصیتیں فرمائیں۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلیفہ کے لیے چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنالی ہے تو انہیں اطمینان ہو گیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ میں شریک کرلینا، لیکن خلافت سے اسے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ جس روز سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں موجود نہ تھے بلکہ اپنے کسی ذاتی کام کے سلسلہ میں مدینہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ کب واپس آئیں گے؟ اس کا علم کسی کو نہ تھا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اپنے بھائی طلحہ رضی اللہ عنہ کا تین روز انتظار کرنا۔ اگر وہ آجائیں تو ٹھیک ورنہ اپنے اس معاملہ کا فیصلہ کرلینا اور ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ نہ آئیں تو ان کی جگہ میرے بیٹے عبداللہ کو مشورہ میں شریک کرلینا، اور یہ بھی تاکید فرمائی کہ اس کو صرف خلافت کے لیے مشیر بنایا جائے امیدوار نہ بنایا جائے۔"

(طبری: ۲۹۳/۳، عثمان بن عفان، عقاد: ص ۱۵۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان چھ حضرات کو جو منتخب کیا وہ اس لیے تھا کہ اس وقت ان کا دینی اور دنیوی دونوں لحاظ سے بہت اونچا مقام تھا، مثال کے طور پر سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے عزیز اور آپ کے ہم زلف تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ ان کی بیوی تھیں۔ پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔ آپ کی صاحبزادی ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا ان کے حبالہ عقد میں تھیں۔ متمول اس قدر تھے کہ روزانہ آمدنی اوسطاً ایک ہزار دینار تھی۔ (طبقات ابن سعد: ۱۵۸/۳) ان کی عمر اس وقت ۶۰ سال سے کچھ اوپر تھی۔ (کتاب المحبر: ۵۴) یہی حال دوسرے اراکین کا تھا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سفر سے واپس تشریف لے آئے اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اہل مجلس کے سامنے یہ تحریک پیش کی کہ چھ میں سے تین حضرات دوسرے تین افراد کے حق میں دست بردار ہوجائیں تاکہ اس معاملہ کو جلدی نمٹایا

Marfat.com

جا سکے۔ چنانچہ سیدنا زبیر، سیدنا علی، کے حق میں، سیدنا طلحہ سیدنا عثمان کے حق میں اور سیدنا سعد بن ابی وقاص سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ بعد میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔ اب صرف دو رکن باقی رہ گئے۔ ایک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے یہ عہد لیا کہ ''اگر اسے خلیفہ بنایا گیا تو وہ عدل کرے گا اور اگر دوسرے کو اس پر خلیفہ بنایا گیا تو وہ اس کی اطاعت اور فرماں برداری کرے گا۔''

(البدایہ والنہایہ: ۱۴۵/۷)

ایسے موقع پر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دینا ان کا ایثار اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اخلاص اور کمال محبت کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی کوشش اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی تائید سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر متمکن ہوئے۔ جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیرت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' میں دی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالی جائے۔

عہد عثمانی اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قریباً ۱۲ سال خلافت راشدہ کو اسی کامیابی سے چلایا جس کامیابی سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چلایا تھا۔ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی تعاون سے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی ہوئی۔ سلطنت کی پہنائیوں میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوا۔ بحریہ کے وجود میں آنے سے سمندر پار کے علاقے بھی مسلمانوں کی دسترس میں آ گئے اور افریقہ، یورپ اور برصغیر پاک و ہند کی سرحدوں پر مسلمانوں کے گھوڑے ہنہنانے لگے۔ مصر کا سارا علاقہ اسلامی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، تجارت اور زراعت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم و نسق نے ملک میں فارغ البالی، تمول اور عیش و تنعم کو عام کر دیا۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایام رسالت کی سادگی کو یاد کر کے اور اس زمانے کے سامان تعیش و ثروت اور تمول کو دیکھ کر حد درجہ غمگین ہوتے تھے جیسے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ انہوں نے زمانے کے انقلاب کا بالکل ساتھ نہیں دیا تھا اور جیسی ان کی حالت عہد رسالت میں تھی ویسی ہی آخر عمر تک رہی۔ چنانچہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

Marfat.com

”رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا لیکن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ بالکل نہیں بدلے۔“ (مستدرک حاکم: ۵۶۱/۳)

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ہم میں سوائے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کو زمانے کی دل فریبیوں نے اپنی طرف مائل نہ کیا ہو، لیکن ان کا دامن کبھی دنیا سے آلودہ نہ ہوا۔“

(تہذیب التہذیب: ۳۳۰/۵)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آخری چھ سالوں میں ملک کے تین شہروں مصر، بصرہ اور کوفہ سے شورش کی لہریں اٹھیں اور پھر ریشہ دوانی اور فتنہ پردازی کا بازار گرم ہو گیا۔ اس شورش کے کیا اسباب تھے؟ ان کو ہم نے اپنی کتاب ”سیرت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ“ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ لیکن اصل سبب یہ تھا کہ عبداللہ بن سباء کے داعیوں اور سفیروں نے ہر جگہ دورے کر کے خلیفہ اسلام اور ان کے گورنروں کے خلاف زہر اگلا اور مملکت کی امن و عافیت کی فضا کو اپنے نفرت انگیز لیکچروں اور تقریروں سے مسموم بنا دیا۔ اہل بیت نبوت کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے محبت اہل بیت کا نعرہ لگایا اور ملک میں فتنہ بپا کرنے کے لیے حسب ذیل طریقے اختیار کیے:

① عمال اور گورنروں کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقے سے ان کو بدنام کرنا خواہ اس کے لیے ان پر جھوٹے الزامات ہی کیوں نہ لگانا پڑیں۔

② امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ناانصافی اور کنبہ پروری کے الزامات کی تشہیر۔

③ بظاہر متقی اور پرہیزگار بن کر لوگوں کو اپنا معتقد بنانا اور اپنے دام تزویر میں پھانسنا۔

ان طریقوں سے عوام میں خلافت اسلامیہ کے خلاف ایک نفرت پیدا کر دی گئی اور مصر، کوفہ اور بصرہ میں اس سازش کا جال پھیلا دیا گیا۔ نیز ہر جگہ سیاسی دعاۃ اور ان کی خفیہ خط و کتابت کے ذریعہ وسیع اور منظم پراپیگنڈہ کیا گیا یہاں تک کہ ملک میں امن و عافیت کی پرسکون فضا میں فتنہ و فساد کی لہریں دوڑنے لگیں، اور لوگوں کے قلبی اور ذہنی سکون میں ایک ارتعاش پیدا ہو گیا۔

(طبری: ۹۴/۵، البدایہ والنہایہ: ۱۶۸/۷)

جب مملکت میں شورش زیادہ ہو گئی تو سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا

Marfat.com

کہ ملک کے مختلف صوبوں میں حالات کی تحقیقات کے لیے وفود بھیجے جائیں اور وہاں کا آنکھوں دیکھا حال اور وہاں کے باشندوں سے کانوں سنی باتیں دربار خلافت میں آ کر بیان کریں۔ اور ان وفود کی رپورٹ پر پھر آپ کوئی مناسب کارروائی کریں۔ اس سے مجھے امید ہے کہ حالات میں جو تیزی اور درشتی پیدا ہوگئی ہے وہ سکون اور اطمینان کی صورت اختیار کرلے گی۔ تجویز نہایت معقول تھی اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ پسند آئی اور انہوں نے ۳۵ھ میں سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ، سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بصرہ، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مصر اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شام اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دوسرے صوبوں میں حالات کی تحقیقات کے لیے روانہ فرمایا۔ ان وفود نے پورے ملک کا دورہ کیا۔ مختلف گورنروں پر جو الزامات عائد کیے جاتے تھے ان کی چھان بین کی، مختلف لوگوں سے ملے، سبائیوں کی کارروائیوں کا مطالعہ کیا اور ان کی فتنہ پردازیوں کا اندازہ لگایا۔ حالات کی پوری تحقیقات کے بعد انہوں نے اپنی مفصل رپورٹ دربار خلافت میں پیش کی اور سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالاتفاق اس رپورٹ کو پاس کیا جس کا ایک فقرہ میں خلاصہ یہ تھا کہ

''ہم نے ان مقامات کے سربرآوردہ لوگوں اور عوام سے کوئی قابل اعتراض بات ان گورنروں میں نہیں پائی۔'' (طبری:۳/۳۷۹، ابن اثیر:۳/۷۸)

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ متفقہ رپورٹ بھی بیکار گئی اور ایک روز مفسدین نے بارگاہ خلافت کا محاصرہ کرلیا۔ گو اس موقع پر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی خاص اعانت نہیں کی، لیکن آپ کبھی کبھی دریافت حالات کے لیے محاصرین کے پاس جاتے تھے۔ چنانچہ آپ ایک دفعہ وہاں موجود تھے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بالاخانے پر کھڑے ہو کر بعض صحابہ کو ان کا نام لے کر پکارا۔ ان میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی آیا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں میں حاضر ہوں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے احسانات اور فضائل و مناقب بیان کرکے ان سے ان کی تصدیق چاہی۔ انہوں نے شورش پسندوں اور مفسدین کے سامنے بلند آہنگی کے ساتھ ان کی تصدیق کی۔

(طبقات ابن سعد:۳/۴۷)

آخر میں جب محاصرہ سخت ہوگیا اور باغیوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ پر پانی بھی بند کردیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے بیٹوں کو امیر المومنین کی حفاظت کے لیے مقرر فرما دیا جن کے نام

Marfat.com

حسب ذیل ہیں:

سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہم وغیرہ ان میں ایک نام محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ کا بھی ہے جن کو ان کے والد سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے قصر خلافت کی حفاظت کے لیے مقرر کیا تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن اثیر: ۳/۸۷، البدایہ والنہایہ: ۷/۱۷۶، تاریخ خلیفہ بن خیاط: ص ۱۵۱-۱۵۲، انساب الاشراف: ۵/۶۸-۶۹، ابن ابی الحدید: ۱/۱۹۷ وغیرہ)

علامہ بلاذری رحمۃ اللہ نے اس بارے میں لکھا ہے کہ

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو فرمایا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر تلواریں سونت کر کھڑے ہو جاؤ تا کہ باغیوں میں سے کوئی شخص اندر نہ جا سکے۔ اسی طرح سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے محمد رضی اللہ عنہ کو قصر خلافت کی حفاظت کے لیے بھیجا اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے صاحبزادوں کو اس غرض کے لیے بھیجا تا کہ باغیوں کو قصر خلافت میں داخل ہونے سے روکیں۔'' (انساب الاشراف: ۵/۶۸-۶۹)

قصر خلافت کے صدر دروازہ پر صحابہ زادوں کا پہرہ تھا لہٰذا باغی قصر خلافت کے عقب سے دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اس وقت تلاوت قرآن حکیم میں مشغول تھے اور آپ کی اہلیہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ اسی حالت میں ان باغیوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کی اہلیہ سیدہ نائلہ آپ کو بچانے کے لیے دوڑیں لیکن ایک باغی سودان بن حمران کی تلوار کے وار سے ان کی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ پھر اسی ظالم نے آگے بڑھ کر داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور پیکر حلم و حیا کو شہید کر دیا۔

عہد علوی اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ۱۸/ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ نماز عصر کے وقت ہوئی۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/۱۹۰)

آپ کی شہادت کے بعد ایک روایت کے مطابق تین روز اور دوسری روایت کے مطابق

Marfat.com

پانچ روز تک مسند خلافت خالی رہی اور اس عرصے میں مدینہ منورہ پر غافقی بن حرب کی حکومت تھی جو سبائیوں اور شورش پسندوں کا سرغنہ تھا۔ سبائیوں کو پورا احساس تھا کہ وہ خلافت کے اس بوجھ کو ہرگز نہیں اٹھا سکتے۔ لہٰذا تین روز کے بعد انہوں نے امیر کی تلاش شروع کر دی۔ اہل مصر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ربیب محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ تھے۔ کوفی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو اہل بصرہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو مسند خلافت پر بٹھانا چاہتے تھے، لیکن تینوں میں سے کوئی بھی اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار نہ تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۲۷/۷، طبری: ۴۵۴/۳)

مختصر یہ کہ ۲۵/ذی الحجہ ۳۵ھ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے میں وہ لوگ شریک تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے کے لیے باہر سے آئے ہوئے تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے بالفعل جرم کا ارتکاب کیا اور وہ بھی جو قتل کے محرک اور اس میں اعانت کے مرتکب ہوئے اور ویسے مجموعی طور پر اس فساد کی ذمہ داری ان سب پر عائد ہوتی ہے۔ خلافت کے کام میں ان کی شرکت ایک بہت بڑے فتنے کی موجب بن گئی۔''

(خلافت وملوکیت: ص ۱۲۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اہل شوریٰ اور مہاجرین وانصار کے اتفاق سے نہیں ہوئی۔ چنانچہ طبری میں ہے کہ مالک الاشتر اور اس کے ساتھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے جا کر کہا کہ ''بیعت کیجیے۔'' انہوں نے کہا: ''کس کی؟ کہنے لگے: علی رضی اللہ عنہ کی۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا اہل شوریٰ نے جمع ہو کر اس کا فیصلہ کیا ہے؟ انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور کہنے لگے کہ بس چل کر بیعت کیجیے۔ انہوں نے اس پر انکار کیا لیکن وہ بجبر ان کو وہاں لے گئے۔'' (طبری: ۴۷۵/۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ تو بن گئے لیکن مدینہ کی شورش اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سفاکانہ قتل پر سارا مدینہ مضطرب اور ایک عجیب بحرانی کیفیت میں تھا۔ قاتلان عثمان مدینہ کے گلی کوچوں میں دندنا رہے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گرد وپیش پھر رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بنوامیہ کی ایک کثیر تعداد مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ چلی گئی۔

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی موجودہ حالت کو دیکھ کر فیصلہ کیا کہ

Marfat.com

مدینہ سے باہر نکل کر قوی محاذ قائم کیا جائے اور اس طریق سے باغیوں کی سرکوبی کی جائے اور سیدنا عثمان کے قتل کا قصاص لیا جائے۔ چنانچہ وہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں مکہ کی طرف چل دیے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو حج کے سلسلہ میں مکہ میں مقیم تھیں، کہا:

"ہم لوگ اپنی قلت کی وجہ سے مدینہ سے بھاگ آئے ہیں اور ایسی قوم کو چھوڑ آئے ہیں جو متحیر ہیں۔ نہ حق کو پہچانتے ہیں اور نہ باطل کا انکار کرتے ہیں اور نہ اپنے نفسوں کو روکتے ہیں۔" (طبری: ۴۶۹/۳)

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ آنے سے قبل دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

"ہم نے اقامت حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی ہے۔ اب آپ ان لوگوں سے قصاص لیجیے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بھائیو! جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی واقف ہوں، مگر میں ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر۔ کیا آپ حضرات اس کام کی کوئی گنجائش کہیں دیکھ رہے ہیں جسے آپ کرنا چاہتے ہیں۔ سب نے کہا نہیں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں بھی وہی خیال رکھتا ہوں جو آپ کا ہے۔ ذرا حالات سکون پر آنے دیجیے تاکہ لوگوں کے حواس ٹھیک ہو جائیں۔ خیالات کی پراگندگی دور ہو اور حقوق کا حصول ممکن ہو جائے۔" (خلافت وملوکیت: ص ۱۲۷)

غرض کہ بغیر کسی مشاورت کے ایک قومی محاذ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص کے لیے تیار ہو گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سفاکانہ اور بے دردانہ شہادت نے پوری مملکت اسلامیہ میں آگ سی لگا دی اور ہر صوبے سے بیک وقت یہ آواز تھی کہ قاتلین عثمان کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ مصر کے دس ہزار باشندوں نے صاف طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ گورنر قیس بن سعد کو یہ یادداشت پیش کی کہ اگر قاتلان عثمان کیفر کردار تک پہنچا دیے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں وگرنہ ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کریں گے۔

(طبری: ۴۶۳/۳، البدایہ والنہایہ: ۲۲۹/۷-۲۵۱-۳۱۳، ابن اثیر: ۲۰/۳)

Marfat.com

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے سیدھا مدینہ جانے کی تھی۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ پہلے شام چلا جائے اور وہاں سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر پھر مدینہ آیا جائے۔ کچھ حضرات کا خیال تھا کہ پہلے بصرہ جایا جائے اور وہاں سے کچھ گھوڑے اور سپاہی حاصل کیے جائیں۔ چنانچہ پہلے بصرہ جانے کا پروگرام طے ہوا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک ہزار گھڑسواروں کے ساتھ جانب بصرہ روانہ ہوئیں اور بصرہ تک پہنچتے پہنچتے لشکر کی تعداد تین ہزار ہوگئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر رکے ہوئے ایک ہودج میں بٹھایا گیا جس کا نام "عسکر" تھا۔ بصرہ کے قریب پہنچ کر ان سب حضرات نے اہل بصرہ اور وہاں کے گورنر کے نام خطوط لکھ کر ان کو اپنے مقصد سے آگاہ کیا۔ گورنر بصرہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی طرف قاصد بھیج کر ان کے بصرہ آنے کا مقصد پوچھا اور صورت حال کی وضاحت چاہی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قاصدین کے سامنے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

اسی اثنا میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بصرہ میں اس مقصد کے لیے پہنچ گئے ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی آپ نے بصرہ کی طرف جانے کا مصمم ارادہ فرما لیا اور اس سلسلہ میں اہل مدینہ کو اپنے ساتھ تعاون کے لیے کہا لیکن مدینہ والوں کی طرف سے اس بارے میں انہیں خاطر خواہ جواب نہ ملا۔ طبری نے لکھا ہے کہ انصار میں سے صرف دو بزرگوں نے تعاون کا یقین دلایا۔ (فاجابه رجلان من اعلام الانصار) اور صرف چھ بدری اصحاب نے تعاون کا اظہار کیا۔ حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف چار حضرات کے نام ذکر کیے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر اہل مدینہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ حکم گراں گزرا۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/۲۳۴)

بہرحال سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ صلح کی جو بات چیت مدینہ میں بیٹھ کر ہونی چاہیے تھی اس کی سلسلہ جنبانی کا آغاز میدان کارزار میں ہوا۔ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے ایک بزرگ صحابی سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کے پاس سفیر بنا کر بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ اصلی حالات کا پتہ چلائیں اور معلوم کریں کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ اور کس ارادہ سے بصرہ آئے ہیں؟ سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے صلح کے آثار پیدا ہوئے اور فضا پوری طرح صلح کے لیے ہموار ہوئی لیکن وہ شورش پسند اور سبائی گروہ جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پہلے سے موجود تھا انہوں

Marfat.com

نے پوری رات بے آرامی سے گزاری کہ کہیں ان دونوں گروہوں کی صلح نہ ہو جائے۔ وہ ساری رات باہم مشورہ کرتے رہے۔ اس باہمی مشورہ سے انہوں نے یہ پلان بنایا کہ صبح اندھیرے منہ جنگ چھیڑ دی جائے اور اس بات کا پورا پورا خیال رکھا جائے کہ یہ پلان صیغہ راز میں رکھا جائے۔

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ظلمت شب نے ابھی اپنے کاکل سیاہ سمیٹے نہیں تھے اور رات کی تاریکی ابھی چھٹنے نہ پائی تھی کہ ان فتنہ پردازوں نے اپنے خفیہ پلان کے مطابق اہل جمل پر اچانک حملہ کر دیا۔ اہل جمل نے اس اچانک حملہ سے یہ سمجھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے شرائط صلح سے اتفاق کرنے کے باوجود دھوکہ سے ہم پر حملہ کر دیا۔ یہی خیال سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے لوگ اصحاب جمل کے بارے میں کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں گروہوں میں لڑائی زوروں سے ہونے لگی۔ (تفسیر قرطبی: ۲۱۸/۱۶، روضۃ الصفا: ۲/۴۸۴-۴۸۵)

اس جنگ جمل میں اسلام کے دو نامور سپوت اور عشرہ مبشرہ کے دو صحابی سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو تو عمرو بن جرموز نے نماز میں شہید کیا جب سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو عین معرکۂ جنگ میں ایک نامعلوم تیر انداز کا تیر آ کر لگا، وہ ان کے لیے تیر قضا ثابت ہوا۔ لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی تو فرمایا: چھوڑ دو، یہ تیر نہیں پیا خداوندی ہے۔ چنانچہ وہ اس تیر سے جاں بحق ہو گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی شہادت کا بہت صدمہ تھا، چنانچہ تواریخ میں ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی نعش کے پاس گئے۔ گھوڑے سے اتر کر اسے بٹھایا اور ان کے چہرہ اور داڑھی سے غبار صاف کیا اور اس کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کی۔ پھر فرمایا: ''کاش میں آج سے بیس سال قبل اس دنیا سے انتقال کر گیا ہوتا۔''

(مجمع الزوائد: ۱۵۰/۹، مستدرک حاکم: ۳۷۳/۳، طبرانی: ۲۰۲)

طبرانی میں ایک اور روایت قیس بن عبادہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جنگ جمل کے روز اپنے صاحبزادے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''اے حسن! کاش میں بیس سال قبل فوت ہو گیا ہوتا۔'' (مجمع الزوائد: ۱۵۰/۹ وقال الہیثمی، اسنادہ جید)

آپ کے دکھ اور صدمہ کا اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بشروا قاتل طلحة النار۔ (سیر اعلام النبلاء: ۳۷/۱)

''طلحہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کو جہنم کی خوش خبری دو۔''

Marfat.com

شہادت کے وقت سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی عمر باسٹھ یا چونسٹھ سال تھی اور غالباً اسی میدان جنگ کے کسی گوشہ میں آپ دفن ہوئے۔ روایات میں ہے کہ یہ زمین نشیب میں تھی اس لیے اکثر وہاں پانی جمع رہتا۔ ایک شخص نے مسلسل تین مرتبہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی لاش کو قبر سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی ہدایت فرما رہے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے خواب کے بارے میں سنا تو سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ صحابی کا مکان دس ہزار درہم میں خریدا اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو اس میں منتقل کر دیا۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اتنے دنوں کے بعد بھی یہ جسم اسی طرح محفوظ تھا یہاں تک کہ آنکھوں میں جو کافور لگایا گیا تھا وہ بھی بعینہ موجود تھا۔ (اسد الغابہ: ۶۱/۳)

سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر قتل کا الزام اور اس کا جواب

بعض مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ یہ تیر سیدنا مروان رضی اللہ عنہ نے چلایا تھا اور وہی قاتل طلحہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ روایت درایت اور روایت دونوں کے لحاظ سے غلط ہے اور دشمنان بنوامیہ نے اس کو گھڑا ہے۔ سبائی پارٹی کا یہ خاص حربہ رہا ہے کہ وہ جرم تو خود کرتے ہیں اور الزام دوسروں کو دیتے ہیں۔ کسی پر تہمت لگانا اور اپنا الزام دوسروں کے سر دھرنا ان کا امتیازی شیوہ ہے۔ اسی طرح سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو ان میں سے کسی شقی نے شہید کیا اور اس کا الزام سیدنا مروان رضی اللہ عنہ پر لگا دیا اور پھر اس کا پروپیگنڈہ اس زور وشور سے کیا کہ بعض خاص لوگ بھی اس کو سچ سمجھنے لگے حالانکہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ اس الزام سے بالکل بری ہیں۔

اس بارے میں اکثر روایات تو بغیر سند کے ہیں، لہٰذا وہ تو بالکل قابل التفات نہیں ہیں۔ ابن سعد نے طبقات میں اور حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے الاستیعاب میں جو اقوال سند کے ساتھ بطرز روایت نقل کیے ہیں، ان کے راویوں پر اگر نظر ڈالی جائے تو ان میں سے اکثر وہ ہیں جن کا کام ہی الزامات لگانا ہے۔ طبری نے جو الفاظ لکھے ہیں ان کا ترجمہ ہے کہ "سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو ایک تیر آ کر لگا جس سے وہ جاں بحق ہو گئے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تیر مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے مارا تھا۔ (طبری: ۵۲۷/۴) ایک اور مقام پر طبری نے لکھا ہے کہ ایک نامعلوم تیر انہیں آ کر لگا۔ (فجاء سهم غرب ،طبری: ۵۲۷/۴) اسی قسم کے الفاظ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی لکھے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۴۲/۷-۲۴۷) ان سب روایات میں صرف گمان پر اس بات کی بنیاد رکھی

Marfat.com

ہے۔ جب کسی نے تیر چلانے والے کو دیکھا ہی نہیں تو یہ گمان کیسے ہو گیا کہ فلاں نے تیر چلایا ہے۔ (اس مسئلہ کی پوری تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ، شخصیت اور کردار'' اور ''سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ'' میں دی ہے۔)

اخلاق وعادات

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا اخلاقی پایہ نہایت بلند اور اعلیٰ تھا۔ اسلام کے بالکل ابتدائی ایام میں مسلمان ہوئے تھے۔ پوری زندگی بلکہ زندگی کے اعلیٰ ایام نبوت کی تربیت میں گزرے، اس وجہ سے اخلاق وعادات کے لحاظ سے نہایت منجھے ہوئے تھے۔ خشیت الٰہی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلمان کا سرمایۂ حیات ہے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا قلب ان دونوں چیزوں سے لبریز تھا۔ غزوات میں اور خصوصی طور غزوہ احد میں آپ نے جوش، جذبۂ جانثاری اور فداکاری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی ہوئی دعاؤں کے مستحق ٹھہرے، یہ انہی کا مقام تھا۔ جنگ احد میں ایک موقع ایسا بھی آیا جب صرف آپ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ (بخاری، حدیث:۳۷۲۳، ۴۰۶۱، مسلم، حدیث:۲۴۱۴)

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس جوانمردی اور پامردی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز فرمایا: ''طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے جنت واجب ہو گئی۔'' (ترمذی، حدیث:۳۷۳۹، ۱۶۹۲، مسند احمد:۱/۱۶۵، طبقات ابن سعد:۳/۱۵۵)

دین کا مطالبہ جان اور مال دونوں کے ساتھ جہاد کرنے کا ہے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے جان اور مال دونوں کے ساتھ اللہ کے رستہ میں جہاد کیا۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ انہوں نے نذر مانی تھی کہ غزوات کے مصارف کے لیے اپنا مال اللہ کے راستے میں دیا کریں گے۔ اس نذر کو انہوں نے اس پابندی کے ساتھ پورا کرنے کی کوشش کی کہ قرآن حکیم میں ان کی تعریف میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ﴾ (الاحزاب:۲۳)

''مومنوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے جو کچھ عہد کیا

Marfat.com

اس کو سچا کر دکھایا چنانچہ بعض ان میں وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کی۔"

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ

"کتنے پکے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنا عہد و پیان سچا کر دکھلایا۔ بڑی بڑی سختیوں کے وقت دین کی حمایت اور پیغمبر کی رفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ اللہ اور رسول کو جو زبان دے چکے تھے پہاڑ کی طرح اس پر جمے رہے۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے یعنی جہاد ہی میں جان دے دی جیسے شہدائے بدر و احد جن میں سے حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا قصہ بہت مشہور ہے۔ اور بہت مسلمان وہ ہیں جو نہایت اشتیاق کے ساتھ موت فی سبیل اللہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب کوئی معرکہ پیش آئے جس میں ہمیں بھی شہادت کا مرتبہ نصیب ہو۔ بہر حال دونوں قسم کے مسلمانوں نے (جو اللہ کی راہ میں جان دے چکے اور جو مشتاق شہادت ہیں) اپنے عہد و پیان کی پوری حفاظت کی اور اپنی بات سے ذرہ بھر نہیں بدلے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: "ھذا ممن قضی نحبہ" (یہ ان میں سے ہے جو اپنا ذمہ پورا کر چکے) گویا ان کو اسی زندگی میں شہید قرار دے دیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے اپنے ہاتھ پر تیر روکتے رہے حتیٰ کہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (فوائد عثمانی: ص ۵۵۹)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "طلحہ! تم بھی ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے اپنی نذر پوری کی۔" (فتح الباری: ۳۹۸/۸)

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک اعرابی سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو کہ "من قضی نحبہ" سے کون شخص مراد ہے؟ اس اعرابی نے جب آپ سے یہ سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوئی جواب نہ دیا بلکہ اعراض فرمایا۔ پھر میں مسجد کے دروازے سے داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا: "من قضی نحبہ" کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس اعرابی نے عرض کی: "میں ہوں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے اس اعرابی سے فرمایا: یہ ہے وہ شخص جو "من قضی نحبه" کا مصداق ہے۔

(ترمذی، حدیث: ۳۷۴۲، طبرانی، حدیث: ۲۱۷، طبقات ابن سعد: ۱۵۶/۳)

اور مسند ابی داود طیالسی میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہے جو اپنی نذر پوری کر چکے۔

(۱۶۴/۲)

اور ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو ایسے شخص کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھنا چاہتا ہے جس نے اپنی نذر پوری کر دی ہے، تو وہ طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔''

(طبقات ابن سعد: ۱۵۵/۳، مجمع الزوائد: ۱۴۸/۹، المطالب العالیہ، حدیث: ۴۰۱۴)

اسی وجہ سے انہیں ایک روایت میں شہید کے لفظ سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ چنانچہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من اراد ان ینظر الیٰ شهید یمشی علیٰ رجلیه، فلینظر الیٰ طلحة بن عبیدالله۔

''جو چاہتا ہے کہ ایک ایسے شہید کو دیکھے جو اپنے دونوں پاؤں سے زمین پر چل پھر رہا ہے تو وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے۔''

(مسند ابی داود طیالسی، حدیث: ۱۷۹۳، ابن ماجہ، حدیث: ۱۲۵، ترمذی، حدیث: ۳۷۴۰، طبقات ابن سعد: ۱۵۶/۳)

داد و دہش

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اقلیم سخاوت کے بھی شہنشاہ تھے۔ فقرا و مساکین اور اہل حاجت کے لیے ان کے گھر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ قیس بن حازم فرماتے ہیں کہ ''میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو بے طلب کی بخشش میں پیش پیش نہیں دیکھا۔'' (فتح الباری: ۶۶/۷)

یہی بات قبیصہ بن جابر سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا:

فما رایت اعطی الجزیل مال من غیر مسئلة منه۔

(طبقات ابن سعد: ۱۵۷/۳، معجم کبیر طبرانی: ۱۹۴، حلیۃ الاولیاء: ۸۸/۱، الاصابہ: ۲۳۵/۵)

Marfat.com

ایک مرتبہ اپنی جائداد کا کچھ حصہ سات لاکھ درہم میں فروخت کیا اور وہ ساری رقم اللہ تعالیٰ کے راستے میں تقسیم کردی۔ ایک مرتبہ آپ کی اہلیہ محترمہ سعدی بنت عوف نے فرمایا کہ ایک روز وہ گھر آئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ بہت غمگین ہیں۔ پوچھا: کیا ہوا؟ آپ اس قدر اداس کیوں ہیں؟ کیا مجھ سے کوئی خطا سرزد ہوگئی؟ فرمایا نہیں، تم تو نہایت اچھی بیوی ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ میرے پاس بہت سا مال جمع ہوگیا ہے؟ اسی کی فکر میں تھا کہ کیا کروں؟ میں نے کہا: اس میں فکر کی کون سی بات ہے آپ اسے تقسیم کردیں۔ میرے منہ سے یہ بات سن کر اسی وقت خادمہ کو بلایا اور چار لاکھ کی رقم اپنی قوم میں تقسیم کردی۔

(معجم کبیر طبرانی: ۱۹۵، حلیۃ الاولیا: ۱/۸۸، طبقات ابن سعد: ۳/۱۵۷، مجمع الزوائد: ۹/۱۴۸، قال الہیثمی، رجالہ ثقات)

روایات میں ہے کہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بنی تیم کے تمام تنگ دست خاندانوں کی کفالت فرماتے تھے اور اگر کوئی مقروض ہوتا تو اس کا قرض ادا کرتے، چنانچہ صبیحہ التیمی پر تیس ہزار کا قرض تھا جو آپ نے اپنی جیب خاص سے ادا کیا۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۱۵۷-۱۵۸)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی آپ کو خاص عقیدت تھی چنانچہ ہر سال ان کو دس ہزار درہم بھیجا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۱۵۷، سیر اعلام النبلاء: ۱/۳۳)

آپ کے صاحبزادے موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضر موت سے آپ کے پاس سات لاکھ درہم آئے۔ آپ نے پوری رات کروٹیں بدلتے گزاری۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ کہا: اللہ کی بندی! میں تو رات سے پریشان ہوں کیونکہ اس بندہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کیا کہیں گے جس کے گھر میں رات بھر اتنا مال رہے؟ آپ کی اہلیہ نے کہا: اس میں فکر کی کون سی بات ہے، آپ اس کو غرباء اور فقراء میں تقسیم فرمادیں۔ آپ نے فرمایا: تو بڑی نیک ہے اور نیک شخص کی بیٹی ہے (آپ کی یہ اہلیہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں) تو نے تو میری ساری پریشانی دور کردی۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو آپ نے تھال بھر بھر کر مہاجرین اور انصار میں اس کو تقسیم کردیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے کہا: ہمارے لیے اس مال میں سے کچھ نہیں؟ فرمایا: اللہ کی بندی! تو سارا دن کہاں تھی؟ اب صرف یہی کچھ بچا ہے۔ آپ کی اہلیہ فرماتی ہیں کہ آپ نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں ایک ہزار

Marfat.com

دراہم تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۳۱/۱)

غزوہ ذی القرد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مجاہدین کے ساتھ پانی کے ایک چشمہ پر گزرے جس کا نام بیسان مالح تھا۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے خرید کر وقف کر دیا۔ (الاصابہ: ۲۹۱/۳)

اسی طرح پہاڑ کے ایک طرف ایک کنواں تھا اس کو خریدا اور وہاں کئی بکرے اور دوسرے جانور ذبح کر کے لوگوں کو کھانا کھلایا۔ کنواں وقف کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ عمل دیکھ کر فرمایا: "انت طلحة الفياض۔"

(مجمع الزوائد: ۱۴۸/۹ وقال رواہ الطبرانی، الاستیعاب: ۲۳۵/۵، الاصابہ: ۲۳۲/۵)

غزوہ ذی العسرۃ میں تمام مجاہدین کی دعوت کی۔ غزوہ تبوک کے موقع پر جب کہ عموماً تمام مسلمان افلاس و ناداری کی مصیبت میں گرفتار تھے، آپ نے مصارف جنگ کے لیے ایک گراں قدر رقم بارگاہ نبوت میں پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بھی آپ کو "فیاض" کا خطاب عطا فرمایا۔ (اسد الغابہ: ۶۰/۳)

مہمان نوازی سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا خاص شیوہ تھا۔ ایک مرتبہ بنی عذرہ کے تین شخص مدینہ میں آ کر دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔ وہ لوگ نادار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ان کی کفالت کا ذمہ لیتا ہے؟ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی: "اے اللہ کے رسول! میں۔" اور تینوں نو مسلم حضرات کو مہمان بنا کر اپنے گھر لے آئے۔ ان میں سے دو نے یکے بعد دیگرے مختلف غزوات میں شہادت پائی اور تیسرے نے بھی ایک مدت کے بعد سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان میں انتقال کیا۔ انہیں اپنے ان مہمانوں سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ ہر وقت انہی کی یاد تازہ رہتی اور رات کو خواب میں بھی انہی کا جلوہ نظر آتا تھا۔ ایک روز خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے تینوں مہمانوں کے ساتھ جنت کے دروازے پر کھڑے ہیں لیکن جو مہمان سب سے آخر میں مرا تھا وہ سب سے آگے ہیں اور جو سب سے پہلے شہید ہوا تھا وہ سب سے پیچھے ہے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس تقدم و تاخیر پر سخت حیرت ہوئی۔ صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب بیان کیا اور اپنی حیرت کا بھی بتایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟ جو زیادہ دنوں تک زندہ رہا اس کو عبادت اور نیک کاموں کا زیادہ موقع ملا اس لیے وہ جنت کے داخلہ میں اپنے ساتھیوں سے آگے تھا۔ (مسند امام احمد بن حنبل: ۱۶۳/۱)

Marfat.com

اس لیے حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

طوبیٰ لمن طال عمرہ و حسن عملہ۔

''خوشخبری ہے اس کے لیے جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھے ہوں۔''

اپنے دوست احباب کی مسرت وشادمانی ان کے لیے بھی سامان مسرت وانبساط بن جاتی تھی۔ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دوساتھی غزوہ تبوک میں بے وجہ شریک نہ ہونے کی وجہ سے بارگاہ رسالت میں معتوب ہوگئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کا سوشل بائیکاٹ کر دیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی خطا معاف کر دی اور اپنی توبہ کی قبولیت کے باعث خوش خوش بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے جب انہیں دیکھا تو دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور ان کی توبہ کی قبولیت پر انہیں مبارک باد دی۔ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں طلحہ رضی اللہ عنہ کے اس اخلاق کو کبھی فراموش نہیں کروں گا کیونکہ مہاجرین میں سے کسی نے میرے ساتھ ایسی گرم جوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

دوستوں کی خدمت گزاری اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے بھی آپ کو خوشی و مسرت ہوتی اور ان کی خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک اعرابی آپ کے ہاں مہمان ہوا۔ اس نے آپ سے عرض کیا کہ بازار میں میرا اونٹ فروخت کرا دیجیے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا معاملہ نہ چکائے تاہم میں تمہارے ساتھ جاؤں گا اور اس معاملہ میں تمہاری پوری مدد کروں گا۔ چنانچہ آپ اس کے ساتھ گئے اور مناسب قیمت پر اس کا اونٹ فروخت کرا دیا۔ اعرابی نے ان سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ بارگاہ رسالت سے زکوٰۃ کی وصولی کا ایک مفصل ہدایت نامہ دلوا دیجیے تاکہ عاملوں کو اس کے مطابق زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اس خواہش کی بھی تکمیل بارگاہ نبوت سے ہدایت نامہ حاصل کر کے کر دی۔ (بخاری، باب غزوہ تبوک)

اسوۂ رسول ﷺ کی اتباع

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو اسوۂ رسول کی اتباع کا بھی بڑا شوق تھا۔ ہر معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو آپ نے اپنی زندگی کا لازمی جز سمجھ لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی مختلف مجلسوں میں جو

Marfat.com

کچھ دیکھتے یا سنتے اس کو ہمیشہ یاد رکھتے اور زندگی میں اپنانے کی کوشش فرماتے۔ یہ ایک مومن کی بہت بڑی سعادت ہے۔ اور اگر کبھی اتفاق سے آپ ﷺ کی کوئی بات بھول جاتے تو سخت مغموم اور رنجیدہ ہوتے اور ایسا معلوم ہوتا جیسے آپ کی کوئی بڑی قیمتی شئے کھوگئی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو نہایت مغموم بیٹھے دیکھ کر فرمایا: ''طلحہ! کیا بات ہے، اتنے مغموم کیوں ہو؟ کیا کسی سے کوئی جھگڑا ہو گیا؟'' کہنے لگے: جھگڑا تو نہیں ہوا، البتہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اگر کوئی بندہ موت کے وقت ایک کلمہ زبان سے ادا کرے تو اس کی نزع کی تکلیف اور مصیبت دور ہو جائے گی اور اس کا چہرہ چمکنے لگے گا۔ مجھے وہ کلمہ معلوم تھا لیکن اب یاد نہیں آرہا، اس وجہ سے مغموم ہوں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم اس کلمہ سے بھی زیادہ باعظمت اور پُراثر کلمہ جانتے ہو جس کا رسول اللہ نے حکم فرمایا تھا یعنی ''لا الہ الا اللہ'' سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ کلمہ سن کر خوشی سے اچھل پڑے اور فرمایا: ''ہاں، اللہ کی قسم یہی وہ کلمہ ہے۔'' (مسند احمد: ۱/۱۶۱)

یہ روایت مختلف الفاظ سے کئی کتابوں میں نقل کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح ابن حبان روایت نمبر۲، مستدرک حاکم: ۱/۳۵۰-۳۵۱ وصححہ الحاکم وافقہ الذہبی۔

ذریعہ معاش

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا اصل ذریعہ معاش تو تجارت تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے دعویٰ نبوت کی بشارت بھی آپ کو تجارتی سفر ہی میں ملی تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ زراعت کا شغل بھی تھا اور یہ نہایت وسیع پیمانے پر تھا۔ خیبر میں رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ایک جاگیر عطا فرمائی تھی۔ اس جاگیر کے علاوہ عراق عرب میں کئی زراعتی فارم تھے ان میں سے قناۃ اور سراۃ نہایت مشہور ہیں۔ ان دونوں زراعتی فارموں میں کاشتکاری کا نہایت وسیع انتظام تھا۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ صرف قناۃ کے کھیتوں پر بیس اونٹ سیرابی کا کام کرتے تھے، ایسا ہی انتظام کچھ سراۃ میں تھا۔ ان علاقوں کی پیداوار کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار تھا۔

(طبقات ابن سعد: ۳/۱۵۸، معجم کبیر طبرانی، حدیث: ۱۹۶، حلیۃ الاولیا: ۱/۸۸، مجمع الزوائد: ۹/۱۴۸، وقال رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات)

Marfat.com

اسی آمدنی سے وہ بنو تیم کے محتاجوں کی کفالت فرماتے تو راس کی بیواؤں اور یتیموں کی اعانت فرماتے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سالانہ دس ہزار درہم بھیجتے۔ (طبقات: ۱۵۸/۳)

حسن معاشرت

اسلام نے حسن معاشرت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اسلامی حسن معاشرت کی زندہ تصویر تھے اور اپنی حسن معاشرت کی وجہ سے اپنے بیوی بچوں میں نہایت محبوب تھے۔ وہ اپنے اہل و عیال میں جس لطف و محبت کے ساتھ اپنی زندگی کے شب و روز بسر کر رہے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی ام ابان جو ہند بنت عتبہ کی بہن تھی، اس کو اگرچہ بہت سے اشراف نے شادی کی درخواست کی تھی لیکن انہوں نے ان سب پر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی۔ لوگوں نے وجۂ ترجیح پوچھی تو کہا: میں ان کی اس خوبی سے نہایت متاثر ہوں کہ گھر آتے ہیں تو ہنستے ہوئے، باہر جاتے ہیں تو مسکراتے ہوئے، کچھ مانگو تو بخل سے کام نہیں لیتے اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے۔ اگر ان کا کوئی کام کر دو تو شکر گزار ہوتے ہیں اور اگر خطا ہو جائے تو عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔ (کنز العمال: ۴۱۳/۶)

اور بھی بہت سی مثالیں تاریخ کے اوراق میں ان کے حسن معاشرت کے بارے میں منقول ہیں۔

مال و دولت کی فراوانی

گھر میں مال و دولت کی فراوانی تھی۔ تجارت اور زراعت دونوں طریقوں سے مال و دولت گھر میں آتی تھی، لیکن جتنا مال آتا ان میں لاکھوں درہم و دینار راہ خدا میں خرچ کر دیتے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے ایک ایک وقت سات سات لاکھ درہم غرباء و مساکین میں تقسیم کیا، لیکن اس کے باوجود اپنے اہل و عیال کے لیے بہت زیادہ مال و دولت چھوڑ کر اس دنیا سے گئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے صاحبزادے موسیٰ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ تمہارے والد کس قدر دولت چھوڑ گئے؟ تو انہوں نے فرمایا: ''بائیس لاکھ درہم، دو لاکھ دینار اور اس کے علاوہ کثیر مقدار میں سونا اور چاندی۔ یہ تو نقدی کی تفصیل تھی۔ غیر منقولہ جائداد اس کے علاوہ تھی جس کی کل قیمت کا محتاط اندازہ تین کروڑ درہم تھا۔ یہ سن کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

Marfat.com

"عاش حميداً سخياً شريفاً وقتل فقيداً رحمه الله"

(طبقات ابن سعد: ۱۵۸/۳، سیر اعلام النبلاء: ص ۳۳-۳۴)

لباس اور غذا

آپ کی غذا نہایت سادہ تھی، لیکن کپڑے اکثر رنگین پہنتے تھے۔ ایک روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حالت احرام میں رنگین چادریں زیب تن کیے ہوئے دیکھا تو پوچھا: طلحہ! یہ کیا ہے؟ کہا: امیر المؤمنین! یہ گیروا رنگ ہے۔ اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: طلحہ! آپ لوگ ائمہ دین ہیں، عوام آپ کی ہر بات کا اتباع کرتے ہیں۔ اگر کوئی جاہل دیکھ لے گا تو وہ بھی رنگین کپڑے استعمال کرے گا اور پوچھنے پر دلیل یہ پیش کرے گا کہ میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ کو حالت احرام میں رنگین کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تھا۔ (طبقات ابن سعد: ۱۵۶/۳)

جب دولت کے انبار راہ خدا میں تقسیم کرتے تھے تو یقینی بات ہے کہ دستر خوان بھی وسیع ہوگا اور پر تکلف بھی۔ دستر خوان کی وسعت تو ویسے بھی عربوں کا خاصا تھا۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بھی اس خصوصیت سے موصوف تھے اور مہمانوں کو اکثر اپنے دستر خوان پر بلاتے رہتے۔

حلیہ

کتابوں میں جو ان کا حلیہ آتا ہے وہ یہ ہے: میانہ قد، بلکہ ایک حد تک پست، چہرہ کا رنگ سرخ وسفید، بدن خوب گٹھا ہوا، سینہ چکلا اور چوڑا، پاؤں پر گوشت، ہاتھ کی انگلیاں غزوہ احد میں شل ہو گئی تھیں جو ان کے لیے سرمایۂ افتخار تھیں۔ (مستدرک حاکم: ۳۷۰/۳، الاصابہ: ۲۳۲/۵)

رنگ گندمی، گھنے بال، چہرہ کتابی اور خوبصورت جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ تیز چل رہے ہیں۔ (طبقات: ۱۵۶/۳، معجم کبیر طبرانی، حدیث: ۱۹۱)

ازواج واولاد

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں کئی شادیاں کیں۔ بیویوں کے نام درج ذیل ہیں:

① حمنہ بن جحش رضی اللہ عنہا ② ام کلثوم بن ابی بکر رضی اللہ عنہا ③ سعدی بنت عوف ④ ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ وار ⑤ خولہ بنت قعقاع۔

Marfat.com

ان میں سے ہر ایک کے بطن سے اولاد ہوئی۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں۔

محمد (اس کے نام پر ان کی کنیت ابو محمد تھی) عمران، عیسیٰ، موسیٰ، یحییٰ، اسماعیل، اسحاق، زکریا، یعقوب، یوسف۔

ان کے علاوہ چار صاحبزادیاں بھی تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

① ام اسحاق

② عائشہ

③ صعبہ

④ مریم

Marfat.com

سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

نام ونسب

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔ ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی رشتے تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے تھے۔ اس رشتہ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ دوسرا رشتہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد کے بیٹے ہونے کی وجہ سے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھتیجے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھا تھے۔ تیسرا رشتہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے ہم زلف تھے کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما آپ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ آپ کا نسب نامہ یوں ہے:

نام زبیر، کنیت ابوعبداللہ، لقب حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم، والد کا نام عوام اور والدہ کا نام صفیہ بنت عبدالمطلب۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی الاسدی۔ (سیر اعلام النبلاء: ۴۱/۱)

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی سے اٹھائیس سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن کے حالات گوشہ خمولت میں ہیں، لیکن مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کی والدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ابتدا ہی سے اپنے اس بیٹے کی نہایت اچھی تربیت کی تھی تاکہ وہ جوان ہو کر ایک نہایت اولوالعزم، بہادر اور عالی حوصلہ انسان ثابت ہو۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے اگر کوئی غلطی ہو جاتی تو انہیں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا خوب مارا

Marfat.com

پیٹا کرتیں، اور سخت سے سخت کام کا عادی بناتی تھیں۔ چنانچہ طبقات ابن سعد وغیرہ میں ہے کہ ایک روز نوفل بن خویلد نے جو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو مارتے پیٹتے دیکھا تو نہایت خفا ہوئے اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے کہا: تم اس بچے کو اتنا کیوں مارتی ہو؟ کیا تم اس کو مارتے مارتے مار ڈالو گی۔ تمہیں پتہ نہیں کہ میں اپنے بھائی عوام کے بعد تمہارا سرپرست اور ولی ہوں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے بنو ہاشم سے بھی کہا: تم لوگ صفیہ رضی اللہ عنہا کو سمجھاتے کیوں نہیں، اس بچے نے اس کا کیا بگاڑا ہے کہ یہ اس کو اس قدر مارتی پیٹتی ہے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس خفگی کا جواب ایک شعر میں دیا جس کا ترجمہ یہ ہے:

"جس نے یہ کہا کہ میں اس بچے سے بغض رکھتی ہوں اس نے جھوٹ کہا، میں تو اس کو اس لیے مارتی ہوں کہ یہ عقل و دانش کا حامل ہو اور ایک پورے لشکر کو شکست دے اور مال غنیمت حاصل کرے۔" (الاصابہ: ۳/۷)

والدہ کی اس سختی اور تربیت کا یہ اثر ہوا کہ وہ بچپن ہی میں بڑے بڑے بہادروں کا مقابلہ کرنے لگے۔ چنانچہ ایک دفعہ مکہ کے جوان مرد سے مقابلہ ہو گیا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا بازو ٹوٹ گیا۔ لوگ اسے اپنے ساتھ لے کر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت کرنے کے لیے آئے تو انہوں نے معذرت کرنے کے بجائے سب سے پہلے یہ سوال کیا کہ تم نے زبیر رضی اللہ عنہ کو کیسا پایا بہادر یا بزدل؟ (الاصابہ: ۴/۷-۸، طبقات ابن سعد: ۳/۷۱)

موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدنا علی، سیدنا زبیر، سیدنا طلحہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ایک ہی سال میں پیدا ہوئے اور یہ چاروں ہم عمر تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۴۴) لیکن "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" کی رو سے جو خوبیاں اللہ تعالیٰ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ میں رکھی تھیں وہ دوسروں میں نہ تھیں، لیکن ایک بات سب میں مشترک تھی کہ چاروں مسلمان ہوئے اور چاروں نے اسلام کی وہ وہ خدمات کیں کہ ان کے سنہری کارناموں سے تاریخ کے اوراق مزین ہیں اور چاروں بہترین بہادر تھے اور چاروں کا تعلق عشرہ مبشرہ سے تھا۔

اسلام

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ آٹھ سال کے تھے جب انہوں نے اسلام قبول کیا۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱/۴۱)

Marfat.com

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ پانچویں یا چھٹے مسلمان ہیں اور السابقون الاولون میں ان کا ایک نمایاں مقام ہے۔اس کمسنی میں بھی استقامت و جان نثاری میں وہ کسی بڑے سے پیچھے نہ تھے۔بعض روایات میں ہے کہ آپ سولہ سال کی عمر میں دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئے، لیکن ہمارے نزدیک پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔لیکن جس عمر میں بھی وہ ایمان کے نور سے منور ہوئے۔اسلام پر ثابت قدمی اور جان نثاری ان کی ذات کا ایک خاص وصف تھا اور یہ وصف ان کی ذات میں آخر تک قائم رہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی شیطان نے یہ خبر مشہور کر دی کہ مشرکین نے آپ ﷺ کو گرفتار کر لیا ہے۔سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا حالانکہ آپ کی عمر اس وقت صرف بارہ سال کی تھی۔(غلام ابن الثنتي عشرة سنته)۔(سیر اعلام النبلاء:۱/۴۱)

چنانچہ آپ اسی وقت برہنہ تلوار ہاتھ میں لے کر گھر سے رسول اللہ ﷺ کی مدافعت کے لیے نکل پڑے۔جس نے بھی اس عمر میں انہیں اس طرح تلوار پکڑے ہوئے دیکھا انگشت بدندان رہ گیا۔ جب آستانہ نبوت ﷺ پر حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے انہیں شمشیر بدست دیکھا تو پوچھا! زبیر یہ کیا ہے؟ عرض کی: حضور! مجھے پتہ چلا تھا کہ (خدانخواستہ) آپ ﷺ کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ میں یہ تلوار لے کر آیا ہوں کہ جس نے آپ کو پکڑا ہے اس کا سر تن سے جدا کر دوں۔رسول اللہ ﷺ نے ان کے منہ سے جب اس دلی جذبہ کو سنا تو بہت خوش ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کے لیے اور ان کی تلوار کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

(مستدرک حاکم:۳/۳۶۰، حلیۃ الاولیاء:۱/۸۹، الاستیعاب:۳/۳۱۱، اسد الغابہ:۲/۲۵۰، الاصابہ: ۴/۸، سیر اعلام النبلاء:۱/۴۱-۴۲)

اہل سیر اور مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ پہلی تلوار تھی جو راہ خدا میں جان نثاری کے جذبہ سے ایک بچے کا ہاتھ سے برہنہ ہوئی۔(اسد الغابہ:۲/۲۵۰، تذکرہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ)

ہجرت

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے جونہی اسلام کی دعوت کو قبول کیا تو مشرکین کے پنجۂ ظلم و ستم نے ان پر سختی شروع کر دی۔ بیگانے تو ایک طرف رہے خود آپ کے چچا نے آپ کو ظلم و ستم اور استبداد کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ آپ کا چچا آپ کو الٹا لٹکا لیتے اور ان کو اس قدر

Marfat.com

دھونی دیتا کہ آپ کا دم گھٹنے لگتا لیکن ان کا جواب یہی ہوتا:

لا ارجع الی الکفر ابداً۔

''اب میں کفر کی طرف ہرگز نہیں لوٹ سکتا۔''

(حلیۃ الاولیاء: ۸۹/۱، معجم کبیر طبرانی، حدیث: ۲۳۹، مجمع الزوائد: ۱۵۱/۹، مستدرک حاکم: ۳۶۰/۳)

توحید کا یہ نشہ ایسا تھا کہ ظلم وستم کی ترشی اسے اتار نہیں سکتی تھی۔ لیکن جب مظالم وشدائد ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک روز اپنی زبان مبارک سے ان مظلوم مسلمانوں کو فرمایا:

''تم اللہ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کرے گا۔ ان مظلوموں نے پوچھا کہاں جائیں؟ آپ نے حبشہ کی طرف اشارہ فرمایا۔''

(زرقانی: ۲۷۰/۱، سیرۃ ابن ہشام: ۳۲۲/۱، عیون الاثر: ۲۰۹/۱)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''ھی ارض صدق'' وہ صدق وراستی کی سرزمین ہے۔ چنانچہ بارہ مردوں اور چار عورتوں کا ایک مختصر سا کارواں فی الفور ماہ رجب سنہ ۵ نبوی کو ہجرت حبشہ کے لیے آمادۂ سفر ہو گیا۔ راہ خدا میں غریب الوطن ہونے والے اس مقدس جماعت کے ایک فرد سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ پھر جب آپ حبشہ سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے خود مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایات دیں۔ چنانچہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح مدینہ کو ہجرت کی اور اس مقدس سرزمین کو اپنا وطن بنایا۔

مکہ میں تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آپ کا اسلامی بھائی بنایا۔

(عیون الاثر: ۳۲۱/۱، فتح الباری: ۲۱۰/۷-۲۱۱)

ایک اور روایت کے مطابق سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو آپ کے ساتھ رشتۂ مواخات میں منسلک کیا تھا، لیکن مدینہ میں آپ نے جو انصار ومہاجرین کی مواخات منعقد کی تھی اس میں سیدنا سلامہ بن سلام انصاری رضی اللہ عنہ کو آپ کا اسلامی بھائی بنایا جو مدینہ طیبہ کے ایک معزز بزرگ اور بیعت عقبہ کے شرکاء میں سے تھے۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۵۰۴/۱، فتح الباری: ۲۱۰/۷، الدرر فی المغازی والسیر لابن عبدالبر: ص ۹۱-۹۲، عیون الاثر: ۳۲۴/۱)

Marfat.com

غزوات میں شرکت

اسلام میں سب سے پہلا غزوہ ''غزوہ بدر'' تھا۔ جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر ۱۲ ر رمضان المبارک سنہ ۲ ھ بروز اتوار مدینہ منورہ سے نکلے۔ صحابہ کی تعداد ۳۱۳ تھی جن میں ۷۷ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ ان تین سو تیرہ کے پاس ستر اونٹ اور کل دو گھوڑے تھے۔ ایک گھوڑا سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور دوسرا سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے پاس۔ ابن سعد نے ایک اور گھوڑے کا ذکر بھی کیا ہے جو سیدنا مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار پانچ روز میں ۸۰ میل کی مسافت طے کی تاکہ اس تجارتی قافلے کا مال ضبط کیا جا سکے جو بعد میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کام آنا تھا۔

میدان بدر میں جب دونوں لشکر آمنے سامنے ڈیرے جمائے بیٹھے تھے تو ایک روز شام کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زبیر اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور دوسرے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو قریش کی خبر کے لیے روانہ فرمایا تاکہ پتہ چل سکے کہ ان کے لشکر کی تعداد کتنی ہے اور کون کون شریک لشکر ہے۔ اتفاقاً دو غلام ہاتھ لگے۔ ان سے بہت پوچھا کہ لشکر کی تعداد کتنی ہے تو ان کا جواب ایک ہی تھا کہ بہت ہیں۔ وہ صحیح تعداد نہیں بتاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ وہ روزانہ کھانے کے لیے کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ایک روز نو اور ایک روز دس۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بس پتہ چل گیا، ان کی تعداد ہزار اور نو سے کے درمیان ہے۔'' بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بڑے بڑے لوگوں کے نام پوچھے تو انہوں نے بتا دیے۔ آپ نے سرداران قریش کے نام سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''مکہ نے آج اپنے جگر گوشوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔''

(عیون الاثر: ص ۳۸۷-۳۸۸، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۶۱۵، انساب الاشراف: ۱/۱۳۵)

اس طرح آپ کو قریش کے لشکر کا سب حال معلوم ہو گیا۔

جب دونوں فوجوں میں لڑائی شروع ہوئی تو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے نہایت دلیری اور جانبازی کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔ آپ جس طرف نکل جاتے دشمن کی صفوں کو تہ و بالا کر دیتے تھے۔

روایات میں ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اس روز عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ بعد میں جو

Marfat.com

مسلمانوں کی نصرت کے لیے جنگ بدر میں ملائکہ اترے انہوں نے بھی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی وضع میں زرد عمامے باندھے ہوئے تھے۔

(عیون الاثر: ۱/۱۰۴، سیرت ابن ہشام: ۱/۶۳۳، طبقات ابن سعد: ۳/۷۲، معجم کبیر طبرانی، حدیث: ۲۳۰، مجمع الزوائد: ۶/۸۴، مستدرک حاکم: ۳/۳۶۱)

ایک روایت میں ہے کہ صرف جبرئیل کا عمامہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے عمامے کی طرح زرد تھا۔
(مجمع الزوائد: ۶/۸۴، ونسبہ الی الطبرانی وقال ہو مرسل صحیح الاسناد)

جنگ بدر کے روز آپ کے جوش وجذبے کا یہ عالم تھا کہ ایک مشرک نے ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر مبارزت چاہی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے جونہی اس کی آواز سنی تو ٹیلے پر چڑھ کر اس سے لپٹ گئے اور دونوں قلابازیاں کھاتے ہوئے نیچے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کہ ان میں سے جو سب سے پہلے زمین پر پڑے گا وہ مقتول ہوگا اور دوسرا قاتل۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ مشرک پہلے زمین پر گرا اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہو کر جہنم واصل ہوا۔ (کنز العمال: ۶/۴۱۶)

طبرانی وغیرہ میں روایت ہے کہ جنگ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں دو گھڑسوار تھے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ میمنہ پر تھے اور سیدنا مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ میسرہ پر تھے۔

غزوۂ بدر میں قریباً سارے اساطین کفر مارے گئے جو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے مکہ سے آئے تھے۔ ان میں ایک عبیدہ بن سعید بن العاص بھی تھا جو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بری طرح مارا گیا۔ یہ بڑی ہمت کر کے اور سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق ہو کر میدان میں آیا۔ اس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے میدان میں نکل کر مسلمانوں کو پکارا اور کہا: "میں ہوں ابو ذات الکرش" اس کی للکار سن کر سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور برچھی سے پہلا وار اس طرح تاک کر اس کی آنکھ میں کیا کہ برچھی اس کی آنکھ میں گڑ گئی اور وہ مردود فوراً ٹھنڈا ہو گیا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر بڑی مشکل سے برچھی اس کی آنکھ سے نکالی، لیکن برچھی کی دونوں سرے ٹیڑھے ہو گئے۔

ابو ذات الکرش کے قتل سے فارغ ہو کر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ ہجوم میں گھس گئے اور مشرکین کے لشکر کے ساتھ اتنا لڑے کہ تلواریں دندانے پڑ گئے اور خود بھی زخموں سے چور ہو گئے۔ لیکن دو زخم بدن پر ایسے لگے جو تاریخی نشان بن گئے۔ ایسا ہی ایک زخم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد

Marfat.com

خلافت میں جنگ یرموک میں آیا تھا۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی برچھی اور تلوار یادگار بن گئیں۔ ابوذات الکرش کو جس برچھی سے مارا تھا وہ جنگ کے اختتام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مانگ لی۔ یہ برچھی چاروں خلفاء میں منتقل ہوتی رہی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ برچھی ان کے صاحبزادوں کے پاس تھی۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ برچھی باپ کی نشانی کے طور پر ان سے لے لی۔ جب سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اس وقت یہ برچھی ان کے پاس تھی۔ بعد میں کہاں گئی اس کا کوئی پتہ نہیں۔ وہ تلوار جس کو غزوۂ بدر میں دندانے پڑ گئے تھے وہ بھی سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کے پاس تھی۔ ان کا وہ سامان جو حملہ آور فوج نے ضبط کیا تھا یہ تلوار اس سامان میں تھی۔ امیر المؤمنین عبدالملک بن مروان نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بھائی عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: تم وہ تلوار پہچان لو گے؟ انہوں نے کہا: ضرور۔ عبدالملک نے پوچھا: اس کی کیا شناخت ہے؟ عروہ نے کہا: وہ دندانے جو غزوۂ بدر میں پڑ گئے تھے وہ اس کی شناخت ہے۔ عبدالملک کو اس جواب نے بہت متاثر کیا۔ چنانچہ فوراً انہوں نے نابغہ ذبیانی کے شعر کا وہ مصرع پڑھا "بھن فلول من قراع الکتائب'' پھر یہ تلوار انہوں نے سیدنا عروہ کو دے دی۔ سیدنا عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس تاریخی تلوار کی قیمت تین ہزار تک لگائی گئی لیکن ہم نے وہ تلوار نہ دی۔ پھر بعد میں ہمارے خاندان کے ایک شخص نے اس تلوار کو فروخت کر دیا جس کا مجھے بہت افسوس ہوا۔

(بخاری:۲/۶۶-۵۷۰)

غزوۂ بدر میں جو کاری زخم آئے تھے، وہاں ہمیشہ کے لیے گڑھا پڑ گیا۔ سیدنا عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم بچپن میں ان میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء:۱/۵۲) دو زخم بدر میں آئے اور ایک یرموک میں۔

مختصر یہ کہ اس غزوہ میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کارہائے نمایاں کیے اور اپنی بہادری، ثابت قدمی اور جان نثاری کے وہ جوہر دکھائے جو تاریخ اسلام میں ثبت ہو گئے۔ حق غالب اور کفر خائب وخاسر ہوا۔

غزوۂ احد

غزوۂ بدر کے ایک سال بعد غزوۂ احد پیش آیا۔ دونوں لشکر آمنے سامنے تھے ۷/شوال

Marfat.com

سنہ ۳ھ ہفتہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے اپنے لشکر کو ترتیب دیا۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پاپیادہ گھوم کر صفیں قائم فرمائیں اور انہیں درست فرمایا حالانکہ آپ کے پاس آپ کا گھوڑا ''سکب'' موجود تھا۔ جسد اطہر پر دو زرہیں تھیں، سر مبارک پر مغفر اور اس کے اوپر خود تھا۔ شانہ اقدس پر ایک طرف تلوار کا پرتلہ اور دوسری جانب کمان، پشت پر ترکش اور دست بیضاء میں نیزہ۔ جب صفیں مرتب ہو گئیں تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جب تک میں حکم نہ دوں جنگ شروع نہ کی جائے۔ اب آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پامردی اور ثابت قدمی کی تلقین فرمائی۔ ان میں دلیری اور بہادری کی روح پھونکتے ہوئے ایک برہنہ تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا:

من یاخذ هذا السیف بحقه؟۔

''کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟''

پیغمبر اسلام ﷺ کے منہ سے یہ کلمات سن کر کئی حضرات سعادت حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھے جن میں سیدنا عمر، سیدنا علی اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم بھی تھے لیکن ایک صحابی سیدنا ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! اس تلوار کا حق کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا حق یہ ہے کہ اس سے خدا کے دشمنوں کو مارے یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔''

ایک روایت میں ہے کہ ''اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے کسی مسلمان کو کبھی قتل نہ کرنا اور اس کو لے کر کبھی کسی کافر کے مقابلہ سے فرار نہ ہونا۔''

سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت وہ تلوار سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دی۔ (زرقانی: ۲۸/۲)

سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بڑے بہادر اور جانباز آدمی تھے۔ لڑائی کے وقت اکثر ناز و انداز اور وجد و سکر کی خاص کیفیت ہوتی تھی۔ ان کے پاس ایک سرخ پٹی ہوتی تھی۔ جب اس کو باندھ لیتے تو لوگ سمجھ لیتے کہ اب وہ موت تک لڑتے رہیں گے۔ چنانچہ انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے دست مبارک سے تلوار لی اور سر پر سرخ پٹی بھی باندھ لی۔ سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ اس تلوار کے ایک طرف شعر کندہ تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''بزدلی میں عار ہے اور آگے بڑھنے میں عزت ہے۔ انسان بزدلی کر کے شمشیر سے

Marfat.com

نجات حاصل نہیں کر سکتا۔‘‘ (سیرۃ حلبیہ: ۲۴۶/۲)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی: ۲۸/۲، انساب الاشراف: ۱۴۷/۱، زاد المعاد: ۲۳۱/۲)

سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ سر پر سرخ رومال باندھے دشمن کی صفوں کو الٹ پلٹ کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ جو مشرک بھی اس تلوار کی زد میں آجاتا بس وہیں کھیت ہو جاتا۔ اس تلوار کے حق کی ادائیگی کا عزم صمیم کیے ہوئے دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے دور تک چلے گئے۔

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ تلوار دینا چاہی تو میں نے بھی ہاتھ بڑھایا۔ (بعض روایات میں ہے کہ تین دفعہ ہاتھ بڑھایا)۔ (زرقانی: ۲۲/۲) لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرما دی۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ میں قریش کا مشہور شمشیر زن ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ بھی نہایت قریب کا ہے۔ میری والدہ آپ کی پھوپھی بھی ہیں، قریشی ہوں، مہاجر ہوں، میں نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ سے پہلے تلوار مانگی تھی، پھر بھی آپ نے مجھے تلوار عطا نہیں فرمائی اور میرے مقابلہ میں آپ نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو مجھ پر ترجیح دی۔ اب مجھے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا پیچھا کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ میں ان کے پیچھے ہو لیا۔ دیکھا کہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے ایک سرخ پٹی نکالی اور اس کو سر پر باندھ لیا۔ لوگوں نے کہا یہ ’’عصابۃ الموت‘‘ (موت کی پٹی) ہے۔ جب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ مرنے مارنے کی ٹھان لیتے تب یہ پٹی باندھا کرتے تھے۔ بہادرانہ ولولہ کا اثر رفتار میں بھی تھا اور گفتار میں بھی۔ رجز پڑھ کر دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رجز کا ترجمہ یہ تھا:

’’میں نے نخلستان کے دامن میں اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عہد کیا ہے کہ میں کبھی صفوں کے پیچھے نہ رہوں گا اور اللہ اور اس کی تلوار سے اس کے دشمنوں کو مارتا رہوں گا۔‘‘

وہ فوجیوں کو چیرتے ہوئے اور لاشوں پر لاشے گراتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ جو بھی مشرک ملتا ان کی تلوار کا لقمہ اجل بن جاتا۔ ادھر مشرکین میں سے ایک شخص ہمارے جس زخمی کو پاتا اس کو ڈھیر کر دیتا تھا۔ یہ دونوں رفتہ رفتہ قریب ہو رہے تھے۔ میں نے دل میں دعا کی کہ دونوں میں ٹکر ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر ایک ایک وار کیا، لیکن دوسرے ہی وار میں سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کو ڈھیر کر دیا۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ہند بنت عتبہ، زوجہ

Marfat.com

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے سر کے درمیان تلوار بلند کی اور پھر ہٹالی۔ میں نے کہا: ”اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔“

(عیون الاثر: ۲/۱۷، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۶۹، سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۴۹، زرقانی: ۲/۲۹، البدایہ والنہایہ: ۴/۱۶)

جنگ کے آغاز میں قریش کا علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور مسلمانوں کو للکارا۔ یہ شخص قریش کا بڑا بہادر شہ سوار تھا اور مسلمان اس کو ”کبش الکتیبہ“ (لشکر کا مینڈھا) کہتے تھے۔ یہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلا اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی اور کہا: اے محمد کے ساتھیو! تمہارے یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری تلواروں سے جلدی جہنم میں پہنچاتا ہے اور ہماری تلواروں سے تم کو جنت میں جلد پہنچاتا ہے، لہٰذا کیا تم میں کوئی ہے جس کو میری تلوار جنت یا اس کی تلوار مجھے جہنم میں پہنچائے۔ اس کی یہ للکار سن کر سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور چشم زدن میں شیر کی طرح جست لگا کر اونٹ پر جا چڑھے اور اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر کود گئے اور اسے ذبح کر دیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرط مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی حوصلہ افزائی اور تحسین فرمائی اور فرمایا: ”ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔“ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۴۷، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۰)

تھوڑی دیر کے بعد کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ نے قریش کا علم اٹھایا، لیکن اس کو بھی سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے قتل کر کے جہنم رسید کر دیا۔ اس روز خاص طلحہ بن ابی طلحہ کے گھر کے چھ افراد قتل ہوئے۔

جنگ کے آخر میں جب مسلمانوں کی یہ فتح شکست میں تبدیل ہو رہی تھی اور کافروں نے پیچھے سے حملہ کر کے سرکار دو عالم ﷺ کو اپنے گھیرے میں لینے کی کوشش کی اور اس اچانک حملہ کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منتشر ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آواز دی ”الی عبداللہ“ (اللہ کے بندو! ادھر میری طرف آؤ) اس وقت تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے۔ (ابن جریر بحوالہ البدایہ والنہایہ: ۴/۲۳) لیکن جب دشمن کا دباؤ بڑھا تو اس ریلے میں یہ حضرات بھی جدا ہو گئے اور ایک درجن یا اس سے بھی کم حضرات آپ کے ساتھ رہ گئے۔ دشمن کا سارا زور اب آپ کی طرف تھا۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس مرکز رحمت و رافت سے قریب ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کے ساتھ گیارہ انصار

Marfat.com

اور ایک مہاجر (طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ) باقی رہ گئے۔ ابن سعد نے چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام دیے ہیں جن میں سات مہاجر اور سات انصار تھے۔ مہاجرین میں ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوام، ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم تھے۔ غرض کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اس وقت بھی جب غازیان اسلام کے پاؤں متزلزل ہو گئے، شمع نبوت کے گرد پروانہ وار پھر رہے تھے اور یہ جان نثار نبوت اس وقت بھی اپنی جانثاری کا فریضہ ادا کر رہا تھا۔ (زرقانی: ۵۲/۲)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا قرآن حکیم کی آیت کے مطابق ''جو لوگ زخمی ہوئے بعدازاں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانا، ان میں نیک اور متقی ہیں انہیں ثواب عظیم ملے گا۔ اپنے بھانجے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرماتی ہیں: میرے بھانجے! تیرے والد زبیر رضی اللہ عنہ اور (تیرے نانا) ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ اُحد میں جو صدمہ پہنچنا تھا وہ پہنچ چکا اور مشرک مکے کی طرف واپس ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں مشرک پھر نہ لوٹ کر آ جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: کون کفار کا تعاقب کرتا ہے؟ چنانچہ یہ فرمان نبوی سن کر ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے فرمان کو قبول کیا، ان حضرات میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

جب یہ حضرات حمراء الاسد جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، پہنچے تو مشرک ان کو دیکھ کر ڈر گئے کہ ابھی مسلمانوں میں اتنی قوت و طاقت ہے کہ وہ ہمارے تعاقب میں آئے ہیں۔ چنانچہ قریش ڈر کر بگٹٹ مکہ کی طرف بھاگے اور واپس لوٹنے کا نام تک نہ لیا۔

(بخاری، حدیث: ۴۰۷۷، مسلم، حدیث: ۲۴۱۸، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۲۴، طبقات ابن سعد: ۷۳/۳، مسند حمیدی، حدیث: ۲۶۳، مستدرک حاکم: ۳۶۳/۳)

غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنی قریظہ

مدینہ کی اسلامی اسٹیٹ میں امن و سکون کی فضا دشمنان اسلام کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ ہر طرح کی ناکامی کے باوجود نہ یہود کو چین آیا اور نہ ہی قریش امن و چین سے بیٹھے۔ یہ دونوں گروہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح مدینہ کی اسلامی ریاست کو تباہ و برباد کر دیا

Marfat.com

جائے۔ چنانچہ شوال سنہ ۵ ھ کو مشرکین اور یہودیوں کی مشترکہ پلاننگ سے دس ہزار کے مجموعی لشکر نے ایک طے شدہ پروگرام کے تحت مدینہ کی اسلامی ریاست کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے مدینہ کا رخ کیا۔ یہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ مسلمانوں نے اس سے قبل اتنا لشکر نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی ان کے وہم وگمان میں تھا کہ عرب کے قبائل اس طرح متحدہ محاذ بنا کر ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔

مشرکین اور یہود کی اس مشترکہ پلاننگ سے مدینہ کی بیدار مغز اور چوکس قیادت غافل نہ تھی۔ ان کی انگلیاں ہمیشہ حالات کی نبض پر رہتی تھیں اور حالات کے ہر قسم کے نشیب و فراز سے نمٹنے کے لیے مناسب ترین قدم اٹھاتی تھی۔ چنانچہ آپ کو جب اس لشکر کی حرکت کی اطلاع ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تجویز کے مطابق مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کی حدود خود قائم فرمائیں اور خط کھینچ کر دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرما دی۔ خندق اس قدر گہری کھودی گئی کہ نیچے سے تری نکل آئی اور جلدی اتنی کھودی گئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چھ روز میں خندق کھود کر فارغ ہو گئے۔

(فتح الباری: ۳۰۵/۷، طبقات ابن سعد: ۳۸/۲)

اس لیے اس جنگ کے دو نام ہیں۔ جنگ احزاب اور جنگ خندق۔ اس جنگ میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اس حصہ پر مامور تھے جہاں عورتیں تھیں۔ (مسند امام احمد بن حنبل: ۱۶۴/۱)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے جنگ خندق میں عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ کے خود پر تلوار کا وار کیا جس نے اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیے۔ دیکھنے والوں نے کہا: کیا اچھی تلوار ہے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا مطلب یہ تھا کہ یہ تلوار کا کمال نہیں بلکہ اس ہاتھ کا کمال ہے جس میں یہ تلوار پکڑی ہوئی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۵۱/۱)

اگرچہ بنو قریظہ اور مسلمانوں کے درمیان معاہدہ تھا لیکن قریش مکہ کے اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر انہیں مسلمانوں کی شکست کا یقین ہو گیا اس لیے انہوں نے اس معاہدہ کو توڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کے لیے کسی کو بھیجنا چاہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: کون اس قوم کی خبر لائے گا؟'' سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے ہر مرتبہ آگے بڑھ کر عرض کی کہ ''میں، یا رسول اللہ!'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا:

لكل نبي حواري، و حواري الزبير

Marfat.com

”ہر نبی کے لیے ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔“

(مسند احمد: ۳/۳۰۷-۳۱۴-۳۳۸- ۳۶۵، بخاری، حدیث: ۳۷۱۹، مسلم، حدیث: ۲۴۱۵، ترمذی، حدیث: ۳۷۴۵، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۲۲، معجم کبیر طبرانی، حدیث: ۲۲۷، طبقات ابن سعد: ۳/۷۴، مسند حمیدی، حدیث: ۱۲۳۱)

ایک اور روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

لكل نبي حواري، وحواري الزبير وابن عمتي۔

”ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے اور میری پھوپھی کا بیٹا بھی ہے۔“ (طبقات ابن سعد: ۳/۷۷، مستدرک حاکم: ۳/۳۶۲، وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

اس نازک اور خوفناک وقت میں اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال کر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا اس طرح بے خطرا کیلے آمد ورفت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس جانبازی، بہادری اور جان نثاری سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فرمایا:

فداك ابي وامي۔

”یعنی میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔“

(مسند امام احمد بن حنبل: ۱/۱۶۴، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۲۳، بخاری، باب مناقب زبیر رضی اللہ عنہ الاستیعاب: ۳/۳۱۴، الاصابہ: ۴/۸)

اس بارے میں ایک اور روایت سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے اپنے ابا سے کہا: میں نے جنگ خندق میں آپ کو ایک سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار دیکھا تھا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! واقعی تم نے دیکھا تھا؟ کہا: ہاں۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹا! اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اپنے والدین کو جمع فرما دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

ارم فداك ابي وامي۔

”میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، تیر چلاؤ۔“ رجالہ ثقات۔

یہی الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے

Marfat.com

میں فرمائے تھے، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سعد رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کے لیے "فداك ابی وامی" کے الفاظ نہیں سنے، لیکن دوسری روایات میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی نسبت بھی یہی الفاظ آئے ہیں۔ البتہ محدثین کا یہ فیصلہ ہے کہ غزوۂ احد میں یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہے تھے۔ (فتح الباری، مناقب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)

بیعت رضوان میں بھی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ موجود تھے جس میں چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سرٹیفکیٹ ملا تھا جو آج تک قرآن حکیم میں یاد کیا جاتا ہے۔

غزوۂ خیبر

غزوہ خیبر میں بھی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہادری اور جانبازی کے جوہر دکھائے اور جب قلعہ ناعم کی فتح میں مرحب یہودی قتل ہوا تو اس کا بھائی یاسر غضب ناک ہو کر میدان میں آیا۔ اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس کا جواں مردی سے مقابلہ کیا۔ وہ اس قدر تنومند، قوی ہیکل اور لحیم وشحیم تھا کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بیٹے کا مارے جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی: ''یا رسول اللہ! میرا لخت جگر آج جام شہادت نوش کرے گا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ زبیر رضی اللہ عنہ اس کو قتل کرے گا۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ تھوڑے سے مقابلہ کے بعد سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے یاسر کو قتل کر کے واصل جہنم کیا۔

فتح مکہ

قرارداد حدیبیہ کی مدت دس سال تھی۔ اس معاہدہ سے فریقین ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے۔ لیکن قریش نے جلد ہی اس معاہدہ کی دھجیاں بکھیر دیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کرنے کا عزم صمیم فرما لیا لیکن اس کی تشہیر کو مناسب نہ سمجھا بلکہ پوری رازداری کے ساتھ تیاری کی گئی اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ اہل مکہ کو اس بارے میں کوئی خبر نہ پہنچنے پائے۔

ایک طرف اس معاملہ کو نہایت رازداری میں رکھا گیا، دوسری طرف اصحاب بدر میں

Marfat.com

سے ایک شخص حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک رقعہ لکھ کر ایک عورت کو دیا اور اسے کچھ معاوضہ دے کر یہ کہا کہ اس رقعہ کو قریش تک پہنچا دو۔ چنانچہ وہ سر کی چوٹی میں رقعہ چھپا کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئی۔

لسان نبوت سے حکم صادر ہوا کہ علی، زبیر اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم خاج کے باغ میں فوری پہنچیں۔ وہاں ایک شتر سوار عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہوگا وہ خط چھین لائیں۔ چنانچہ ارشاد گرامی کی فوری تعمیل ہوئی۔ خاج کا باغ مدینہ طیبہ سے بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ تینوں حضرات گھوڑے دوڑاتے اسی وقت خاج کے باغ میں پہنچے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشاندہی کے مطابق ایک عورت ملی۔ اونٹ بٹھلا کر اس کی تلاشی لی گئی لیکن کہیں خط نہ ملا۔ یہ تینوں حضرات پریشان ہو گئے لیکن پھر کہا: خدا کی قسم اللہ کا رسول کبھی غلط نہیں کہہ سکتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے فرمایا: ''میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ بولا اور نہ ہی ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ خط تمہارے پاس موجود ہے۔ یا تو تم خود خط نکال کر ہمیں دے دو ورنہ اگر تمہیں ننگا کر کے بھی تمہاری تلاشی لینی پڑی تو ہم اس سے بھی نہیں چوکیں گے۔'' جب اس عورت نے ان کی پختگی دیکھی تو کہا کہ اچھا تم منہ پھیرو۔ انہوں نے منہ پھیرا تو اس نے اپنی چوٹی میں سے وہ خط نکالا اور ان کے حوالے کر دیا اور یہ حضرات خط لے کر بارگاہ نبوت میں پہنچے اور عورت کو بھی ساتھ لے آئے۔ خط پڑھا گیا۔ حاطب بن ابی بلعتہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف بھی حاصل کر چکے تھے۔ یہ خط ان کی طرف سے چند رؤسائے قریش کے نام تھا جس میں صرف ایک اطلاع تھی کہ اہل مکہ تم پر عنقریب حملہ ہونے والا ہے اور کوئی خاص اطلاع نہ تھی۔ لیکن جب امیر لشکر صلی اللہ علیہ وسلم اس حملہ کو مخفی رکھنا چاہتے تھے تو حاطب رضی اللہ عنہ کا انہیں خبر دینا عسکری اصولوں کے خلاف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین رحمت پر کوئی شکن نہیں تھی۔ نہایت تحمل اور بردباری سے ارشاد فرمایا: ''حاطب یہ کیا ہے؟'' حاطب رضی اللہ عنہ نے نہایت عاجزانہ طور پر عرض کی: ''یا رسول اللہ! میرے اعزاء واقرباء جو مکہ میں مقیم ہیں وہ بے یار و مددگار ہیں۔ ان کا کوئی رشتہ دار مکہ میں نہیں ہے۔ قریش سے ان کی کوئی رشتہ داری نہیں۔ مجھے خیال آیا کہ میں قریش پر کوئی احسان کروں تاکہ مشکل وقت میں وہ میرے رشتہ داروں اور اہل و عیال کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔ خدا جانتا ہے کہ مجھ میں نہ کفر ہے نہ نفاق اور نہ ہی عظمت اسلام کے اعتراف میں انحراف۔ صرف اتنی

Marfat.com

سی بات تھی جس کے لیے یہ حرکت کر بیٹھا۔"

سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کا یہ عذر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ قصور معاف فرما دیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی: ۲/۲۹۸، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۸۴، فتح الباری: ۷/۵۲۱)

رمضان سنہ ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار قدوسیوں کی معیت میں مکہ کا ارادہ فرمایا اور مکہ کے قریب مرالظہران میں پڑاؤ ڈالا۔ یہاں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے رئیس قریش ابوسفیان کو ایک پہاڑی پر لے جا کر کھڑا کیا تا کہ وہ لشکر اسلام کی شان وشوکت کو بخوبی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ ابوسفیان نے سرزمین عرب میں ایسا نظام اس سے قبل نہیں دیکھا تھا۔ وہ خدا پرست اور خداشناس مجاہدین کا یہ لشکر جرار دیکھ کر نہایت متاثر ہوا کہ کس شان وشوکت کے ساتھ وہ گزر رہے ہیں۔ آٹھ سال قبل تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے اس شہر سے نکالا تھا۔ ان کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا لیکن آج وہی شخص بایں شکوہ وجلال ایک بھاری جمعیت کے ساتھ اسی شہر میں داخل ہو رہا ہے۔ چنانچہ ابو سفیان نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا:

یا ابا الفضل! لقد اصبح ملك ابن اخيك اليوم عظماً۔

"ابوالفضل! تمہارے بھائی کے بیٹے کی سلطنت بہت عظیم ہو گئی ہے۔"

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فوراً ٹوکا، یہ سلطنت نہیں نبوت ہے یعنی سیاست اقتدار اور جبر وقہر نے یہ نظام قائم نہیں کیا جو سلطنت کی خصوصیت ہے بلکہ پیغمبرانہ صداقت، دیانت وامانت اور اعلیٰ اخلاق نے دلوں کو رام کیا ہے۔ ابوسفیان پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا اسلامی لشکر کے دستوں کو دیکھ رہا تھا اور یہ خدائی فوج ایک نرالی شان کے ساتھ ان کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ سب سے پہلے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سپاہیوں کا دستہ گزرا۔ پھر بعد میں مختلف قبائل کے دستے گزرتے رہے اور ابوسفیان ان کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ پھر آخر میں کوکبۂ نبوی ظاہری اور باطنی شکوہ وجلال کے ساتھ مہاجرین وانصار کے مسلح اور زرہ پوش گروہ کے درمیان جلوۂ افروز ہوا۔ مہاجرین کا علم سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور انصار کا علم سیدنا سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

مدینہ میں بھی جب آپ داخل ہوئے تو سب سے چھوٹا اور آخری دستہ وہ تھا جس میں خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور اس کے علم بردار سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے۔

(بخاری، باب غزوہ الفتح)

Marfat.com

ایک روایت یہ بھی ہے کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ایک جھنڈا عطا فرمایا جب کہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو دو جھنڈے عطا فرمائے۔

فدخل الزبير مكة بلواء ين۔

''پس زبیر رضی اللہ عنہ مکہ میں دو جھنڈوں کے ساتھ داخل ہوئے۔''

(سیر اعلام النبلاء: ۵۱/۱، مجمع الزوائد: ۱۶۹/۶، مطالب عالیہ لابن حجر، حدیث: ۴۳۵۷)

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو ہر جانب سکون و اطمینان کی باد بہاری چلنے لگی اور ہر شخص مطمئن ہو گیا تو سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑوں پر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر ان کے چہروں سے گرد و غبار کو صاف کیا اور فرمایا: میں نے گھوڑے کے لیے دو حصے اور سوار کے لیے ایک حصہ مقرر کیا ہے جو ان حصوں میں کمی کرے گا حق تعالیٰ شانہ اس کو نقصان پہنچائے گا۔''

(طبقات ابن سعد: ۷۳/۳)

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں بھی آپ شریک ہوئے۔ روایات میں ہے کہ غزوۂ حنین میں کافر کمین گاہوں میں چھپے ہوئے مسلمانوں کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔ جب سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اس گھاٹی کے قریب پہنچے تو ایک شخص نے اپنے ساتھیوں کو بلند آواز سے کہا: ''لات و عزیٰ کی قسم! یہ طویل القامت سوار یقیناً زبیر ہے۔ تیار ہو جاؤ اس کا حملہ نہایت خطرناک ہوتا ہے۔'' یہ جملہ ابھی ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست جمعیت نے اچانک حملہ کر دیا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے نہایت چابکدستی اور پھرتی کے ساتھ ان کے حملہ کو روکا اور اس قدر شجاعت اور دلیری سے لڑے کہ جلد ہی اس گھاٹی کو دشمنوں سے بالکل صاف کر دیا۔

غزوۂ حنین کے بعد طائف کی جنگ اور غزوۂ تبوک میں بھی برابر شریک رہے۔ پھر سنہ ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اس وقت بھی آپ کے ہم رکاب تھے۔ حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کو رسول اللہ ﷺ نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو انتقال فرمایا تو جہاں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی جانشین رسول کے ہاتھ پر بیعت فرمائی۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قریباً سوا دو برس امور خلافت کو انجام دیا۔ اس عرصہ میں سیدنا

Marfat.com

زبیر رضی اللہ عنہ مدینہ ہی میں رہے اور بعض معاملات میں جب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو مشورہ کی ضرورت ہوتی تو انہیں مشورہ دیتے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال نے طبیعت کو افسردہ کر دیا تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے خلیفہ اول کے عہد میں بیرون عرب عراق و شام میں جو فتوحات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، اس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اور سلطنت کے دوسرے شہروں میں جوش و جذبہ پھیلا کر اور زیادہ وسیع کر دیا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، جانباز، بہادر اور ایک مارشل آدمی تھے۔ مدینہ کی پُر امن فضا میں ان کے لیے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرح رہنا مشکل تھا، لہٰذا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر شامی محاذ پر تشریف لے گئے۔ اس وقت یرموک کی جنگ میں شام کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو رہا تھا۔ اس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کے کئی لشکر اکٹھے ہوئے تھے لیکن اسلامی لشکر کی کل تعداد پھر بھی ۲۵ ہزار تھی۔ (بلاذری نے ۲۵ ہزار، طبری نے ۳۶ ہزار اور ابن اثیر نے ۵۰ ہزار بتائی ہے) لیکن رومیوں کی تعداد دو لاکھ کے قریب تھی۔ جن میں ۴۰ ہزار سپاہی زنجیروں میں باندھ کر کھڑے کیے گئے تھے تاکہ جان دینے کے سوا قدم پیچھے ہٹانے کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ آئے۔ لشکر اسلام کے سپریم کمانڈر اس جنگ میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے نئے ڈھنگ سے فوج کو میدان جنگ میں اتارا۔ جب وہ اسلامی لشکر کی صف آرائی کر رہے تھے تو کسی شخص کے منہ سے نکل گیا کہ "رومی کتنے زیادہ اور مسلمان کتنے کم ہیں۔" سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا:

"مسلمان کتنے زیادہ اور بازنطینی کتنے کم ہیں۔ مسلمانو! یاد رکھو فوجیں تعداد کی کثرت سے نہیں ہمت و جرأت کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوتی ہیں۔ خدا کی مدد ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی ہے جو بہادر اور جرأت مند ہوتا ہے۔ الحمدللہ ہم بہادر بھی ہیں اور جرأت مند بھی ہیں اور صاحب ایمان بھی، ہم سے کون مقابلہ کرے گا۔"

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی اس جنگ میں شرکت فرمائی۔ جنگ کے دوران ایک روز شدت کا رن پڑا۔ اثنائے جنگ میں لوگوں نے کہا کہ اگر آپ حملہ کر کے غنیم کے قلب میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کا ساتھ دیں گے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم لوگ میرا ساتھ نہیں دے سکتے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم پکا عہد کرتے ہیں کہ آپ کا ضرور ساتھ دیں گے۔ لوگوں کی اس یقین دہانی پر غنیم پر اس زور سے حملہ کیا کہ رومی فوج کے قلب کو چیرتے ہوئے اس پار سے اس

Marfat.com

پار چلے گئے اور کوئی شخص ان کا ساتھ نہ دے سکا۔ پھر جب واپس لوٹے تو رومیوں نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور نرغہ کر کے سخت زخمی کر دیا۔ گردن پر دو زخم اس قدر کاری تھی کہ مندمل ہونے کے بعد بھی ان میں گڑھے پڑ گئے اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم بدر اور یرموک کے زخموں کے گڑھوں میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ آپ نے اس جنگ میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیے۔

جنگ ختم ہوئی تو رومی ایک لاکھ سے زائد مرے ہوئے میدان اور اس کے اردگرد کی خندقوں میں پڑے تھے اور مسلمان تین ہزار جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔ میدان اہل اسلام کے ہاتھ رہا اور اس معرکہ میں رومیوں کی شکست نے ان کی قوت کو ہمیشہ کے لیے پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

فسطاط کی فتح

جنگ یرموک کی فتح کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے دل میں مصر کی فتح کا خیال انگڑائیاں لینے لگا۔ اس بات کا ذکر انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی کیا لیکن انہوں نے فوری طور پر اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ بعد میں آپ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی تجاویز اور ان کے دلائل پر غور کیا اور اصحاب الرائے سے مشورہ کے بعد انہوں نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''لوگوں کو مصر چلنے کی دعوت دو اور جو تیار ہوں انہیں ساتھ لے کر مصر روانہ ہو جاؤ۔''

اس حکم کی تعمیل میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ عریش روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ اس وقت چار ہزار جانباز تھے۔ جب عریش پہنچے تو دیکھا کہ وہاں رومیوں کی کوئی فوج نہیں۔ وہ پہلے ہی فولاد شکن ارادے کے ساتھ مصر میں داخل ہوئے تھے اس لیے اب ان کے ارادہ میں اور پختگی اور مضبوطی پیدا ہو گئی۔ لیکن ایک موقع ایسا آیا کہ انہیں کمک کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ انہوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو کمک بھیجنے کے لیے لکھا۔ آپ نے آٹھ ہزار افراد پر مشتمل امدادی فوج بھیجی۔ اس کی قیادت سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی اور سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اور سیدنا مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور جانباز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں موجود تھے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے آنے سے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بہت تقویت پہنچی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد سیدنا

Marfat.com

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔ ان کا شمار عرب کے گنے چنے بہادروں میں ہوتا تھا۔ حربی فنون میں ان کا جواب نہیں تھا۔ مختلف غزوات میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا حواری فرمایا تھا۔ اخلاق نہایت بلند تھا۔ ان سے جو ملتا بس انہی کا ہو جاتا۔ جو فوج ان کی قیادت میں جاتی ان کے حسن سلوک سے بس انہی کا دم بھرتی تھی۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کو عبور کر کے عین شمس کا رخ کیا اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج سے جا ملے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عین شمس کے کھنڈرات میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت آئی ہوئی فوج کے ساتھ پڑاؤ ڈالا کیونکہ یہ جگہ دفاعی لحاظ سے نہایت اعلیٰ تھی۔ اب جو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کی طرف نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ ساڑھے پندرہ ہزار مجاہدین ان کے گرد و پیش ہیں۔ ان کو بہت اطمینان ہوا اور سمجھ لیا کہ ان کے اور رومیوں کے درمیان فیصلہ کن گھڑی آ پہنچی ہے۔ چنانچہ انہوں نے جنگی معاملات میں بصیرت رکھنے والے حضرات کو اکٹھا کیا اور ان کے مشورے سے لڑائی کا پروگرام بنایا۔

اس فوج نے عین شمس وغیرہ کو فتح کر کے قلعہ بابلیون کا محاصرہ کر لیا۔ یہ قلعہ رومیوں کا سب سے مضبوط قلعہ تھا اور وہ اسے ناقابل تسخیر (Invincible) کہتے تھے۔ اس کی فصیلیں ساٹھ قدم اونچی اور اٹھارہ قدم چوڑی تھیں اور اس کے محلات فصیلوں سے بھی زیادہ بلند و بالا تھے۔ دریائے نیل قلعہ کے بڑے دروازے تک پہنچتا تھا۔ یہ بڑا دروازہ لوہے کا بنا ہوا تھا۔ قلعہ کے اندر کنویں کھدے ہوئے تھے اور قلعہ کو ایک خندق نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اسلامی لشکر کو قلعہ کی مضبوطی کا بخوبی علم تھا لیکن انہیں یہ بھی علم تھا کہ اگر کچھ دن یا کچھ ہفتے قلعہ کے محافظین کو امداد نہ پہنچی تو ان کی معنوی قوت کمزور ہو جائے گی اور ان کی ہوا اکھڑ جائے گی، ہمتیں جواب دے جائیں گی اور ارادے مضمحل ہو جائیں گے۔

روایات میں ہے کہ محاصرے کے آغاز میں مقوقش شاہ مصر قلعے میں موجود تھا لیکن یہ قیصر روم کا باج گزار تھا۔ اس نے مسلمانوں سے صلح کی کوشش کی لیکن اس کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ محاصرہ کو سات مہینے ہو گئے۔ مسلمان اس محاصرہ سے تنگ آ گئے یہاں تک کہ انہیں اپنی زندگی اور اپنا وجود دونوں بے حقیقت نظر آنے لگے۔ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے جو سب سے زیادہ جری اور جذبہ سرفروشی سے سرشار تھے، حاضرین سے فرمایا: ”میں اپنی جان اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربان

Marfat.com

کرنا چاہتا ہوں اور میری یہ تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس قربانی کو مسلمانوں کی فتح کا باعث بنائے۔'' وہ ایک دستہ کے ساتھ رات کی تاریکی میں فصیل کے ساتھ سیڑھی لگا کر اس پر چڑھ گئے اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ جب میں تکبیر کہوں تو تم اسے دہراتے ہوئے اوپر چڑھ آنا۔ چنانچہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی رات کی تاریکی میں فصیل پر چڑھ گئے اور سب نے مل کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ جو مسلمان قلعہ کے باہر تھے انہوں نے بھی یہ نعرہ دہرایا۔ رومیوں کے کانوں میں یہ آواز اتنے زور سے پہنچی کہ انہیں یقین ہو گیا کہ عرب قلعہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور باہر کی فوج نے اندر داخل ہو کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ رومیوں نے ۶/اپریل ۶۴۱ء کو قلعہ خالی کیا اور اپنی اس شکست کی پاداش میں مصریوں پر بہت مظالم ڈھائے۔ رومیوں کے جانے کے بعد مسلمانوں کا قلعہ پر مکمل قبضہ ہو گیا اور مصر کی فتح کا پہلا مرحلہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس شہر کا نام جس کو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا بابلیون کے بجائے فسطاط ہے۔ (فتوح البلدان: ص ۲۳۰)

سنہ ۲۱ھ میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ راستہ میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں انہوں نے مزاحمت کرنا چاہی لیکن شکست ان کے مقدر میں تھی لہٰذا شکست سے دوچار ہوئے۔ آخر اسکندریہ کے باہر ان کی فوجیں رک گئیں کیونکہ شہر کی بلند و بالا فصیلوں نے مزاحمت کی۔ فوج میں اسکندریہ کو فتح کرنے کا ایک عجیب جوش اور ولولہ تھا۔ مسلمانوں نے اگرچہ اپنے سپہ سالار سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل میں شہر کی فصیلوں اور برجوں پر حملہ کر دیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ شہر کی فصیل نہایت مضبوط اور مستحکم تھی اور رومی فصیلوں سے اپنی منجنیقوں سے بڑے بھاری پتھر برسا رہے تھے۔ اسکندریہ کے پچاس ہزار محافظ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ اگر انہیں یہاں شکست ہو گئی تو مصر میں رومی حکومت کا بالکل ہی خاتمہ ہو جائے گا۔

مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کیا ہوا تھا لیکن کچھ روز کے بعد انہوں نے سوچا کہ اگر وہ اسی طرح رومیوں کے باہر نکل کر لڑنے کے انتظار میں پڑے رہے تو یہ بات ان کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس سے مجاہدین کے ارادے مضمحل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ان کی قوت فکر نے ان کو ایک ایسی راہ دکھائی جس سے دو مقصد حاصل ہو سکتے تھے۔ ان کی فوج بھی نہ اکتائے اور دشمن کے حوصلے بھی پست ہو جائیں۔ وہ یہ کہ انہوں نے ڈیلٹا کے شہروں کی طرف فوجی دستے روانہ کیے

Marfat.com

جنہوں نے وہاں سے رومیوں کو بھگانا شروع کر دیا اور خود فوج کی اکثریت کے ساتھ اسکندریہ کا محاصرہ جاری رکھا لیکن محاصرہ طویل سے طویل تر ہوتا گیا اور مہینوں پر مہینے گزرتے گئے۔

محاصرہ کی طوالت سے مسلمان پریشان ہو گئے۔ دوسری طرف مدینہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مصر کی خبروں کے منتظر تھے خصوصاً اسکندریہ کی فتح کا انہیں شدید انتظار تھا لیکن کئی ماہ سے اسکندریہ کی کوئی خبر انہیں نہ ملی، اس لیے وہ پریشان تھے کہ مصر کی اسلامی فوج وہ ہے جو بڑے بڑے مستحکم قلعوں کو فتح کر چکی ہے۔ جب انہوں نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے تین صحابہ کے ساتھ مصر کمک بھیجی تھی تو انہوں نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تھا کہ یہ افسر سیدنا زبیر بن عوام، سیدنا عبادہ بن صامت، سیدنا مقداد بن اسود اور سیدنا مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہم ایک ایک ہزار سوار کے برابر ہیں، لیکن ان افسروں نے بھی اسکندریہ کے بارے میں کچھ نہیں کیا۔ میں نے ان کی کمک بھیجنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، پھر یہ کیا بات ہے کہ یہ لوگ قلعہ کی فصیلوں کے سامنے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔ شاید سرزمین مصر انہیں پسند آ گئی ہے اور وہ اس کو اپنی منزل سمجھ کر آگے بڑھنے سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ یہ سب اندیشے بھی ان کے دل و دماغ میں کروٹیں لے رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک بڑا سخت خط سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا۔

جونہی یہ خط سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو موصول ہوا تو وہ اسکندریہ کی فتح کا منصوبہ بنانے لگے۔ چنانچہ اسی وقت انہوں نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ (ایک روایت کے مطابق مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ) اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں علم دے کر اسکندریہ پر حملہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اسی روز اسکندریہ کو فتح کروا دیا۔ مسلمان فوج جب شہر میں داخل ہوئی تو اس کے کوچہ و بازار کو دیکھ کر عرب حیران رہ گئے۔ شہر کی فصیلیں اور عالی شان عمارتیں ان کے لیے حیرت کا باعث بن گئیں۔ انہوں نے اسکندریہ میں وہ کچھ دیکھا جس کی نظیر شام اور عراق میں نہیں ملتی تھی۔

مفتوحہ ممالک میں اراضی کی تقسیم کا مطالبہ

مصر جب مکمل طور پر فتح ہو گیا تو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے سپہ سالار فوج سیدنا عمرو بن العاص سے مفتوحہ اراضی کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور مثال میں یہ کہا کہ جس طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی مفتوحہ اراضی کو مجاہدین میں تقسیم فرما دیا تھا اسی طرح آپ کو بھی تمام مفتوحہ اراضی کو تقسیم کر دینا

Marfat.com

چاہیے۔سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مطالبہ کے جواب میں کہا کہ واللہ! میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مفتوحہ اراضی کی تقسیم کے پہلے ہی مخالف تھے اس لیے انہوں نے جواب دیا کہ اس کو اسی طرح رہنے دینا چاہیے تاکہ آنے والی نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھاتی رہیں۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے جواب سے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو مطلع فرمادیا۔سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کو سن کر خاموش ہو گئے کیونکہ ان کے ذہن نے بھی اس کی مصلحت کو سمجھ لیا۔لہٰذا اس کے بعد پھر انہوں نے یہ مطالبہ نہ کیا۔(مسند احمد:۱۶۶/۱)

شہادت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

۲۶/ذی الحجہ سنہ ۲۳ بدھ کے روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز فجر پڑھانے کے لیے کاشانہ خلافت سے نکلے اور مسجد میں امامت کے مصلیٰ پر کھڑے ہوئے۔اس وقت صبح کی سفیدی پوری طرح نمایاں نہیں ہوئی تھی۔ جونہی آپ نے تکبیر تحریمہ کہی ایک شخص اچانک آگے بڑھا اور اپنے دو دھارے خنجر سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ پر تین یا چھ وار کیے جن میں سے ایک زیر ناف تھا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے۔قاتل نے اسی خنجر سے خودکشی کر کے ہمیشہ کے لیے اپنے آپ کو ختم کر لیا۔یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے مدینہ میں پھیل گئی اور ہر شخص اس حادثہ کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ادھر ادھر دوڑنے لگا کہ اتنا بڑا حادثہ کیسے ہو گیا؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کاشانہ خلافت میں بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ارباب حل وعقد اس ناگہانی مصیبت کے متعلق ان سے گفتگو کر رہے تھے جو مسلمانوں کے اس عظمت مآب خلیفہ کی وفات کے بعد خطرناک نتائج کا سبب بن سکتی تھی۔قریباً ۳۱/لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی اس سلطنت کا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کون جانشین ہوگا، یہ مسئلہ اس وقت ہر شخص کی توجہ کا مرکز تھا۔خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اس بارے میں سخت پریشان تھے۔بعض نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرح خلیفہ نامزد کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے اس بارے میں فرمایا:

''تمہارے لیے یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں، اور وہ علی، عثمان، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن

Marfat.com

عوام اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ان میں سے ایک آدمی کو منتخب کر لو۔جب وہ آپس میں سے ایک کو خلیفہ بنالیں تو پھر اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرو۔'' (طبری: ۲۹۳/۳)

خلافت عثمانی اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مجلس مشاورت کا اجلاس منعقد ہوا۔سب کی رائے یہ تھی کہ معاملہ کو مختصر کیا جائے کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فتح کردہ اتنی طویل وعریض سلطنت کو کسی خلیفہ کے بغیر زیادہ دن نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔چنانچہ سیدنا زبیر، سیدنا علی کے حق میں، سیدنا طلحہ سیدنا عثمان کے حق میں اور سیدنا سعد بن ابی وقاص سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم کے حق میں دست بردار ہو گئے۔بعد میں سیدنا عبدالرحمٰن، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کے حق میں دست بردار ہو گئے۔پھر سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اہل شوریٰ اور ان کے ماسوا جس کسی سے سوال ممکن تھا پوچھا تو ہر ایک نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا۔چنانچہ انہوں نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا اور ہر ایک نے بلا اختلاف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔

(البدایہ والنہایہ: ۱۴۵/۷-۱۴۶)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے نہایت سکون اور خاموشی کی زندگی بسر کی اور کسی قسم کی ملکی مہم میں شرکت نہیں فرمائی کیونکہ اب آپ کی عمر بھی اس حد سے متجاوز ہو چکی تھی، لیکن سنہ ۳۵ھ میں جب مفسدین اور شورش پسندوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کیا تو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بڑے صاحبزادے کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صاحبزادوں کے ساتھ مامور فرما دیا۔

خلافت علوی اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ

امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد مدینہ منورہ میں ایک عجیب عالم تھا۔ہر طرف گلی کوچوں میں مفسدین دندناتے پھر رہے تھے۔کوئی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے لیکن آپ اس بار گراں کو اٹھانے کے لیے تیار نہ تھے۔ہر شخص دم بخود تھا۔تمام بنو امیہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے طرفدار مکہ اور دوسرے مقامات کی طرف بھاگ رہے تھے۔سبائیوں نے جن میں مصری پیش

Marfat.com

پیش تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مسند نشینی کے بعد بھی مدینہ میں امن و امان اور سکون کی فضا پیدا نہ ہو سکی۔ ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ سبائی اور شورش پسند فتنہ و فساد کے نئے نئے کرشمے دکھاتے رہتے تھے۔ جاہل بدوی جو ایسے موقعوں پر لوٹ مار کرتے تھے، وہ بھی سبائیوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں گروہوں کو مدینہ سے نکالنے کی کوشش کی لیکن ان کی کوشش بار آور نہ ہو سکی۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کوئی معمولی آدمی نہ تھے بلکہ اساطین امت میں سے تھے۔ ہر خلیفہ کے مشیر رہے تھے وہ کب تک اس شورش اور ہنگامہ آرائی بلکہ انارکی کے خاموش تماشائی رہ سکتے تھے۔ وہ چار مہینے خاموشی کے ساتھ سبائیوں کی اس انارکی اور ہنگامہ آرائی کو دیکھتے رہے، لیکن جب دیکھا کہ حالات میں سکون کی کوئی کیفیت پیدا نہیں ہو رہی تو وہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اصلاح اور اقامت حدود کا مطالبہ کیا، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جواب ان دونوں حضرات کو مطمئن نہ کر سکا۔ چنانچہ جب انہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے جواب سے مایوسی ہوئی تو یہ دونوں حضرات مکہ کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ وہاں جا کر خود عملاً اس شورش کو رفع کرنے کی کوئی تدبیر کریں۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسری امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن حج بیت اللہ کے لیے مکہ آئی ہوئی تھیں اور مدینہ کی شورش کا سن کر ابھی تک یہیں مقیم تھیں۔ یہ دونوں حضرات (سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ و طلحہ رضی اللہ عنہ) سب سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں ان الفاظ میں مدینہ کی بدامنی اور شورش کو بیان کیا:

"ہم اعراب (بدوؤں) کے شور و شغب خوف سے مدینہ بھاگ آئے ہیں، اور ہم نے وہاں ایسی حیران قوم کو چھوڑا ہے جو نہ حق کو پہچانتی ہے اور نہ ہی باطل سے احتراز کرتی ہے اور نہ ہی اپنی جانوں کی حفاظت کرتی ہے۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں حضرات سے مدینہ کی شورش کی ساری روئیداد سنی، پھر فرمایا کہ کوئی رائے قائم کر کے اس شورش کو فرو کرنا چاہیے۔ غرض تھوڑی دیر کے بحث و مباحثہ کے بعد علم اصلاح بلند کرنے پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ بنوامیہ کے حضرات بھی جو مدینہ سے بھاگ کر یہاں آئے تھے وہ بھی اس بات پر ان سے متفق ہو گئے۔ اس طرح ایک ہزار اعیان اصلاح کی

Marfat.com

جماعت بصرہ کی طرف روانہ ہوئی تاکہ وہاں اپنی قوت مضبوط کر کے مدینہ کا رخ کرے۔ بصرہ تک پہنچتے پہنچتے ان کی تعداد تین ہزار ہوگئی۔ والی بصرہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے مزاحمت کی۔ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ جب طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں تو پھر انہیں مخالفت بلند کرنے کا کیا استحقاق ہے۔ ان دونوں حضرات کا یہ جواب تھا کہ ہم قہراً اور جبراً شریک بیعت ہوئے اور اگر فرض کرلو کہ یہ بیعت برضا و رغبت تھی تب بھی اس سے مطالبۂ اصلاح کی نفی نہیں ہوتی۔ اس معاملہ نے طول پکڑا۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ ایک شخص تحقیق احوال کے لیے مدینہ روانہ کیا جائے۔ اگر ثابت ہو جائے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ بیعت پر مجبور کیے گئے تھے تو عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ مزاحمت سے باز آجائیں گے ورنہ ان دونوں کو اس جماعت سے کنارہ کش ہونا پڑے گا۔ چنانچہ کعب رضی اللہ عنہ اس کی تحقیق پر مامور ہوئے۔ وہ مدینہ آئے اور جمعہ کے روز مسجد نبوی میں داخل ہوکر حاضرین سے پوچھا:

''اے اہل مدینہ! میں اہل بصرہ کا قاصد بن کر آیا ہوں۔ کیا واقعی اس قوم نے ان دونوں کو علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر مجبور کیا تھا یا وہ برضا و رغبت اس پر تیار ہوئے تھے؟''

مجمع میں تھوڑی دیر خاموشی رہی لیکن سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا۔ وہ بول اٹھے، خدا کی قسم، ان دونوں نے سخت ناپسندیدگی کے ساتھ بیعت کی تھی۔ اس سے ایک ہلچل مچ گئی۔ پھر صہیب بن سنان، ابوایوب اور محمد بن مسلمہ وغیرہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یک زبان ہوکر کہا: ہاں، خدا کی قسم! ''اسامہ رضی اللہ عنہ نے بالکل سچ کہا۔'' یہ سن کر کعب رضی اللہ عنہ بصرہ واپس چلے آئے، لیکن عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ، کعب رضی اللہ عنہ کی تحقیقات کے باوجود اعیان اصلاح کی مزاحمت پر اڑے رہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اولاً تو یہی صحیح نہیں کہ وہ مجبور کیے گئے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے تو قوم و ملک کی بہتری کے لیے ایسا ہونا ضروری تھا اور اگر وہ مجھے معزول کرنا چاہتے ہیں تو ان کے پاس کوئی معقول عذر نہیں اور اگر کچھ اور مقصد ہے تو اس پر غور ہوسکتا ہے۔

اس متحدہ محاذ کا موقف نہایت واضح تھا جس کو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر یوں بیان کیا:

''امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلاسبب مختلف شہروں اور دیہاتوں کے شرپسند عناصر

Marfat.com

نے قتل کر دیا ہے۔ ہمارا مقصد ان قاتلوں کے خلاف کوئی ایسا عمل کرنا ہے تا کہ ان سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لیا جائے کیونکہ ان کو اگر یوں ہی چھوڑ دیا گیا تو اس طرح ہمیشہ خلفاء کی توہین ہوتی رہے گی اور کوئی امام اور خلیفہ اس انجام سے محفوظ نہ سمجھا جائے گا۔'' (طبری: ۴۷۸/۳)

اسی طرح ایک اور موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''مختلف شہروں میں دیہاتوں کے فسادی لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے۔ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے نوعمروں اور نوجوانوں کو گورنر بنانے پر اعتراض کیا حالانکہ ان جیسے لوگوں کو اس سے پہلے بھی حکومت کے منصبوں پر فائز کیا جاتا رہا ہے۔ چراگاہوں پر اعتراض کیا حالانکہ اس میں کوئی معقولیت نہ تھی۔ ان کے لیے جب کوئی بہانہ اور عذر نہ رہا تو انہوں نے اخلاق و شریعت کی تمام حدود کو توڑ کر ایک حرام خون نیز بلند حرام، شہر حرام اور مال حرام کو بھی اپنے لیے حلال کر لیا۔ بخدا! عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک انگلی روئے زمین کے ان جیسے لوگوں سے بہتر ہے۔ پس ان لوگوں کے خلاف جمع ہو جاؤ تا کہ انہیں ایسی عبرتناک سزا دی جائے کہ دوسرے لوگوں کو بھی اس سے عبرت ہو اور آئندہ کسی کو اس طرح کی دیدہ دلیری کرنے کی جرأت نہ ہو۔'' (طبری: ۴۶۸/۳، ابن اثیر: ۲۰۷/۳)

اسی اثناء میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہم بصرہ میں اس مقصد کے لیے پہنچ گئے ہیں تو آپ نے بصرہ کی طرف جانے کا مصمم ارادہ فرما لیا۔ اس سلسلہ میں اہل مدینہ کو اپنے ساتھ تعاون کے لیے کہا لیکن مدینہ والوں کی طرف سے اس بارے میں انہیں کوئی خاطر خواہ جواب نہ ملا۔

مختصر یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ بصرہ کی جانب روانہ ہوئے اور جلد ہی متحدہ محاذ کی فوجوں کے ساتھ جا کر پڑاؤ ڈال دیا۔ خطرہ تھا کہ میدان کارزار گرم ہو جائے۔ دونوں طرف کی یہ خواہش تھی کہ گفت و شنید کے ذریعہ صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ کوفہ کے ایک بزرگ صحابی سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ اہل جمل کے پاس آئے تا کہ صلح کی کوئی صورت پیدا ہو۔ صلح کی صورت پیدا ہونے لگی بلکہ یقین تھا کہ پیدا ہو جائے گی کہ رات کو سبائیوں نے، جو سیدنا

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں تھے، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج پر حملہ کر دیا اور ہر ایک اپنی اپنی مدافعت میں لڑنے لگے اور صلح کا میدان، میدان کارزار میں تبدیل ہو گیا۔

ایک روایت اور اس کا جواب

حاکم نے مستدرک میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جنگ کے دوران سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کارزار میں آئے اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا: ''ابو عبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم علی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے جواب دیا تھا! ہاں، یا رسول اللہ! یاد کرو اس روز تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے۔'' سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں اب مجھے بھی یاد آیا۔'' (مستدرک حاکم: ۳۶۶/۳)

شاید اسی روایت کے سہارے کئی ایک مؤرخین نے بھی اس واقعہ کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یاد دلانے پر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے ہٹ کر چلے گئے اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ آگے کی صفوں سے ہٹ کر پیچھے کی صفوں میں جا کھڑے ہوئے۔ یہ روایت وضعی اور گھڑی ہوئی ہے جس کی کئی وجوہات ہیں:

① غور و فکر کی بات ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عین اس وقت جب دونوں لشکر آپس میں برسر پیکار تھے، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات یاد دلائی اس سے قبل کیوں یاد نہ دلائی؟ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں اس وقت سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو صلح کی شرائط کے لیے تو اصحاب جمل کے پاس بھیج دیا۔ کم از کم انہی سے کہہ دیتے کہ زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ یاد دلانا اور کہنا کہ تم غلط ہو اور میں صحیح راستہ پر ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا، لیکن اس وقت ان کو یہ بات یاد نہ دلائی گئی بلکہ اس وقت یاد دلائی گئی جب میدان کارزار گرم ہو گیا۔ شاید سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پہلے خود بھی یہ بات یاد نہ تھی۔

② دوسری بات یہ ہے کہ اگر عین میدان کارزار میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ بات یاد دلائی گئی تھی اور اس کے یاد دلانے پر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے ہٹ گئے تھے۔ اگر وہ

Marfat.com

واقعی غلطی پر تھے اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ فوراً اس لشکر سے الگ ہو کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو جاتے اور اگر وہ کسی وجہ سے شامل نہیں ہوئے تو کم از کم اپنے ماتحت لڑنے والوں کو اس بات سے آگاہ کرتے کہ وہ غلطی پر ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ حق پر، لہٰذا یا تو تم لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دو یا پھر اصحاب جمل کی امداد و نصرت سے کنارہ کش ہو جاؤ، لیکن تاریخ میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ پوری فوج کے کمانڈر تھے۔ اگر انہیں اپنی غلط روش کا احساس ہو گیا تھا تو انہیں پوری فوج کو لڑنے سے منع کرنا چاہیے تھا۔

روایات میں یہ تو لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یاد دلانے پر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور وہ لڑائی سے ہٹ گئے۔ غلطی کے احساس کا یہ کون سا انداز ہے کہ کمانڈر تو پیچھے ہٹ جائے لیکن فوج لڑتی رہے، لہٰذا اصول درایت کی رو سے یہ روایت بالکل غلط ہے اور اصول روایت کی رو سے بھی اس کے راوی مجروح اور غیر ثقہ ہیں۔

(۳) اس بارے میں تیسری بات یہ ہے کہ مختلف روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے ہٹ کر الگ نہیں ہوئے بلکہ برابر لڑتے رہے جس طرح کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کے دوسرے لوگ لڑتے رہے۔ چنانچہ طبری نے لکھا ہے:

كان القتال يومئذ فى صدر النهار مع طلحة والزبير فانهزم الناس وعائشة توقع الصلح۔

"دن کے اول حصہ میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سے جنگ ہوتی رہی۔ پس لوگ شکست کھا گئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا صلح کی توقع کر رہی تھیں۔ (طبری: ۵۲۹/۴ دار المعارف)

ایسی ہی ایک اور روایت طبری نے جلد ۴، ص ۵۱۴ پر بھی نقل کی ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر طبری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں باقاعدہ لڑتے رہے اور پیچھے نہیں ہٹے بلکہ شہید ہو گئے۔ چنانچہ طبری نے محمد اور طلحہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ دونوں فرماتے ہیں:

لما انهزم الناس فى صدر النهار نادىٰ الزبير انا الزبير الى ايها الناس۔

Marfat.com

"جب دن کے اول حصہ میں لوگ پیچھے ہٹے تو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے آواز دی: میں زبیر ہوں، اے لوگو میری طرف آؤ۔"

شہادت

جنگ زوروں پر تھی کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو روایات کے مطابق عمرو بن جرموز نے نماز میں شہید کیا۔ ابن جرموز حواریٔ رسول کو شہید کرنے کے بعد ان کی تلوار اور زرہ وغیرہ لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت فخر کے ساتھ اپنا یہ کارنامہ بیان کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار پر حسرت کی نظر ڈالتے ہوئے فرمایا:

"اس نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں۔ اے ابن صفیہ کے قاتل! تجھے خوشخبری ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے۔" (مسند احمد: ۸۹/۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا سر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے اعرابی اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ
ان قاتل الزبير فی النار۔

"بے شک زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل جہنم میں ہے۔" (البدایہ والنہایہ: ۲۵۰/۷)

مسند ابی داود طیالسی اور طبقات ابن سعد میں روایت ہے کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل (ابن جرموز) نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! ابن صفیہ کا قاتل ضرور جہنم میں داخل ہوگا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔

(سندہ حسن، وصححہ الحاکم: ۳۶۷/۳، ووافقہ الذہبی، مسند ابی داود طیالسی: ۱۴۵/۲، طبقات ابن سعد: ۷۳/۳)

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے چونسٹھ سال عمر پائی اور سنہ ۳۶ھ میں شہادت سے سرفراز ہو کر وادی السباع میں دفن ہوئے۔ فنور اللہ مرقدہ۔ (طبقات ابن سعد: ۱۱۱/۳، سیر اعلام النبلاء: ۶۱/۱)

Marfat.com

اخلاق وعادات

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی میں اخلاق کا باب نہایت طویل تھا۔ اخلاق کی ہر خوبی اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر رکھی تھی۔ پارسائی، پرہیزگاری، زہد وتقویٰ، حق پسندی، بے نیازی اور سخاوت وایثار آپ کا خاص شیوہ تھا۔ رقت قلب اور عبرت پذیری ان کی زندگی کا جزولاینفک تھی۔ معمولی معمولی واقعات پر ان کے دل میں رقت اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ جسم پر خوف سے رعشہ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿انك ميت وانهم ميتون ثم انكم يوم القيامة عند ربكم تختصمون﴾

تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا قیامت کے روز ہمارے جھگڑے پھر دہرائے جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں، ایک ایک ذرہ کا حساب ہو کر حق دار کو اس کا حق دلایا جائے گا۔ یہ سننا تھا کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کانپ اٹھے، آنکھوں سے خشیت الٰہی سے آنسو جاری ہو گئے۔ اللہ اکبر، کیسا سخت موقع ہوگا۔ (مسند احمد بن حنبل: ۱/۱۶۷)

تقویٰ اور پرہیزگاری کا تعلق قلب سے ہوتا ہے اور نگاہ نبوت کا سب سے پہلا اثر قلب پر ہوتا ہے وہ دلوں کی اجڑی ہوئی بستی کو رونق بخشتی ہے۔ ویسے تو ہر صحابی رسول تقویٰ و پرہیزگاری کا مجسمہ تھا لیکن سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی کا باب اخلاق سب سے زیادہ روشن اور تابناک تھا۔ وہ نہ صرف خود اس کا خیال رکھتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ وہ اپنے غلام ابراہیم کی دادی ام عطاء کے ہاں گئے۔ دیکھا کہ ان کے ہاں ایام تشریق کے بعد بھی قربانی کا گوشت موجود ہے۔ فرمانے لگے: ''ام عطاء! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تین روز سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔'' انہوں نے عرض کی: ''میں کیا کروں کہ لوگوں نے اس قدر گوشت بھیج دیا ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتا۔''

(مسند احمد: ۱/۱۶۶)

مساوات

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو مساوات کا خاص خیال ہوتا تھا۔ چھوٹے بڑے کا ان کے ہاں کوئی

Marfat.com

امتیاز نہیں تھا یہاں تک کہ مسلمان لاشوں میں بھی تفریق اور امتیاز کے قائل نہیں تھے۔ جنگ احد میں آپ کے ماموں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ان کی بہن اور آپ کی والدہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کے لیے دو کپڑے لائیں۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ماموں حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی ہے جو بے گور و کفن پڑی ہے۔ گوارا نہ ہوا کہ ماموں کے کفن کے لیے دو کپڑے ہوں اور انصاری بے کفن ہو۔ تقسیم کے لیے جب دونوں کپڑوں کو ناپا گیا تو وہ چھوٹے بڑے تھے، لہٰذا قرعہ ڈال کر تقسیم کیا گیا تا کہ تقسیم میں کسی قسم کی ترجیح نہ پائی جائے۔ یہ ہے اسلامی مساوات۔ (مسند امام احمد بن حنبل: ۱۶۵/۱)

موت سے بے خوفی

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ایک مجاہد ہونے کے ناطے موت سے بالکل بے خوف تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے پھر آدمی موت سے کیوں ڈرے۔ آپ کی زندگی میں کئی ایسے مواقع آئے جب انہوں نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے باتیں کیں، لیکن بجائے اس بات کے کہ وہ موت سے ڈرتے موت ان سے ڈر گئی۔ جنگ یرموک میں رومیوں کے لشکر کے قلب میں گھس گئے اور اس کو چیرتے ہوئے اس پار سے اس پار نکل گئے۔ ساتھی جو ساتھ دینے کا وعدہ کرتے تھے اپنے وعدہ کو ایفا نہ کر سکے۔ واپسی پر رومیوں نے نرغہ کر کے زخمی بھی کر دیا لیکن موت سے پھر بھی نہ ڈرے۔ اسی طرح اسکندریہ کے محاصرہ میں جب وہ طویل ہو گیا تو چاہا کہ سیڑھی لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں۔ لوگوں نے ڈرایا بھی، موت کا خوف بھی دلایا۔ بعض نے کہا کہ قلعہ میں سخت طاعون پھیلا ہوا ہے۔ جواب میں یہی فرمایا کہ ہم طاعون ہی کے لیے آئے ہیں یعنی موت سے کیا ڈرنا۔ غرض یہ کہ سیڑھیاں لگائیں اور جان کی بازی لگا کر قلعہ پر چڑھ گئے اور قلعہ فتح ہو گیا۔

فیاضی اور سخاوت

فیاضی، سخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ویسے فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ میں ہر صحابی پیش پیش تھا لیکن سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی اس صفت میں ایک خصوصیت تھی۔ آپ کے پاس ایک ہزار غلام تھے۔ وہ روزانہ اجرت پر کام کر کے ایک بہت بڑی رقم لاتے تھے لیکن تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ اس مال میں سے آپ نے ایک حبہ بھی اپنی

Marfat.com

ذات پر اور اپنے اہل وعیال پر کبھی صرف نہ کیا تھا بلکہ جو کچھ آتا وہ اسی وقت اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیا جاتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں آپ چونکہ حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ایک حواری میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں وہ سب آپ کی ذات میں موجود تھیں۔ ان میں فیاضی کی بھی ایک خوبی تھی۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنا مکان چھ لاکھ میں فروخت کیا۔ کسی نے کہا کہ آپ نے زیادہ قیمت لی ہے۔ فرمایا: ہرگز نہیں، اور ساری کی ساری رقم راہ خدا میں تقسیم فرما دی۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱/۵۷)

اور ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے سرکاری خزانہ سے وظیفہ لینا بند کر دیا۔ (معجم کبیر طبرانی، روایت: ۲۴۰، طبقات ابن سعد: ۳/۷۵)

امانت و دیانت

امانت و دیانت ایک مومن کا طرۂ امتیاز ہے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی امانت و دیانت زبان زد عام و خاص تھی۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ انہیں اپنے مرنے کے بعد اپنی اولاد اور مال و متاع کا سرپرست اور محافظ بنانے کی تمنا کیا کرتے تھے۔ مطیع بن الاسود نے انہیں اپنا وصی بنانا چاہا لیکن جب آپ نے انکار فرما دیا تو لجاجت کے لہجے میں کہنے لگے کہ میں آپ کو اللہ، رسول اور قرابت داری کا واسطہ دلاتا ہوں کیونکہ میں نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ زبیر رضی اللہ عنہ دین کے ایک رکن ہیں۔ سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا مقداد بن اسود، سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم نے بھی ان کو اپنا وصی بنایا تھا۔ چنانچہ یہ نہایت دیانت داری کے ساتھ ان کے مال و متاع اور ان کے ترکہ کی حفاظت کر کے ان کے اہل وعیال پر صرف کرتے تھے۔

(الاصابہ: ۱/۲۶، سیر اعلام النبلاء: ۱/۵۵)

ذریعۂ معاش

آپ کا ذریعۂ معاش تجارت تھا اور حالت یہ تھی کہ آپ نے جس کام کو ہاتھ لگایا اس میں کبھی خسارہ نہ ہوا۔ (الاستیعاب: ۱/۲۰۸)

ساری زندگی جہاد میں گزری۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کیا۔ پھر سیدنا

Marfat.com

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شامی محاذ پر مختلف جنگوں میں حصہ لیا، اس وجہ سے مال غنیمت سے بھی گراں قدر رقم حاصل کی۔ علاوہ ازیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوج کی بھاری تنخواہیں مقرر کی ہوئی تھیں۔ جس سے وہ اپنی ضروریات زندگی پوری کر سکتے تھے۔ افسروں کی تنخواہیں سات ہزار سے لے کر دس ہزار تک تھی۔ چنانچہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ کے باوجود کافی غیر منقول جائداد کے مالک تھے، جس کا تخمینہ پانچ کروڑ دو لاکھ درہم (یا دینار) کیا گیا تھا، لیکن نقد روپیہ آپ کے پاس نہیں تھا بلکہ جو کچھ تھا وہ غیر منقولہ جائیداد کی صورت میں تھا۔ چنانچہ خاص مدینہ میں گیارہ، بصرہ میں دو اور مصر و کوفہ میں ایک ایک مکان تھا اور غابہ میں ایک زمین تھی۔ شہادت کے وقت آپ پر بائیس (۲۲) لاکھ قرض تھا جو ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے غابہ کی زمین فروخت کر کے ادا کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بخاری حدیث نمبر ۳۱۲۹ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ چار سال تک موسم حج میں اعلان فرماتے رہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ پر جس کا قرض ہو وہ آ کر لے لے۔ یہ سارا قرض ادا کرنے کے بعد بھی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی چار بیویوں میں سے ہر بیوی کو بارہ بارہ لاکھ حصہ ملا۔

(اس کی تفصیل بخاری، حدیث: ۳۱۲۹ میں موجود ہے، طبقات ابن سعد: ۷۵/۳، حلیۃ الاولیاء: ۹۱/۱)

زراعت

تجارت کو ذریعۂ معاش بنانے کے ساتھ زراعت بھی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا ذریعہ معاش تھا۔ فتح خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم فرما دیا تھا۔ چنانچہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی وہاں وسیع قطعہ اراضی ملا تھا۔ علاوہ ازیں اطراف مدینہ میں بھی آپ کے قطعات اراضی تھے جن کو وہ خود آباد کرتے تھے کبھی کبھی آب پاشی کے بارے میں دوسرے شرکاء سے تنازعہ اور جھگڑا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک انصاری سے جس کا کھیت سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے کھیت سے ملا ہوا نیچے کی طرف تھا۔ اس سے آبپاشی کے بارے میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ انصاری نے بارگاہ رسالت میں اس بارے میں شکایت کی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنا کھیت سینچ کر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دیا کرو۔ حالانکہ اس انصار کو آب پاشی سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس کی رعایت فرماتے ہوئے یہ فیصلہ فرمایا

Marfat.com

تھا۔ وہ انصاری اس فیصلے پر راضی نہ ہوئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! آپ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی کی جانب داری فرمائی ہے۔ یہ الفاظ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ تم اپنے پورے حق سے فائدہ اٹھاؤ یعنی اپنے کھیت کو پانی سینچ کر پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ نالیوں کے ذریعہ سے دوسری طرف بہہ جائے۔ (بخاری: جلد۲)

کھیت کی دیکھ بھال اور حفاظت کا فرض اکثر اوقات خود ہی انجام دیتے تھے۔ عہد فاروقی میں ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی جاگیر کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لیے خیبر تشریف لے گئے اور رات کو تینوں علیحدہ علیحدہ اپنی اپنی جاگیر کے قریب سوئے۔ رات کی تاریکی میں کسی یہودی نے شرارت سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی کلائی اس زور سے مروڑی کہ وہ بے اختیار چلا اٹھے۔ آواز سن کر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ مدد کے لیے دوڑے لیکن یہودی بھاگ چکا تھا۔ چنانچہ آپ ان کو ساتھ لے کر بارگاہ خلافت میں پہنچے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کے بعد یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کر دیا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۰۱)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مقام جرف میں انہیں ایک جاگیر عطا فرمائی تھی اور اسی طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی گراں قدر خدمات کے عوض مقام عقیق کی اراضی انہیں دے دی تھی۔ جو اطراف مدینہ میں ایک خوش فضا میدان تھا۔

(طبقات ابن سعد: ۳/۷۳)

فضائل ومناقب

آپ کی کتاب مناقب بڑی ضخیم ہے۔ آپ السابقون الاولون میں سے تھے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی شہادت دے دی تھی۔ بارگاہ نبوت سے حواریٔ رسول کا لقب عطا ہوا۔

(مسند احمد: ۳/۳۰۷-۳۱۴- ۳۳۸ - ۳۶۵، بخاری، حدیث: ۳۷۱۹، مسلم، حدیث: ۲۴۱۵، ترمذی، حدیث: ۳۷۴۵، مسند حمیدی، حدیث: ۱۲۳۱، طبقات ابن سعد: ۳/۷۴)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مردوں میں سے میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے اور عورتوں میں سے عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ان کی کتاب فضائل میں یہ فضیلت بھی کیا کم ہے کہ رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اپنے ماں باپ کو جمع فرمایا یعنی یہ فرمایا کہ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔ (مسند احمد: ۱/۱۶۴، الاستیعاب: ۳/۳۱۴، الاصابہ: ۴/۸)

ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۵۴، اسد الغابہ: ۳/۸۷)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے مناقب میں یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ ان کے بیٹے عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مروان بن حکم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک سال نکسیر پھوٹنے کی بیماری ہوگئی۔ نکسیر بہت سخت پھوٹی کہ آج حج کے لیے بھی نہ جاسکے اور انہوں نے وصیت کی۔ اس وقت قریش کا ایک شخص ان کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنا جائیں۔ انہوں نے پوچھا: کیا لوگ اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس نے کہا: ہاں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کسے خلیفہ بنانا چاہیے؟ یہ سن کر وہ خاموش ہوگیا۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ حارث تھا۔ اس نے بھی کہا کہ کسی کو اپنا خلیفہ بنا جایئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں؟ کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: کسے چاہتے ہیں؟ یہ سن کر وہ خاموش ہوگیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: شاید وہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں؟ تب اس شخص نے کہا: ہاں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سن لو، قسم ہے اس پروردگار کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، جتنے لوگوں کو میں جانتا ہوں، زبیر رضی اللہ عنہ ان سب میں بہتر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ (بخاری، حدیث: ۳۸۱۷، مسند احمد بن حنبل: ۱/۶۴)

روایت حدیث

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول اللہ کی مجلس میں ہر وقت حاضر رہنے والوں میں سے ہونے کے باوجود آپ نے بہت کم احادیث روایت کی ہیں۔ یہ آپ کے کمال اتقاء کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے ابا سے پوچھا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح احادیث کیوں روایت نہیں کرتے جس طرح فلاں فلاں صحابی روایت کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں جب سے اسلام لایا ہوں آپ سے کبھی جدا نہیں ہوا لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی۔ آپ فرماتے تھے:

من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار۔

Marfat.com

''یعنی جس شخص نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا یعنی میری طرف غلط بات منسوب کی اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم بنالینا چاہیے۔''

اس بات کی وجہ سے میں روایت حدیث میں محتاط ہو گیا ہوں۔

(مسند احمد بن حنبل: ۱/۱۶۵-۱۶۷، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۳۶، ابوداود، حدیث: ۳۶۵۱ والحدیث متواتر فقد اخرجہ البخاری، حدیث: ۱۲۹۱، ۱۴۶۱، ۶۱۹۷، مسلم، حدیث: ۴، فی المقدمہ ۳۰۰۴، ترمذی، حدیث: ۲۶۷۱، ۲۶۶۱، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۳۰-۳۲-۳۴، ص ۴۴-۴۶-۵۶-۳۰۳، ۳/۹۸-۱۱۳-۱۱۶-۱۷۶-۲۰۳-۲۲۳-۲۷۸-۲۸۰ عن انس بن مالک، مسند الدارمی: ۱/۷۶)

اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ میں نے اپنے ابا سے پوچھا آپ کو کیا ہو گیا کہ آپ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح بکثرت حدیث کیوں روایت نہیں کرتے؟ فرمایا: بیٹا! اسلام لانے کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہیں ہوا بلکہ آپ کے ساتھ ہی رہا ہوں، لیکن میں نے آپ سے ایک روایت سنی جس کی وجہ سے میں روایت حدیث میں محتاط ہو گیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار۔

''جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ بولا پس اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔''

(سیر اعلام النبلاء: ۱/۴۴)

آپ نے جو احادیث روایت کی ہیں ان میں سے دو تو بخاری اور مسلم میں ہیں۔ چار میں بخاری رحمہ اللہ منفرد ہے اور ایک میں امام مسلم رحمہ اللہ۔ (سیر اعلام النبلاء، ذہبی: ۱/۴۲)

ان سے روایت کرنے والے ان کے صاحبزادے عبداللہ، مصعب، عروہ اور جعفر کے علاوہ مالک بن اوس بن الحدثان، احنف بن قیس، عبداللہ بن عامر بن کریز، مسلم بن جندب اور آپ کا آزاد کردہ غلام ابوالحکم اور دوسرے کئی ایک حضرات ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۴۲)

اولاد سے محبت

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل وعیال سے بڑی محبت تھی، خصوصاً سیدنا عبداللہ اور ان کے بچوں سے آپ ازحد محبت کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے مال سے ایک ثلث کی خاص ان کے بچوں کے لیے وصیت فرمائی تھی۔ بچوں کی تربیت کا خاص لحاظ رکھتے تھے چنانچہ جب جنگ یرموک

Marfat.com

میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تو اپنے صاحبزادے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے حالانکہ اس وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو گھوڑے پر سوار کر کے ایک آدمی کے سپرد کیا اور جنگ میں بھیجنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ جنگ کے ہولناک مناظر کو دیکھ کر اپنے اندر جرأت اور بہادری کے اوصاف پیدا کریں۔ چنانچہ حالات نے بتایا کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی باپ کی خاص تربیت کے تحت باپ کی طرح بہادر ہوئے اور بڑے بڑے خطرات کو اپنی جان کی پروا کیے بغیر سر کیا۔

غذا اور لباس

مال و دولت کی بہتات کے باوجود سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی نہایت سادہ گزاری۔ انہوں نے اپنے آپ کو سادہ غذا کا عادی بنایا ہوا تھا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باوجود اس بات کے کہ دنیا کی دولت ان کے قدموں میں ناک رگڑتی ہوئی آئی، انہوں نے اپنی طرز معاشرت کو نہایت سادہ رکھا۔ لباس اور غذا دونوں سادہ ہوتی تھیں۔ اگرچہ ابتدا میں گھر میں نہایت غریبی تھی اور پھر اسلام کی برکت سے دولت میں کھیلنے لگے لیکن اپنی طرز معاشرت میں انہوں نے کوئی فرق نہ آنے دیا۔ لباس بالکل سادہ ہوتا تھا لیکن جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص اجازت کے تحت ریشمی کپڑے استعمال فرماتے تھے۔ مجاہد اور بہادر ہونے کے ناطے آلات حرب وضرب کا نہایت شوق تھا۔ ان کو خوبصورت بناتے اور دوسرے ہر قسم کے تکلفات جائز سمجھتے چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح انہوں نے بھی اپنی تلوار کا قبضہ چاندی کا بنوایا ہوا تھا۔

حلیہ

ان کا حلیہ جو کتابوں میں بیان کیا گیا ہے وہ کچھ یوں ہے کہ بدن چھریرا اور قد بلند و بالا تھا۔ خصوصی طور پر پاؤں اس قدر لمبے تھے کہ جب گھوڑے پر چڑھتے تو پاؤں زمین پر لگتے تھے۔ (اذا رکب خطت رجلاہ الارض) رنگ گندمی، سر پر کندھوں تک بالوں کی لٹیں، داڑھی خفیف تھی۔

(طبقات ابن سعد: ۷۵/۳، معجم کبیر طبرانی: ۲۲۳-۲۲۴، مستدرک حاکم: ۳۶۰/۳، مجمع الزوائد: ۱۵۰/۹، الاصابہ: ۷/۴)

Marfat.com

ازواج واولاد

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثرت کے ساتھ اولاد پیدا ہوئی۔ بعض بچے ان کی زندگی ہی میں راہی ملک عدم ہو گئے پھر بھی بہت سی اولاد یادگار چھوڑی۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور ان کے بطن سے چھ بچے پیدا ہوئے۔ جن میں تین لڑکے عبداللہ، عروہ اور منذر پیدا ہوئے اور تین لڑکیاں خدیجۃ الکبریٰ، ام الحسن اور عائشہ تولد ہوئیں۔

② ایک شادی آپ نے ام خالد بنت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ سے کی جن سے خالد، عمر، حسیبہ، سودہ اور ہند پیدا ہوئیں۔

③ آپ کی ایک زوجہ محترمہ رباب بنت لیف تھیں۔ ان سے مصعب، حمزہ اور رملہ پیدا ہوئیں۔

④ زینب بنت بشر سے آپ کی اولاد عبیدہ، جعفر اور حفصہ پیدا ہوئی۔

⑤ ام کلثوم بنت عقبہ سے جو شادی کی ان سے صرف ایک لڑکی زینب پیدا ہوئی۔

یہ کل اٹھارہ لڑکے اور لڑکیاں تھیں جو آپ کی ازواج کے ہاں پیدا ہوئیں۔

Marfat.com

Marfat.com

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی السابقون الاولون میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری دی تھی۔

نام ونسب

نام عبدالرحمٰن، کنیت ابومحمد، والد کا نام عوف۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

عبدالرحمٰن بن عوف بن عبدعوف بن عبد بن حارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی الزہری۔ (سیر اعلام النبلاء: ۶۸/۱)

والدہ کا نام شفا بنت عوف بن عبد بن حارث بن زہرہ۔

امام ابواحمد الحاکم فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ کا نام صفیہ بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب تھا اور لوگ انہیں شفا بنت عوف کہتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۷۳/۱)

آپ کے والد اور والدہ دونوں کا تعلق بنوزہرہ سے تھا۔

سیدنا عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ جب میں اسلام لایا تو میرا نام عبد عمرو تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام تبدیل کر کے عبدالرحمٰن رکھا۔

(مستدرک حاکم: ۳۰۶/۳، صحیح ووافقہ الذہبی، طبقات ابن سعد: ۸۸/۳، معجم کبیر طبرانی، روایت: ۲۵۳)

اسلام

روایات میں ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن واقعۂ فیل کے دسویں سال پیدا ہوئے۔ اس لحاظ

Marfat.com

سے جس وقت رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت کا آغاز کیا اس وقت ان کی عمر تیس سال سے کچھ زیادہ تھی۔ آپ اپنی جبلی اور فطری عفت اور طبیعت کی سلامت روی کی وجہ سے شراب سے نفرت کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوئی تو بقول سیدنا علی رضی اللہ عنہ سب سے پہلا شخص جس نے آپ کی دعوت توحید پر لبیک کہا وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

اول من اسلم من الرجال ابوبکر الصدیق۔

''مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔''

(البدایہ والنہایہ: ۲۷/۳، ۲۳۴/۷، تاریخ الخلفاء وسیوطی: ص ۳۳، تفسیر مجمع الزوائد: ۳۳/۳)

جونہی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے انہوں نے اسلام کی اس دعوت کو دوسروں تک پہنچانا شروع کر دیا۔ چنانچہ خود اسلام قبول کرنے کے بعد وہ عثمان بن عفان، طلحہ بن عبید اللہ، سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن جراح، عبدالرحمٰن بن عوف، ابو سلمہ بن عبدالاسد اور ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہم اور دوسرے کئی ایک کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ یہ سب حضرات آپ ہی کی دعوت پر اسلام میں داخل ہوئے۔ بعض روایات میں ان حضرات کی تعداد ۳۸ ہے جو آپ کی دعوت سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی ان حضرات میں سے ہیں جن کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دعوت ہی نے صراط مستقیم کی شاہراہ پر گامزن کیا اور پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مردانِ حق کے قافلہ میں شامل ہو گئے۔ جس وقت سیدنا عبدالرحمٰن اسلام لائے اس وقت صرف چند حضرات تھے جو اسلام کے قافلہ میں شامل تھے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے دار ارقم کو مرکز دعوت بنانے سے قبل کا ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۸۸/۳)

یہ وہ وقت تھا جب اسلام لانے کا مطلب اپنے آپ کو مصائب و تکالیف میں مبتلا کرنا تھا، کیونکہ جونہی کوئی شخص حلقۂ اسلام میں داخل ہوتا تو قریش مکہ بپھر جاتے۔ ہر قبیلہ اپنے خویش و اقارب میں مسلمان کی ایذا رسانی پر تل جاتا۔ غلاموں کے ساتھ تو بہت سختی کی جاتی لیکن ان کے علاوہ آزاد مسلمانوں کی ایذا دہی میں بھی قریش نے کوئی کوتاہی نہ کی۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بھی ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ اس زمانے میں معاہدہ ایک حصار ہوتا تھا۔ اس لیے سیدنا ابوبکر، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا سعد بن ابی وقاص اور دوسرے کئی ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود اپنے طور پر مختلف قبائل کے ساتھ معاہدات کیے ہوئے تھے لیکن پھر بھی ان پر مشق ستم جاری رہی

Marfat.com

اور یہ سب حضرات قریش کے جور وستم کا نشانہ بنے رہے۔ رسول اللہ ﷺ جب ان پر جور وستم ہوتے دیکھتے تو راتوں کو اٹھ اٹھ کر ان کی مخلصی کی دعائیں فرماتے۔ ان کو صبر و برداشت کی تلقین فرماتے۔ تاہم رسول اللہ ﷺ جبر اور صبر کی آویزش کو ایسے مراحل میں داخل ہوتے دیکھ رہے تھے جہاں انسانی صبر کا پیمانہ چھلک سکتا ہے۔ جب قریش کا جور وستم حد سے بڑھ گیا تو ایک روز مظلوم مسلمانوں نے لسانِ نبوت سے یہ الفاظ سنے:

''تم اللہ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کرے گا۔ ان مظلوموں نے پوچھا: کہاں جائیں؟ آپ ﷺ نے حبشہ کے ملک کی طرف اشارہ فرمایا۔'' (زرقانی: ۱/۲۷۰، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۲۲، عیون الاثر: ۱/۲۰۹)

رسول اللہ ﷺ کے منہ سے حبشہ کا اشارہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حبشہ کی طرف ہجرت شروع کر دی۔ ان بلا کشان اسلام میں جن کو حبشہ کی طرف ہجرت کا شرف حاصل ہوا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب حبشہ سے واپس تشریف لائے تو پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا۔ ہجرت کا حکم دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ قد جعل لکم اخواناً وداراً تامنون بھا۔

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھائی بھی بنا دیے (جو ہماری نصرت کریں) اور وطن (مرکز) بھی بنا دیا جس میں تم امن سے رہ سکو۔''

(البدایہ والنہایہ: ۳/۱۶۹، روض الانف: ۱/۲۸۴، لائف آف محمد، ولیم میور: ۲/۲۴۲)

اذن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کی شاہراہ کھل گئی اور جان نثاران اسلام یکہ وتنہا اور اپنے خاندانوں کے ساتھ قریش مکہ سے چھپ چھپا کر اور رات کی تاریکی میں مدینہ جانا شروع ہو گئے۔ ان ہجرت کرنے والوں میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

یہ ہجرت ایک بہت بڑا عمل تھا۔ مالی نقصانات، بدنی اذیتیں اور گونا گوں مصائب و آلام برداشت کرنے آسان ہیں لیکن یہ کام ایک انسان کے لیے نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ وہ اپنی اس مختصر زندگی میں ہمیشہ کے لیے اپنے اہل وعیال کو چھوڑ دے، خویش واقارب سے رشتہ توڑ دے، مال ومنال سے دست بردار اور دست کش ہو جائے اور وہ اپنی زندگی کی تمام دلچسپیوں پر بے کسی، بے بسی اور غریب الوطنی کو ترجیح دے۔ حضرات مہاجرین کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ

Marfat.com

انہوں نے اپنی دنیوی بہبود سے بے نیاز اور خالی الذہن ہو کر صرف خدا اور اس کے رسول ﷺ کی رضا جوئی کی خاطر اپنے اہل وعیال، مال ومنال اور اپنی جائیداد واملاک بلکہ ہر شے کو ٹھکرا دیا۔ یہ اتنا بڑا ایثار اور جذبہ فدویت ہے جس کی نظیر دنیا کے دوسرے مذاہب وادیان پیش کرنے سے یک قلم قاصر ہیں۔

مواخات

مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ان کا اسلامی بھائی بنایا۔

(عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/۳۲۱، فتح الباری: ۷/۲۱۰-۲۱۱)

دوسری مواخات ہجرت سے پانچ ماہ بعد انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان پر ہوئی۔ اس میں آپ نے ۴۵ مہاجرین کو ۴۵ انصار کا بھائی بنایا۔ اس مواخات میں آپ نے سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو ان کا اسلامی بھائی بنایا۔

(سیرت ابن ہشام: ۱/۵۰۴، عیون الاثر: ۱/۳۲۴، الدار فی المغازی والسیر لابن عبد البر: ص ۹۱)

انصار نے مہاجرین کے ساتھ اس بھائی چارہ کا صحیح معنوں میں حق ادا کیا۔ چشم فلک نے کبھی ایسا بھائی چارہ نہ پہلے کبھی دیکھا نہ آئندہ قیامت تک کبھی دیکھے گی۔ انہوں نے اپنے مکانات، اپنی زمینیں، اپنے باغات غرض کی جائیداد میں سے ہر شے مہاجرین میں تقسیم کر دی۔ ابوداود اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ کوئی انصاری درہم ودینار کا اپنے مہاجر بھائی سے زیادہ اپنے آپ کو مستحق نہیں سمجھتا تھا۔ (زرقانی: ۱/۳۷۴)

انصار نے صرف زبانی اس بھائی چارے کو قائم نہ رکھا بلکہ اپنے عمل سے اس کی مثال قائم کی۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف اور سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما کے مابین بھائی چارہ کروایا تو سیدنا سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ آپ میرا آدھا مال لے لیں اور میری دو بیویاں ہیں ان میں سے آپ کو جو زیادہ پسند ہو، میں اس کو طلاق دے دوں گا اور عدت گزرنے کے بعد آپ اس سے شادی کر لیں۔ یہ سن کر سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میرے بھائی! اللہ تعالیٰ آپ کے اہل وعیال اور مال میں برکت عطا فرمائے۔ آپ مجھے صرف بازار کا

Marfat.com

راستہ بتا دیں۔" انہوں نے انہیں بنو قینقاع کا بازار بتا دیا۔ وہ جب واپس آئے تو ان کے پاس کچھ فاضل پنیر اور گھی تھا۔ اس کے بعد وہ روزانہ مارکیٹ جاتے رہے۔ پھر ایک روز آئے تو ان پر زردی کا اثر تھا۔ نبی ﷺ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ میں نے شادی کی ہے۔ آپ نے پوچھا: "مہر کتنا دیا؟ بولے ایک نواۃ (گٹھلی) کے برابر سونا۔ پھر حکم ہوا کہ ولیمہ کروا گرچہ ایک بکری ہی سہی۔"

(بخاری: ۵۵۳/۱، عیون الاثر: ۳۲۶/۱، بخاری میں یہ روایت آئی ہے۔ ملاحظہ ہو روایت نمبر ۲۰۴۹-۲۹۲۲-۳۹۳۷-۵۰۷۲-۵۱۴۸-۵۱۵۳-۵۱۵۵-۵۱۶۷-۶۰۷۲ واخرجہ ابن ماجہ، حدیث نمبر ۱۹۰۷، مسند الدارمی: ۱۰۴/۲، ۱۴۳/۲، طبقات ابن سعد: ۸۸/۳-۸۹)

ایسے غم گسار، غم خوار، ہمدرد اور ایثار و خلوص کے پتلے تو حقیقی اور سگے بھائی بھی نہیں ہوتے جیسے انصار مہاجرین کے لیے تھے۔ انصار کی اس بے مثال غم گساری، ہمدردی اور ایثار کو دیکھ کر ایک روز مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! جس قوم میں ہم آئے ہیں ہم نے ان سے زیادہ کسی قوم کو غمگسار، ہمدرد اور ایثار پیشہ نہیں دیکھا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں سارا اجر و ثواب وہی حاصل نہ کر لیں اور ہم اس اجر و ثواب سے محروم اور خالی ہاتھ رہ جائیں۔" آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

الا ما اثنیتم علیهم ودعوتم لهم۔

"نہیں، جب تک ان کے لیے دعا کرتے ہو۔"

(عیون الاثر: ۳۲۲/۱، مسند احمد بن حنبل: ۲۰۰/۳-۲۰۴، البدایہ والنہایہ: ۲۲۸/۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ دعا کا احسان درہم و دینار کے احسان سے کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے۔ ایک مخلصانہ دعا تمام خزائن دنیا سے بڑھ کر ہے۔

غزوات میں شرکت

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے قریباً ہر غزوہ میں شرکت فرمائی۔ اسلام میں سب سے پہلا غزوہ بدر تھا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس میں بھرپور شرکت فرمائی۔ اس جنگ میں قریش مکہ کی طرف سے بڑے بڑے اساطین کفر شامل تھے اور مسلمانوں کی طرف سے ہر چھوٹا بڑا صحابی اس میں شامل تھا۔ گویا پورا کفر پورے اسلام کے مقابلہ پر آیا ہوا تھا۔ اس جنگ میں

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اعزاء و اقرباء اور جگر کے ٹکڑوں کی بھی پرواہ نہ کی اور چشم فلک نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تلواریں ان کے مقابلے کے لیے اٹھ رہی ہیں۔ مسلمانوں کا ایثار حیرت انگیز تھا۔ چنانچہ اس میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے حقیقی ماموں کے خون سے رنگین ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۹۰/۳) سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی تلوار سے ان کا باپ قتل ہوا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۱۶۸/۲)

اس قسم کے اور کئی واقعات اس جنگ میں پیش آئے لیکن مسلمانوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک پر ترجیح دی۔ کچھ اس وجہ سے بھی اس دن کو ''یوم الفرقان'' کہا جاتا ہے۔

اس جنگ میں پہلے تو مبارزت ہوئی پھر زور کا رن پڑا اور دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئیں۔ جب مسلمان مشرکین کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے اور مشرکین بھیڑوں عورتوں کی طرح ان کے سامنے کٹ رہے تھے اور ان کی صفوں میں ایک اضطرابی کیفیت تھی۔ اس حالت میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے میدان جنگ میں جو نظر ڈالی تو دو نوجوان میرے دائیں بائیں تھے۔ یہ دونوں ناتجربہ کار اور نوخیز تھے۔ یہ دونوں انصاری تھے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ لوگ مجھ کو دو لڑکوں کے درمیان دیکھ کر نہ آ گھیریں۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں ان کو بچاؤں گا یا اپنی حفاظت کروں گا۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے چپکے سے پوچھا: ''چچا! ابوجہل کون سا ہے؟'' میں نے کہا: بھتیجے! تم ابوجہل کا پوچھ کر کیا کرو گے۔'' اس لڑکے نے جواب دیا: ''میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ اگر ابوجہل کو دیکھ پاؤں تو اس کو قتل کر دوں یا پھر خود مارا جاؤں، اس لیے کہ مجھے پتہ ہے کہ وہ ہمارے پیغمبر کا سخت دشمن ہے اور ان کی شان میں سب وشتم کرتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اس کو دیکھ پاؤں تو میرا سایہ اس کے سایہ سے اس وقت تک الگ نہیں ہو گا جب تک ہم میں سے ایک نہ مارا جائے۔'' دوسرے لڑکے نے بھی یہی سوال کیا۔ اس نے بھی میرے سوال کے جواب میں وہی کچھ کہا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ابوجہل سامنے آ گیا۔ میں نے ان دونوں کو اشارہ کیا اور کہا کہ جس کی تمہیں تلاش ہے وہ یہ ہے۔ میرا اشارہ کرنا تھا کہ وہ دونوں نوجوان باز کی طرح اس پر جھپٹے اور ابوجہل کو گھیر لیا۔ ان نوجوانوں کا نام معاذ اور معوذ تھا۔ ان کی والدہ کا نام عفراء تھا اور باپ کا نام حارث۔ مگر یہ دونوں ماں کے نام سے مشہور تھے یعنی ان کو ابن عفراء کہا جاتا تھا۔ یہ عفراء بھی

Marfat.com

بڑی خوش قسمت عورت تھی۔ اس کے دو شوہروں سے سات بیٹے تھے اور ساتوں بدر میں شریک تھے۔ (زرقانی: ۱/۶۱۴)

معاذ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل پر تلوار سے ایسا وار کیا کہ وہ بری طرح زخمی ہوگیا، لیکن ابوجہل بھی کوئی پست ہمت نہ تھا قریش کا ایک بہادر سردار تھا۔ اس نے پلٹ کر حملہ کیا اور معوذ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا، لیکن معاذ رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر ابوجہل کا کام تمام کر دیا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے آگے بڑھ کر معاذ رضی اللہ عنہ کو مونڈھے پر اس زور سے تلوار ماری کہ اس کا بازو مونڈھے سے کٹ گیا۔ صرف ایک تسمہ باقی رہ گیا۔ معاذ رضی اللہ عنہ عکرمہ پر جھپٹے تو عکرمہ وہاں سے نکل گیا۔ معاذ رضی اللہ عنہ میدان سے پھر بھی نہ ہٹے۔ لٹکے ہوئی بازو کو پیچھے ڈال لیا اور دشمنوں سے لڑنا شروع کر دیا اور شام تک اسی حالت میں لڑتے رہے۔ جب ہاتھ کے لٹکنے سے تکلیف زیادہ ہوگئی تو ہاتھ پاؤں کے نیچے دبا کر تسمہ الگ کر دیا۔ اب یہ سخت جان انصاری مجاہد ہلکا تھا اور ایک ہی ہاتھ سے لڑتا رہا۔ معاذ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ معوذ رضی اللہ عنہ ابوجہل کے قتل سے فارغ ہو کر لڑائی میں مشغول رہا اور پھر جام شہادت نوش کیا۔ (فتح الباری: ۷/۲۳۰)

بخاری کی روایت میں معوذ رضی اللہ عنہ اور معاذ رضی اللہ عنہ ہی کو ابوجہل کا قاتل بتایا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو بخاری: ۱/۴۴۴، جلد۲، باب غزوۂ بدر)

لیکن بخاری کی کتاب الجہاد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بھی ابوجہل کے قتل میں شریک تھے بلکہ معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ہی نے قتل میں زیادہ حصہ لیا تھا۔ (فتح الباری: ۷/۲۳۰، زرقانی: ۱/۴۲۸، طبقات ابن سعد: ۳/۸۰)

اس غزوہ میں جہاں ابوجہل مارا گیا وہاں کفر کا دوسرا ستون امیہ بن خلف بھی جہنم کی آگ کا ایندھن بنا۔ امیہ بن خلف قریش کا ایک رئیس تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا۔ یہ وہی امیہ بن خلف ہے جو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر مشق ستم کیا کرتا تھا۔ امیہ سیدنا سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کا ان کے زمانہ جاہلیت کا دوست تھا لیکن جب وہ ہجرت نبوی کے بعد ایک دفعہ مکہ عمرہ کرنے کے لیے آئے اور امیہ بن خلف کے ہاں مقیم ہوئے تو بیت اللہ میں ان کی ابوجہل کے ساتھ اچھی خاصی درشت کلامی ہوگئی۔ اس واقعہ میں امیہ بن خلف کو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو زبانی یہ معلوم ہوگیا تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کے بارے میں پیش گوئی فرمائی ہے۔

Marfat.com

اس پیش گوئی کے پیش نظر امیہ جنگ میں جانے سے جان چراتا تھا۔ ابو جہل کے اصرار پر وہ جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔ جب وہ گھر گیا تاکہ اپنی بیوی ام صفوان سے کہے کہ میرے سفر کا سامان تیار کر دے تو اس کی بیوی نے اسے کہا کہ تمہیں اپنے یثربی بھائی (سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ) کا قول یاد نہیں رہا۔ امیہ بن خلف نے کہا: ''مجھے اس کا قول اچھی طرح یاد ہے۔ میں صرف فوج کے ساتھ تھوڑی دور جاؤں گا پھر موقع پا کر راستہ ہی سے واپس آ جاؤں گا۔'' لیکن کارکنان قضا و قدر اسے کشاں کشاں میدان بدر میں لے آئے۔ (فتح الباری: ۲۲۱/۷، جامع الاصول: ۱۴۶/۹-۱۴۷)

سید عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے پرانے دوست تھے۔ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت ان کا امیہ بن خلف سے ایک کاروباری معاہدہ ہوا تھا۔ وہ یہ کہ مدینہ میں وہ امیہ کے مال کی حفاظت کریں گے جب کہ سیدنا عبدالرحمٰن کا جو مال مکہ میں رہ گیا ہے اس کی حفاظت کا ذمہ دار امیہ بن خلف ہو گا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب امیہ کو میدان بدر میں دیکھا تو اس کی خواہش یہ تھی کہ امیہ قتل نہ ہو بلکہ گرفتار ہو جائے۔ شاید اسی بہانے اسے ہدایت کا راستہ مل جائے۔ چنانچہ جب مسلمان میدان جنگ میں مصروف تھے اور کافر گاجر مولی کی طرح کٹ رہے تھے اور قریش کے بڑے بڑے سردار قتل کیے جا چکے تھے۔ تو سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نظر بچا کر امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کو ایک پہاڑی پر لے گئے۔ اتفاق سے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو دیکھ لیا۔ انہوں نے فوراً انصار کو بتایا۔ وہ اس کے پیچھے دوڑے۔ سیدنا عبدالرحمٰن نے امیہ کے بیٹے کو ان انصاری مجاہدین کے آگے کر دیا۔ انصار نے اسے قتل کر دیا لیکن ان انصاری مجاہدین اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا اصل ہدف تو امیہ تھا، لہٰذا اس کو چھوڑ دینا ان کو گوارا نہ تھا۔ امیہ بھاری بھرکم آدمی تھا۔ دوڑنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ وہ بیٹھ گیا اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کو بچانے کے لیے اس کے اوپر لیٹ گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے امیہ سے کہا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا اور میں اس کے اوپر اوندھا پڑ گیا تاکہ اس کی جان بچ جائے، مگر انصار نے اسی حالت میں پاؤں کے نیچے سے تلوار چلا کر اس کو قتل کر دیا۔ اس کو بچانے میں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر ایک زخم بھی آیا جس کا نشان مدتوں باقی رہا۔

یہ واقعہ بیان کر کے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ بلال رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ میری زرہیں بھی گئیں اور میرے قیدی بھی گئے کیونکہ امیہ بن خلف کو بچانے سے پہلے

Marfat.com

سیدنا عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں کچھ زرہیں تھیں جو انہوں نے کافروں سے چھینی تھیں۔ ان کو وہ زمین پر رکھ کر امیہ کو بچانے میں مصروف ہو گئے اور بعد میں نہ وہ زرہیں آپ کے ہاتھ آئیں اور نہ ہی وہ قیدی آپ کے ملے۔

بعض روایات میں ہے کہ جنگ بدر کے روز وہ اپنے لڑکے علی کا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہا: ''عبدالرحمٰن! کیا تمہیں میری ضرورت ہے؟ میں تمہاری ان زرہوں سے بہتر ہوں۔ آج جیسا ہیبت ناک منظر تو میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا۔ کیا تمہیں دودھ کی حاجت نہیں؟ مطلب یہ تھا کہ جو مجھے قید کرے گا میں اسے فدیہ میں خوب دودھ دینے والی اونٹنیاں دوں گا۔ یہ سن کر سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے زرہیں پھینک دیں اور دونوں باپ بیٹے کو گرفتار کر کے آگے بڑھے۔ امیہ نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم لوگوں میں وہ کون آدمی ہے جس نے سینے پر شتر مرغ کا پر سجا رکھا ہے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ حمزہ بن عبدالمطلب ہیں۔ امیہ نے کہا یہی شخص ہے جس نے ہمارے اندر تباہی مچا رکھی ہے۔

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں امیہ اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر کے لے جا رہا تھا کہ اچانک بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ کو میرے ساتھ دیکھ لیا۔ بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ کے وہ سارے ظلم وستم یاد آ گئے جو وہ مکہ میں ان پر ڈھایا کرتا تھا۔ چنانچہ امیہ کو دیکھ کر انہوں نے کہا: یہ کافروں کا سرغنہ ہے، اب یا تو یہ بچے گا یا میں بچوں گا۔ میں نے کہا: ''بلال! یہ دونوں میرے قیدی ہیں۔'' لیکن بلال رضی اللہ عنہ نے انصار کو آواز دی اور انہوں نے ہمیں کنگن کی طرح گھیرے میں لے لیا۔ میں ان دونوں کا بچاؤ کر رہا تھا کہ ایک شخص نے امیہ کے بیٹے کو تلوار کی ایک ضرب لگائی جس سے وہ زمین پر گر گیا۔ اتنے میں امیہ نے اس زور سے چیخ ماری کہ میں نے ویسی چیخ کبھی نہ سنی تھی۔ میں نے کہا: بھاگ جاؤ، لیکن آج بھاگنے کی گنجائش نہ تھی۔ میں نے کہا: بخدا! میں آج تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اس کے بعد لوگوں نے اپنی تلواروں سے ان دونوں کا کام تمام کر دیا۔

(بخاری: ۳۰۸/۱، البدایہ والنہایہ: ۲۸۶/۳، سیرۃ ابن ہشام: جلد ۱، زاد المعاد: ۸۹/۲)

غزوہ احد میں بھی شرکت فرمائی اور داد شجاعت دی۔ جانبازی اور بہادری کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جسم پر بیس سے زیادہ زخموں کے نشان تھے۔ (مسند احمد بن حنبل: ۱۹۳/۱)

Marfat.com

دومۃ الجندل

غزوۂ بدر دوم سے شعبان میں آپ واپس مدینہ منورہ تشریف لائے۔ بدر میں جانے کی وجہ سے ادھر ادھر کے قبائل کے دلوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دھاک بیٹھ گئی تھی جس کی وجہ سے چاروں طرف اسلامی سلطنت میں امن وامان اور اطمینان وسکون کی بادِ نسیم چل رہی تھی اور آپ سلطنت کی آخری حدود تک توجہ فرمانے کے قابل ہو چکے تھے۔ قریباً چھ ماہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ بعدازاں آپ کو اطلاع ملی کہ دومۃ الجندل (دال کے پیش اور زبر دونوں کے ساتھ صحیح ہے) کے اردگرد بسنے والے قبائل آنے جانے والے قافلوں پر ڈاکے ڈال رہے ہیں اور وہاں سے جو ساز وسامان بھی گزرتا ہے اس کو لوٹ لیتے ہیں۔ دومۃ الجندل بہت دور مقام تھا۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ یہ مدینہ منورہ سے پندرہ دن کے راستہ پر ہے اور دمشق وہاں سے صرف پانچ دن کی مسافت پر۔ (زرقانی: ۹۵/۲)

جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کی اطلاع ملی آپ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اس مہم پر مامور فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا کر اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا۔ پیچھے شملہ چھوڑا اور ہاتھ میں علم دے کر فرمایا:

"بسم اللہ! اللہ کے راستے میں روانہ ہو جاؤ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور عصیان میں مبتلا ہیں ان سے جا کر جہاد کرو، لیکن یاد رکھو، کسی کو دھوکہ اور فریب نہیں دینا، بچوں کو نہیں مارنا، عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھانا یہاں تک کہ دومۃ الجندل پہنچ کر قبیلہ کلب کو اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ اسلام کی دعوت کو قبول کر لیں تو ان کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کر لینا۔"

یہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ آپ اسی اعزاز کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر دومۃ الجندل پہنچے اور تین روز تک لوگوں کو دعوت اسلام دینے کا فریضہ ادا کیا۔ دعوت نے ان لوگوں کے قلب پر بڑا اثر کیا۔ وہاں کا سردار اصبغ بن عمرو کلبی جو عیسائی تھا، وہ خود اور اس کی قوم کی ایک کثیر تعداد خوش دلی کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہو گئی، البتہ بعض لوگ اسلام قبول کرنے پر راضی نہ ہوئے اور انہوں نے عیسائی رہتے ہوئے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اصبغ کی لڑکی تماضر سے شادی

Marfat.com

کر لی اور اس کو اپنے ساتھ مدینہ منورہ لے آئے۔ چنانچہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اسی تماضر کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (طبقات ابن سعد: ۶۴/۳)

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے قرب و جوار میں مختلف وفود دعوت اسلام کے لیے روانہ فرمائے اور انہیں یہ بھی حکم دیا کہ جہاں کہیں کوئی بت دیکھیں تو اسے منہدم کر دیں۔ چنانچہ ۲۵ ر رمضان المبارک سنہ ۸ ھ کو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تیس (۳۰) سواروں کے ساتھ عربوں کے مشہور بت عزیٰ کو گرانے کے لیے بھیجا۔ آپ نے اس بت کو جا کر گرا دیا۔

(عیون الاثر: ۲۴۹/۲، طبقات: ۱۴۵/۲)

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب عزیٰ کو ڈھانے کے بعد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو شوال کے شروع میں رسول اللہ ﷺ نے بنو جذیمہ کے پاس ساڑھے تین سو مجاہدین کے ساتھ دعوت اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ یہ لوگ یلملم کے قریب غمیصا نامی ایک تالاب کے کنارے پر رہتے تھے۔ آپ نے انہیں جا کر اسلام کی دعوت دی اور وہ لوگ مسلمان ہو گئے لیکن گھبراہٹ میں یا کسی اور وجہ سے انہوں نے ''اسلمنا'' کے بجائے ''صبانا صبانا'' یعنی ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا، ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا۔ کہا۔ اس پر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ان کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے خالد رضی اللہ عنہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ۹۵ آدمی قتل کر دیے گئے۔ واپس آ کر جب رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ یہ فرمایا: ''اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بالکل بری ہوں۔'' (ایک روایت میں ہے کہ صرف بنو سلیم نے ان لوگوں کو قتل کیا تھا، مہاجرین و انصار نے قتل نہیں کیا تھا۔)

اس معاملہ میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مابین درشت کلامی ہو گئی۔ وجہ یہ ہوئی کہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے خاندان اور بنو جذیمہ میں گو قدیم زمانہ سے دشمنی اور عداوت چلی آ رہی تھی۔ یہاں تک کہ ان کے والد عوف کو اسی قبیلہ کے ایک شخص نے قتل کر دیا تھا۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے والد عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے چچا فاکہہ بن مغیرہ تجارت کے خیال سے یمن جا رہے تھے کہ بنو جذیمہ نے راہ میں ان دونوں کو ایک ساتھ قتل کر دیا تھا۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۲۵۶/۲)

Marfat.com

تاہم اخوت اسلامی نے اس دیرینہ دشمنی کو ختم کر دیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو جب خالد رضی اللہ عنہ کی اس خونریزی کا پتہ چلا تو انہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: خالد! افسوس ہے کہ تم نے اسلام لانے کے بعد جاہلیت کا بدلہ بنو جذیمہ سے لیا ہے کہ ان کے اتنے آدمیوں کو ناحق قتل کر دیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کے باپ کے قاتلوں کو مارا ہے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بے شک تم نے میرے باپ کے قاتلوں کو مارا ہے لیکن اندر سے یہ فاکہہ بن مغیرہ کا انتقام لیا ہے جو تمہارا چچا تھا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۵۶)

اس کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس تلخ کلامی کا پتہ چلا تو فرمایا: ''خالد! اہل بدر کے اس شخص کو مت اذیت دو، اللہ کی قسم! اگر احد پہاڑ سونا ہو جائے اور وہ سارے کا سارا تم اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تب بھی تم اس ایک آدمی کے عمل کو نہیں پہنچ سکتے۔

(مجمع الزوائد: ۹/۳۴۹، تاریخ بغداد خطیب بغدادی: ۱۲/۱۵۰، مستدرک حاکم: ۳/۲۹۸)

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میرے رفقاء کو کچھ کہنے سے باز رہو، اللہ کی قسم! اگر تم لوگ احد پہاڑ کے برابر سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تب بھی تم میرے ان ساتھیوں میں سے کسی ایک کی صبح کی عبادت یا ایک شام کی عبادت کو نہیں پہنچ سکتے۔

(ملاحظہ ہو زرقانی: ۳/۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۳۱۴، عیون الاثر: ۲/۲۵۰، طبقات ابن سعد: ۲/۱۴۷)

فتح مکہ کے بعد جس قدر غزوات پیش آئے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سب میں شرکت فرمائی۔ حجۃ الوداع میں بھی آپ شریک ہوئے۔ حج سے واپسی پر ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اتفاق رائے سے خلیفہ اسلام مقرر ہوئے۔ ان کی بیعت کرنے میں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا بعض روایات کے مطابق تیسرا نمبر ہے۔

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور عہد صدیقی

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو انہوں نے ان کی عظمت کے مطابق مقام دیا۔ ان کے پورے عہد خلافت میں وہ ان کے خاص مشیر رہے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا اور انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کرنا چاہا تو تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہی کو بلا کر ان

Marfat.com

سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جانشین بنانے کے بارے میں مشورہ کیا۔ کیونکہ آپ سقیفہ بن ساعدہ اور اس میں انصار کے طرز عمل کا نقشہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر اب ان کی وفات کے بعد امت میں کوئی اختلاف پیدا ہو گیا تو اندیشہ ہے کہ اس کے نتائج بڑے دوررس اور خطرناک ہوں گے اور اب معاملہ صرف مہاجرین و انصار کے درمیان نہ رہے گا بلکہ ان سے گزر کر عراق و شام کے مجاہدین اور باشندوں تک بھی پہنچے گا کیونکہ اب سلطنت کی پہنائیوں میں بہت اضافہ ہو گیا ہے اور اب اگر مسلمان الجھ پڑے تو یہ اختلاف ایک خطرناک فتنہ بن کر پوری مملکت اسلامیہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ چنانچہ آپ نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا کر اپنی جانشینی کے بارے میں مشورہ لیا۔ آپ کا ذہنی رجحان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانب تھا۔ اس سلسلہ میں آپ نے سب سے پہلے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کے سامنے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنانے کا تذکرہ کیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: "اس میں کوئی شک نہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ بہترین آدمی ہیں اور خلافت کے لیے ہر لحاظ سے اہل ہیں لیکن ان کے مزاج میں سختی ہے۔" سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "سختی اس وجہ سے ہے کہ وہ مجھ کو نرم دیکھتے ہیں۔ جب خلافت کی ذمہ داری ان پر آپڑے گی تو ان کی سختی خود بخود ختم ہو جائے گی۔" "اے ابومحمد! میں نے اس کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ہے اور دیکھا ہے کہ جب میں غصے میں ہوتا ہو تو وہ غصہ فرو کرنے کی کوشش کرتے۔ نرمی دیکھتے تو سختی کا مشورہ دیتے۔" اسی طرح اور بھی کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانشینی کے بارے میں مشورہ کیا۔ چنانچہ مشہور ہو گیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونے والے ہیں۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب ان مشوروں کی خبر سنی تو انہیں اندیشہ ہوا کہ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا گیا تو ان کی سختی اور درشتی مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کر دے گی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مل کر انہیں اس ارادہ سے باز رکھا جائے۔ چنانچہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ "ابوبکر! آپ کو بخوبی پتہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں کس قدر سختی اور درشتی ہے۔ اس کے باوجود میں نے سنا ہے کہ آپ انہیں خلیفہ نامزد کر رہے ہیں۔ کل اس بارے میں آپ اپنے اللہ کو کیا جواب دیں گے؟" سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے۔ آپ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ سن کر غصے سے کانپ اٹھے اور کچھ جذباتی ہو گئے اور حاضرین سے فرمایا: "مجھے بٹھا دو۔" لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا تو آپ نے فرمایا: "تم مجھے میرے رب سے ڈراتے

Marfat.com

ہو۔ جب میں اپنے پروردگار سے ملوں گا تو کہوں گا: اے اللہ! میں نے تیرے بندوں پر تیرے ایک بہترین بندے کو خلیفہ مقرر کیا۔'' اس کے بعد آپ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''جو بات میں نے تم سے کہی ہے وہ اپنے پیچھے بیٹھے ہوؤں کو بھی سنادو۔'' (کامل ابن اثیر: ۲۹۲/۲)

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ مسلمان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانشینی پر برضا و رغبت متفق نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی اور اس معاملہ پر غور و فکر کرتے رہے جب صبح ہوئی تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے ایسے انداز سے گفتگو کی جیسے کل کے واقعہ سے انہیں بے حد دکھ ہوا ہے۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ میں نے تمہارا کام سب سے بہتر شخص کو سونپنا چاہا لیکن تم لوگ اس پر ناک بھوں چڑھا رہے ہو اور چاہتے ہو کہ یہ ذمہ داری عمر رضی اللہ عنہ کے بجائے کسی اور شخص کے سپرد کی جائے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ ''آپ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیجیے اس سے آپ کی بیماری میں اضافہ ہوگا۔''

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک نہایت صائب الرائے مشیر تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے اہم معاملات کے بارے میں مشورہ لیا کرتے تھے۔

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور عہد فاروقی

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے اپنی ایک مستقل مجلس شوریٰ قائم فرمائی۔ جن سے وہ اہم امور میں مشورہ لیتے تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس مجلس شوریٰ کے ایک مستقل صائب الرائے رکن تھے۔ بہت سے معاملات میں انہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا کرتا جس کو تمام اراکین مجلس نے سراہا اور حالات نے بھی بعد میں بتایا کہ ان کا مشورہ درست اور صحیح تھا اور اس سے امت کو فائدہ ہوا۔ اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان پر بڑا اعتماد تھا۔ چنانچہ معرکہ جسر اور جنگ بویب میں جب ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی تو ایرانی فوج کا ہیڈ کوارٹر ہل گیا۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کی ایک دہشت طاری ہو گئی اور انہیں یقین ہو گیا کہ عرب ایک نہ ایک دن ان کے پایۂ تخت میں داخل ہو کر ان کے قصر ابیض (White House) پر قابض ہو جائیں

Marfat.com

گے۔ اس ذلت سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے کہ ایرانی اپنا اندرونی خلفشار اور انتشار ختم کر کے اور باہم متحد ہو کر غازیان اسلام کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جم جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے تمام اختلافات ختم کر کے اپنی کھوئی ہوئی طاقت و عظمت اور زائل شدہ وقار کی بازیابی کی کوشش شروع کر دی۔ یزدگرد کی جانشینی سے سلطنت ایران میں نئے سرے سے جان آگئی۔ چنانچہ ایرانیوں نے مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے ایک لشکر جرار تیار کیا۔ سیدنا مثنیٰ شیبانی رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں کی ان جنگی تیاریوں کی بابت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا تو آپ نے فرمایا: ''بخدا! میں شاہان عجم کو ملوک عرب سے ضرور ٹکراؤں گا۔'' چنانچہ آپ نے فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ مختلف علاقوں سے اتنے لوگ جہاد میں شرکت کے لیے آئے کہ آدمیوں کا ایک جنگل مدینہ کے باہر لگ گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اتنی بڑی تعداد میں مجاہدین کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ حکم دیا کہ لشکر کو نہایت ترتیب سے آراستہ کیا جائے۔ میں اس لشکر کی کمان خود کروں گا۔ چنانچہ ہر اول پر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، میمنہ پر زبیر رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلا کر کاروبار خلافت سپرد کیا اور خود مدینہ طیبہ سے نکل کر جرف روانہ ہوئے۔ (طبری: ۳/۲۰۷، البدایہ والنہایہ: ۷/۳۵ وغیرہ)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس مستعدی کو دیکھ کر لوگوں میں ایک جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا اور سب نے مرنے مارنے پر کمریں باندھ لیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے نکلے اور حرا نامی ایک چشمے پر جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا، قیام فرمایا۔ اب تک اکثریت کو یہ پتہ نہیں تھا کہ اس فوج کی قیادت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود فرمائیں گے یا یہ خدمت کسی اور کے سپرد ہو گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کی قیادت کے لیے عوام کی رائے معلوم کی تو انہوں نے کہا کہ آپ خود اس لشکر کی قیادت فرمائیں۔ اہل الرائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصی طور پر سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ آپ خود اس کی قیادت نہ فرمائیں بلکہ اس لشکر کی قیادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو مرحمت فرمائیں اور خود مدینہ میں رہ کر اس کو کمک روانہ کرتے رہیں۔ اگر اللہ نے ہمیں فتح عطا فرمائی تو فھو المقصود ورنہ دشمن کی سرکوبی کے لیے دوسرا لشکر روانہ کر دیا جائے گا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی اس رائے پر بہت اصرار کیا، اور کہا: ''آپ خود مدینہ میں قیام فرمائیں اور لشکر کو کسی اور کی قیادت میں بھیج دیں۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کے لشکروں سے کیا معاملہ رہا۔ اگر

Marfat.com

خدانخواستہ شکست بھی ہوئی تو یہ اس ہزیمت سے بہر حال کم ہوگی جو آپ کی قیادت میں پیش آئے گی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ شہید ہو گئے یا شکست کھا گئے تو مسلمان پھر کبھی نہ تو تکبیر کہہ سکیں گے اور نہ ہی لا الہ الا اللہ کی شہادت دیں سکیں گے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عوام سے خطاب کیا اور فرمایا: ''میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا لیکن عبدالرحمٰن اور دوسرے اہل الرائے حضرات اس سے متفق نہیں۔'' اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خواص سے معلوم کیا کہ کس کو اس لشکر کی قیادت سونپی جائے۔ مختلف لوگوں نے مختلف نام پیش کیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی گئی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا جائے کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پھر دفعتاً اٹھے اور کہا: ''میں نے پالیا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کون؟'' جواب دیا: ''سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ'' اس انتخاب کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پسند فرمایا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان دنوں نجد میں تھے اور وہیں سے انہوں نے تین ہزار مجاہد اس لشکر کے لیے بھیجے تھے۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ ان کی بہادری اور شجاعت مسلم تھی، لیکن پھر بھی لشکر کی تمام مہمات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قبضہ اختیار میں رکھیں۔ چنانچہ ان کے سب معرکوں میں اول سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب، فوجوں کی تقسیم کے بارے میں احکامات آپ ہی بھیجتے رہتے تھے۔ مدینہ سے عراق تک کی منزلیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی نے متعین فرمائی تھیں۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا سپہ سالار کی حیثیت سے جو نام تجویز کیا حالات و واقعات نے بتا دیا کہ وہ کس قدر موزوں تھا۔ چنانچہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جس مہم میں شرکت کی فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے اور انہوں نے یزدگرد کسریٰ کو اس کے پایۂ تخت مدائن سے ایسا نکالا کہ پھر اس کو اپنے وسیع و عریض ملک میں کہیں پناہ نہ مل سکی بلکہ ساری روئے زمین باوجود اپنی وسعت کے اس پر تنگ ہو گئی۔

معرکہ نہاوند میں جب ایرانی فوجیں کثیر تعداد میں جمع ہوئیں۔ ایرانیوں کا یہ لشکر اتنا بڑا تھا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے لکھا ہے:

مالم یجتمع لھم قبل ذالك۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۵/۷)

Marfat.com

''اتنی فوجیں اس سے قبل کبھی جمع نہیں ہوئی تھیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز مسجد نبوی میں تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے وہ تمام خطوط سنائے جن میں ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کے بارے میں اطلاعات دی گئی تھیں اور فرمایا کہ میں خود اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر محاذ جنگ جاؤں گا اور شام، یمن اور بصرہ کے امراء کو بھی لکھوں گا کہ وہ اپنی فوجیں لے کر عراق کی طرف روانہ ہوں اور ساری فوجوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر کے لڑاؤں گا۔ حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو پسند کیا، لیکن سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا: ''اگر آپ نے اہل شام کو شام سے ہٹایا تو رومی ان کے بال بچوں کو آلیں گے اور اگر اہل یمن کو یمن سے بلوایا تو حبشہ ان کے ملک میں گھس آئے گا اور اگر آپ نے مدینہ چھوڑا تو سارے عرب میں ہل چل مچ جائے گی اور ہمیں خود اپنے ملک کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ آپ کی حیثیت عرب میں وہی ہے جو دانوں میں رشتے (دھاگے) کی ہوتی ہے کہ وہی دانوں کو اکٹھا رکھتا ہے اور وہی انہیں بکھرنے سے بچاتا ہے۔ ایرانی جب آپ کو وہاں دیکھیں گے تو آپ کو عرب کا امیر اور اسلام کی مرکزی قوت سمجھتے ہوئے باؤلے کتوں کی طرح آپ پر جھپٹ پڑیں گے اور جہاں تک ایرانیوں کی کثرت تعداد کا تعلق ہے اس کے بارے میں یہ عرض ہے کہ آج تک ہم کثرت تعداد کے بل پر نہیں لڑے بلکہ فتح و نصرت کے بل پر لڑے ہیں۔ اس لیے آپ ہرگز مدینہ نہ چھوڑیں اور اہل کوفہ کو حکم دیجیے کہ ان کی دو تہائی فوج محاذ جنگ پر چلی جائے اور ایک تہائی اپنی جگہ پر رہے اور اہل بصرہ کو لکھیے کہ وہ ان کی مدد کریں۔''

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی یہ رائے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بہت پسند آئی اور انہوں نے اعلان فرمایا کہ ''وہ مدینہ میں رہ کر برابر لشکر روانہ کرتے رہیں گے۔'' پھر آپ نے نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ان فوجوں کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو سب سے پہلے نیزوں کے لیے سپر بنے گا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے اس انتخاب کو پسند فرمایا۔

یہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ایک خوبی تھی کہ جو رائے بھی دیتے سمجھ سوچ کر دیتے اور کسی رائے کو دینے سے پہلے نہایت ٹھنڈے دل سے اس کے نتیجہ کو بھی ذہن میں رکھتے، لیکن کبھی اقبال رحمہ اللہ کے اس شعر کی طرح

Marfat.com

بہتر ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

جوش، مآل اندیشی پر غالب آ جاتا تھا۔ چنانچہ جب شام کی مہم میں اسلامی افواج رومیوں کی عظیم الشان تیاریوں کے باعث مقامات مفتوحہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئیں اور شام کے محاذ کے سپہ سالار اعظم سیدنا ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے ٹڈی دل اجتماع اور ان کے جوش و خروش کے بارے میں بارگاہ خلافت میں اطلاع دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب وہ خط مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتماع میں سنایا تو تاریخ کے صفحات بتاتے ہیں کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جیسے باہوش اور ٹھنڈے دماغ کے شخص کو اس قدر جوش آیا کہ اسی وقت مضطرب و بے تاب ہو کر بولے: ''امیر المومنین! تو خود سپہ سالار بن اور مجھے اپنے ساتھ لے کر چل۔ خدانخواستہ اگر ہمارے بھائیوں کا بال بیکا ہوا تو پھر جینے کا کیا فائدہ۔'' سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے جوش ولولہ میں گندھی ہوئی اس بات کی دوسرے مآل اندیش صحابہ کرام نے مخالفت کی اور انہی کی بات پر فیصلہ ہوا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت اور مجلس مشاورت کا انتخاب

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دس سال چھ ماہ اور چار دن امور خلافت انجام دیے۔ اپنی زندگی کے آخری سال سنہ ۲۳ھ میں حج کے لیے تشریف لے گئے۔ جب ارکان حج سے فارغ ہوئے تو منیٰ میں اپنا اونٹ بٹھایا۔ کچھ سنگریزے جمع کر کے ایک چبوترہ سا بنا دیا اور اس پر اپنی چادر ڈال کر اس پر چت لیٹ گئے اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا:

''اے اللہ! میری عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں۔ بدنی قویٰ ایک ایک کر کے جواب دے گئے ہیں اور مملکت کی سرحدوں میں وسعت ہونے کی وجہ سے رعایا پھیل گئی ہے۔ اب مجھے اپنے پاس بلا لے اس حال میں کہ میرا دامن عجز و ملامت سے پاک ہو۔''

یہ دعا قبول ہوئی اور ایک روز آپ حسب معمول نماز فجر کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔ امامت کے لیے آگے بڑھے۔ جونہی آپ نے تکبیر کہی ایک شخص اچانک آگے بڑھا اور اپنے دو دھارے خنجر سے ان پر تین یا چھ وار کیے جن میں ایک وار زیر ناف تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زمین پر گر

Marfat.com

پڑے۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''پکڑو اس کتے کو اس نے مجھے قتل کیا ہے۔'' یہ کتا کون تھا؟ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایرانی غلام ابولؤلو فیروز جو نہاوند کی جنگ میں گرفتار ہو کر مدینہ آیا تھا۔ یہ اس روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی نیت سے اندھیرے منہ مسجد میں آیا تھا۔ اس نے اپنی چادر میں ایک دودھارا خنجر چھپا رکھا تھا جس سے اس نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ پر وار کیے تھے۔ جونہی اس ایرانی نے آپ پر وار کیے آپ مصلیٰ پر کھڑے نہ رہ سکے اور فرش زمین پر گر پڑے اور اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لیے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو جو آپ کے پیچھے کھڑے تھے آگے بڑھا دیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کی دو انتہائی مختصر سورتیں (سورۃ والعصر اور سورۃ الکوثر) پڑھ کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔

مدینہ میں رہنے والا ہر شخص اس مسئلہ پر پریشان بھی تھا اور غور وفکر بھی کر رہا تھا، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں کو اصل حقیقت سے باخبر ہونے کی سب سے زیادہ بے چینی تھی کیونکہ ان کا شفیق باپ دن دیہاڑے نماز کی حالت میں مسجد نبوی کے اندر قتل ہو گیا تھا۔ ابولؤلو فیروز جو قاتل تھا، اس نے خودکشی کر لی، لہٰذا اس سے تو تفتیش حال نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ وہ قتل کے اس راز کو قبر کی آغوش میں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اب ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا کہ اگر یہ قتل سازش تھی تو اس سازش کے بے نقاب ہونے کی کوئی سبیل نہیں رہی اور یہ قصہ اب ختم ہو گیا ہے، لیکن اس سازش کے بارے میں ایک معمولی سا علم (Clue) معلوم ہو گیا جس نے اس بات کی طرف راہ نمائی کی کہ یہ قتل ایک سازش کا نتیجہ تھی۔ ہوا یہ کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب وہ خنجر دیکھا جس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تھا تو فرمایا: ''میں نے یہ خنجر کل ہرمزان اور جفینہ کے پاس دیکھا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا تم اس خنجر کے ساتھ کیا کرو گے؟ تو وہ بولے: ''گوشت کاٹیں گے کیونکہ ہم گوشت کو ہاتھ نہیں لگاتے۔'' اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اس خنجر کو دیکھ کر فرمایا: میں عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل ابولؤلو فیروز کے پاس سے گزرا۔ ہرمزان اور جفینہ اس کے ساتھ تھے۔ وہ تینوں آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ میں اچانک ان کے پاس پہنچا تو مجھے دیکھ کر وہ بھاگے اور ایک خنجر ان کے درمیان گر پڑا جس کے دو پھل تھے اور دستہ درمیان میں تھا۔ دیکھو، وہ خنجر کیسا ہے؟ جس سے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا۔ لوگوں نے اس خنجر کو دیکھا تو واقعی وہی خنجر تھا جو سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا۔ اب اس معاملہ میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا کہ

Marfat.com

اس سازش میں کم از کم یہ تینوں آدمی ضرور شریک ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کاشانہ خلافت میں بستر پر لیٹے تھے۔ طبیب نے انہیں سفر آخرت کی تیاری کا مشورہ دے رہا تھا اور ارباب حل وعقد اس ناگہانی مصیبت کے متعلق ان سے گفتگو کر رہے تھے جو مسلمانوں کے اس عظمت مآب خلیفہ (جس سے قیصر و کسریٰ کانپتے تھے) کی وفات کے بعد خطرناک نتائج کا سبب بن سکتی تھی۔ قریباً ۳۱ لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی اس سلطنت کا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کون خلیفہ اور جانشین ہوگا، یہ مسئلہ اس وقت ہر شخص کی توجہ کا مرکز تھا۔ خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اس بارے میں سخت پریشان تھے۔ سب حضرات بیٹھے ہوئے تھے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین سے کہا: ''بہتر ہوتا اگر آپ کسی کو خلیفہ اور اپنا جانشین نامزد فرما دیتے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کس کو۔'' عرض کی گئی کہ آپ کا کام کوشش کرنا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں کسے خلیفہ بناؤں۔ پھر مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ نے نام لیا اور کہا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ بنا دیتا۔

جانشینی کا یہ مسئلہ نہایت اہم تھا۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کو حل نہ فرماتے تو خطرہ تھا کہ یہ کہیں الجھ نہ جائے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

''تمہارے لیے یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں اور علی، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوام اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو۔ جب وہ آپس میں ایک کو خلیفہ بنالیں تو اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرو۔'' (طبری: ۲۹۳/۳)

ادھر کاشانہ خلافت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی روح آپ کے جسم کا ساتھ چھوڑ رہی تھی ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں بیٹھے آپ کی شہادت اور اس سازش کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جس کی وجہ سے یہ شہادت ہوئی۔ دراصل یہ اسلام میں سب سے پہلی دہشت گردی تھی۔ کچھ حضرات اندیشہ ہائے فردا کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد میت کو غسل دیا گیا اور تین کپڑوں میں آپ کو کفنایا گیا اور پھر آپ کے جنازہ کو مسجد نبوی میں لایا گیا۔ نماز جنازہ کا حکم ایک اور شخص کو دیا۔'' پھر فرمایا: ''صہیب رضی اللہ عنہ آؤ اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھاؤ۔'' (طبقات: ۳۲۷/۳)

Marfat.com

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور عہد عثمانی

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قبر کی آغوش میں استراحت کے لیے چلے گئے کیونکہ وہ اپنے پورے دور خلافت میں بے قرار اور مضطرب ہی رہے۔ ایک لمحہ بھی انہیں زمین کی اس پیٹھ پر آرام واستراحت میسر نہ ہوئی۔ مسجد نبوی میں جو لوگ جمع تھے غم ان کے دلوں کی تہہ میں اتر چکا تھا کیونکہ جو سورج آج ڈوبا تھا وہ پھر کبھی طلوع نہ ہوا اور جو کائنات آج اجڑی تھی وہ کائنات پھر کبھی آباد نہ ہوئی۔ اور جو ستارہ آج ٹوٹا تھا اس ستارے کا دوبارہ ابھرنا ممکن نہ ہوا اور جو چاند آج چھپا تھا اس چاند نے پھر کبھی بھی آسمان کے دریچوں سے نہ جھانکا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد مجلس مشاورت کا اجلاس ہوا۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک موقعہ پر یہ خدشہ پیدا ہو گیا کہ معاملہ طول نہ پکڑ جائے، لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس وصیت پر عمل پیرا ہونے کے لیے کہ چوتھا دن ایسا نہ آنا چاہیے کہ تمہارے اوپر تم میں سے کوئی امیر نہ ہو۔

(طبری: ۲۹۳/۳)

سب کی رائے یہ تھی کہ معاملہ کو مختصر کیا جائے کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فتح کردہ اتنی طویل و عریض سلطنت کو کسی خلیفہ کے بغیر زیادہ دن نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ لہٰذا معاملہ کو جلد نمٹانے کی غرض سے اہل مجلس نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اس بات کا اختیار دیا کہ وہ خلیفہ کے انتخاب کو جس مناسب طریقہ سے چاہیں حل کریں۔

اس بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سفر سے واپس تشریف لے آئے اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اہل مجلس کے سامنے ایک تحریک پیش کی کہ چھ میں سے تین حضرت دوسرے تین کے حق میں دست بردار ہو جائیں تا کہ اس معاملہ کو جلدی نمٹایا جا سکے۔ چنانچہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ بعد میں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔ اب صرف دو رکن باقی رہ گئے۔ ایک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔ سیدنا عبدالرحمٰن نے ان دونوں سے یہ عہد لیا کہ

Marfat.com

اگر اسے خلیفہ بنایا گیا تو وہ عدل کرے گا اور اگر دوسرے کو اس پر خلیفہ بنایا گیا تو وہ اس کی اطاعت اور فرماں برداری کرے گا۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۴۵/۷)

اب سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے یہ جاننے کے لیے کہ ان دونوں میں افضل کون ہے اور لوگوں کے دل کس کی طرف زیادہ مائل ہیں، مختلف لوگوں سے صلاح و مشورہ شروع کیا۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ ہی نے لکھا ہے کہ

''آپ کو دو آدمی بھی ایسے نہ ملے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دوسروں پر فضیلت اور ترجیح دینے میں مختلف ہوں۔'' (البدایہ والنہایہ: ۱۴۶/۷)

تین دن رات سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حالات کا جائزہ لیا اور ان دنوں میں نیند کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ تین دن کی شبانہ روز کوشش سے انہیں یہ پتہ چلا کہ کوئی شخص سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پایہ کا اور کسی کو نہیں سمجھتا۔ آخر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے چوتھے روز آپ اپنے بھانجے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور فرمایا: مسور! تم سو رہے ہو، بخدا میں تین روز سے نہیں سویا۔ فرمایا جاؤ علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ۔ سیدنا مسور رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ پہلے کس کے پاس جاؤں، فرمایا جس کے پاس تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ مسور رضی اللہ عنہ پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ میرے ماموں آپ کو بلا رہے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''میرے سوا کسی اور کو بھی بلایا ہے۔'' مسور رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو۔ پوچھا کس سے ابتدا کی؟ کہا: مجھے اول و آخر کا ان کی طرف سے کوئی حکم نہیں بلکہ یہ فرمایا تھا کہ دونوں کو بلا لاؤ۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسور رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو لیے۔ جب ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس سے گزرے تو میں اندر گیا اور انہیں بھی وہی کچھ کہا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا۔ انہوں نے بھی وہی کچھ پوچھا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا۔ ان دونوں کو لے کر میں اپنے ماموں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد ان دونوں حضرات سے کہا: میں نے آپ دونوں کے بارے میں لوگوں کی رائے معلوم کی، میں نے کوئی ایسا شخص نہیں پایا جو آپ دونوں کے برابر کسی کو سمجھتا ہو۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۴۶/۷)

اس کے بعد سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے وہ عمامہ باندھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنایا تھا اور تلوار حمائل کی اور مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ منبر نبوی پر تشریف فرما ہونے کے بعد کافی دیر

Marfat.com

تک دعا مانگتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

''حضرات! میں نے آپ لوگوں سے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر تمہارے امیر کی بابت دریافت کیا۔ مجھے پتہ چلا کہ تم میں سے کوئی بھی علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر کسی کو نہیں سمجھتا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۱۴۶/۷)

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: علی! میں نے لوگوں کے امر میں کافی غور وخوض کیا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، لہٰذا تم اپنے نفس پر مخالفت یا ملامت کا کوئی راستہ نہ نکالنا۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا: میں سنت اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی سنت پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔'' پس سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں نے اور امراء امصار اور دوسرے مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔'' (بخاری: ۱۰۶۹/۲-۱۰۷۰) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ ''اور لوگ آپ (عثمان رضی اللہ عنہ) کی طرف بیعت کے لیے بڑھنے لگے اور سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔'' (البدایہ والنہایہ: ۱۴۷/۷) بخاری میں ہے کہ سب سے پہلے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی۔ پھر مدینہ طیبہ کے لوگ اندر داخل ہوئے اور باری باری سب نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ (بخاری: ۵۲۴/۱)

اس طریقہ سے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے ایثار، دانائی، دوراندیشی اور مآل بینی سے اس الجھے ہوئے مسئلہ کو ایسا سلجھایا کہ پوری امت کا شیرازہ بکھرنے سے محفوظ ہو گیا۔

وفات

خلافت عثمانی میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی کوئی سیاسی اور حکومت سے متعلق کارکردگی تاریخ کی کتابوں میں ہمیں نہیں ملتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں انہوں نے ایک خاموش زندگی بسر کی۔ کسی جنگ میں بھی آپ نے اس عرصہ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ چنانچہ اسی خاموشی ہی میں آپ نے سنہ ۳۲ھ میں اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۷۵ برس تھی۔ ملکی مہمات میں شاید آپ نے

Marfat.com

اس وجہ سے بھی حصہ نہیں لیا کہ آپ کی عمر زیادہ ہو چکی تھی اور آپ اب اپنی عمر کو یادالٰہی اور عبادت خداوندی میں بسر کرنا چاہتے تھے۔ (اسد الغابہ: ۲۱۷/۳، مستدرک حاکم: ۳۰۸/۳)

جس روز آپ کا انتقال ہوا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا:

اذهب يا بن عوف! فقد ادركت صفوها وسبقت ونقها۔

''اے ابن عوف! جا تو نے دنیا کا صاف پانی پیا اور گدلا چھوڑ دیا۔''

(معجم کبیر طبرانی، حدیث: ۲۶۳، اسنادہ صحیح، حلیۃ الاولیاء لابن نعیم: ۱۰۰/۱، طبقات: ۹۶/۳)

اور جنازہ جا رہا تھا تو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہوئے جا رہے تھے: ''واجبلاہ'' یعنی آہ یہ ایک پہاڑ تھا جو چلا گیا۔ (طبقات ابن سعد: ۹۶/۳)

خلیفۂ وقت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس عظیم صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت البقیع کے قبرستان میں نمناک آنکھوں کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا۔

علم وفضل

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا کافی عرصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزارا تھا۔ اسلام میں جو پہلے آٹھ آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے یہ بھی ان میں سے ایک تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۶۸/۱)

اس وجہ سے آپ کا کیسہ علم وفضل علمی زروجواہر سے پُر تھا، لیکن انہوں نے دوسرے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح بہت کم احادیث روایت کی ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ کے مطابق بخاری اور مسلم میں ان کی صرف دو احادیث ہیں اور بخاری پانچ احادیث میں منفرد ہے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۶۸/۱)

آپ سے حدیث روایت کرنے والے سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا انس بن مالک اور ان کے صاحبزادگان ابراہیم، حمید، ابوسلمہ، جبیر بن مطعم، جابر بن عبداللہ، مسور بن مخرمہ، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، عمرو اور مصعب بن مالک بن اوس رضی اللہ عنہم اور ان کے سوا اور بہت سے حضرات ہیں۔

چونکہ ان کی رائے اکثر و بیشتر صواب ہوتی تھی اس وجہ سے خلفاء راشدین نے ان کی

Marfat.com

معلومات سے ہمیشہ فائدہ اٹھایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو ان کی اصابت رائے کے بہت قائل تھے۔ چنانچہ اپنی وفات کے وقت آپ نے جو مجلس مشاورت بنائی تا کہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنالیا جائے۔ اس مجلس مشاورت کو آپ نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا: عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نہایت دوراندیش، صائب الرائے، سلیم الطبع اور نہایت ہوشمند انسان ہیں۔ ان کی رائے کو نہایت ہوش سے سننا اور اگر خلافت کے بارے میں کوئی اختلاف واقع ہو جائے تو جس طرف عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہوں ان کا ساتھ دینا۔ (طبری: ۲۹۳/۳)

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نہایت ہوش مندی، دوراندیشی اور تجربہ کاری سے خلافت کے اس مسئلہ کو سلجھایا کہ کسی کو کوئی شکایت کا موقع نہ ملا۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ جب انتخاب خلیفہ میں کچھ اختلاف واقع ہوا تو سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اہل شوریٰ سے کہا: کیا تم مجھے یہ اختیار دیتے ہو کہ میں تمہارے درمیان فیصلہ کرادوں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا: ”ہاں، اور میں سب سے پہلا شخص ہوں جو اس پہ راضی ہوں کہ آپ جو فیصلہ کریں وہ منظور ہو گا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنا ہے کہ

انك امین فی اهل السماء، امین فی اهل الارض۔

”آپ آسمان والوں میں اور زمین والوں دونوں میں امین ہیں۔“

(طبقات ابن سعد: ۹۵/۳، حلیۃ الاولیاء: ۹۸/۱، الاستیعاب: ۷۶/۶، الاصابہ: ۳۱۲/۶، مستدرک حاکم: ۳۱۰/۳ وصحہ)

چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا اور ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تو ان کے بعد سب سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی۔ (بخاری: ۵۲۴/۱-۵۲۵، البدایہ والنہایہ: ۱۴۷/۷)

یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نیت کا خلوص اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی دیانت اور امانت پر ان کا اعتماد تھا۔ وہ صرف خدمت اسلام کا داعیہ دل میں رکھتے تھے وہ خواہ حکومت کی مسند پر بیٹھ کر ہو یا بغیر حکومت کی کرسی کے ہو۔ وہ کسی ذمہ داری کو اپنے سر لینا ایک بارگراں سمجھتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

انا لکم وزیراً خیر لکم منی امیراً۔ (نہج البلاغہ، جزو اول: ص ۱۷۹)

Marfat.com

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا جھگڑا چھڑا اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پیش کی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم انبیاء علیہم السلام کے ترکہ میں وراثت نہیں ہوتی، تو سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے نہایت بلند آہنگی سے اس حدیث کی تصدیق کی۔

اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب ایران مسلمانوں کے زیرنگین ہوا اور انہیں اس بات کی فکر لاحق ہوئی کہ آتش پرستوں اور مجوسیوں کے ساتھ کسی قسم کا سلوک ہونا چاہیے۔ اس مشکل کو اس وقت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حل فرمایا اور اہل مجلس کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے ساتھ اہل کتاب کی روش اور طریقہ اختیار کیا تھا اور انہیں ذمی قرار دیا تھا کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان سے جزیہ لینا نہیں چاہتے تھے اور سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس ھجر سے جزیہ لیا تھا۔

(مسند احمد: ۱/۱۹۰-۱۹۱، کتاب الخراج ابی یوسف: ص ۷۴، کتاب الاموال لابی عبید: ص ۳۲، بخاری، حدیث: ۳۱۵۶، ابوداود، حدیث: ۳۰۴۳، ترمذی، حدیث: ۱۵۸۶)

اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ نماز میں سہو کا مسئلہ پیش آیا اور انہیں اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہیں مل رہی تھی تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث رسول سنا کر اس مسئلہ کو حل کیا۔

(مسند امام احمد بن حنبل: ۱/۱۹۰، ترمذی، حدیث: ۳۹۸، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۰۲۹، مستدرک حاکم: ۱/۳۲۴-۳۲۵ وصححہ ووافقہ الذہبی)

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رمضان المبارک کے بارہ میں حدیث سنا کر ان کو رمضان المبارک کے صیام وقیام کی اہمیت بتائی۔ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے:

فرض الله عليكم صيام شهر رمضان، وسنت لكم قيامه، فمن صامه و قامه ايماناً واحتساباً خرج من الذنوب كيوم ولدته امه۔

(مسند احمد بن حنبل: ۱/۱۹۱-۱۹۵، نسائی: ۴/۱۵۸، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۳۲۸، مسند ابی داود طیالیس: ۱/۱۶۱)

Marfat.com

"اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر رمضان کے مہینے کے روزے فرض کیا اور میں اس کی راتوں کا قیام سنت قرار دیتا ہوں۔ پس جو شخص رمضان کے روزے اور اس کا قیام مومن ہوتے ہوئے اور ثواب کی نیت سے انجام دے، اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتے ہیں گویا کہ وہ آج ہی اپنی ماں کے ہاں پیدا ہوا ہے۔"

سنہ ۱۸ھ میں طاعون پھیلا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ طاعون زدہ علاقہ سے ہٹنا جائز ہے یا نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا کوئی حتمی اور قطعی جواب نہ دیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہ تھے، لیکن جب انہیں پتہ چلا تو حاضر ہو کر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ اور اگر تم پہلے سے طاعون زدہ علاقہ میں مقیم ہو تو وہاں سے نہ ہٹو۔ (بخاری، باب الطاعون)

آپ کی کتاب علم و فضل کے بارے میں یہ بھی ایک اہم باب ہے کہ مدینہ طیبہ میں سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم کے زمانوں میں سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا ابن بن کعب اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اصحاب افتاء تھے اور یہ دونوں اصحاب ضرورت کے وقت ان سے رجوع فرماتے تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۱۰۹/۲)

آپ کے مناقب و فضائل بھی بے شمار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ان کو جنت کی خوش خبری دی۔ پھر وہ اصحاب بدر میں سے تھے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش خبری دی تھی کہ

اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔

(بخاری، حدیث: ۳۰۰۷-۳۰۸۱-۱۹۸۳-۴۲۷۴-۴۸۹۰-۶۲۵۹-۶۹۶۳، مسلم حدیث: ۲۴۹۴، ابوداود، حدیث: ۲۶۵۰، ترمذی، حدیث: ۳۳۰۲)

"جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔"

دوسری فضیلت ان کی یہ ہے کہ وہ بیعت رضوان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا۔ (ملاحظہ ہو سورۃ الفتح: ۱۸)

Marfat.com

پھر ایک اور فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ عطا فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی۔

(مسند احمد بن حنبل: ۴/۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱، نسائی: ۱/۷۷، مسلم، حدیث: ۸۱، ابوداود، حدیث: ۱۵۱، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۵۴۵، طبقات ابن سعد: ۳/۹۱، الاصابہ: ۶/۳۱۲، مسند ابوداود طیالسی، حدیث: ۲۲۳-۶۹۱، بخاری نے بھی مختلف روایات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث: ۱۸۲-۲۰۳-۲۰۶-۳۶۳-۳۸۸-۲۸۱۸-۴۴۲۱-۷۵۹۹)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مابین کچھ مناقشہ ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں مجھے معاف کرو کیونکہ اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا بھی اللہ کے راستے میں خرچ کر دو تو تم ان کے ایک مد یا اس کے نصف کے برابر بھی ثواب حاصل نہیں کر سکتے۔'' (مجمع الزوائد: ۱۰/۱۵ اور جالہ رجال الصحیح، مسلم، حدیث: ۲۵۴۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۱)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے خالد! اہل بدر میں سے کسی شخص کو اذیت نہ دو، اگر تو احد پہاڑ کے برابر بھی سونا اللہ کے راستے میں خرچ کر دے تو ان کے عمل کو نہیں پہنچ سکتا۔ (مجمع الزوائد: ۹/۳۴۹، مستدرک حاکم: ۳/۲۹۸، تاریخ بغداد: ۱۲/۱۵۰)

سعید بن زید فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کے ہمراہ حرا پہاڑ پر تشریف فرما تھے۔ پہاڑ ہلا تو آپ ﷺ نے فرمایا: حرا ٹھہر، تم پر نبی، صدیق اور شہید ہیں۔

(مسند احمد بن حنبل: ۱/۱۸۸-۱۸۹، ابوداود، حدیث: ۴۶۴۸، ترمذی، حدیث: ۳۷۵۸)

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ''سید المسلمین'' اور ''خیار المسلمین'' کہا جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ صغیر جلد ا، ص ۹۰ میں لکھا ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے جو کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ تھیں، پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نے تم سے یہ فرمایا تھا کہ تم سید المسلمین عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لو؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۸۴)

Marfat.com

خوفِ خدا

نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خوف خدا کا جذبہ اس حد تک پیدا فرمایا کہ وہ دنیا کے ہر معاملہ میں مرقع عبرت بن جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی ہیبت ان کے دلوں میں ہر وقت جاگزین رہتی۔ بے خوفی کی زندگی میں ان کا ایک لمحہ بھی نہ گزرتا۔ اللہ کا خوف انہیں ہر وقت بے چین رکھتا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ میں بھی خوف خدا کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ حق تعالیٰ شانہ نے دنیوی دولت سے بھی مالا مال فرمایا ہوا تھا۔ ڈھیروں سونا موجود تھا، لیکن ہر وقت رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کا فقر و فاقہ کوزۂ ذہن میں انگڑائیاں لیتا رہتا۔ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ دن بھر روزہ سے رہے۔ شام کے وقت جب افطاری کے لیے کھانا سامنے آیا تو بے اختیار مسلمانوں کا گزشتہ فقر و فاقہ اور تنگ دستی کا زمانہ یاد آ گیا۔ فرمانے لگے: ''مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ مجھ سے بہتر تھے لیکن جب شہادت سے ہم کنار ہوئے تو کفن کے لیے صرف ایک چادر میسر آئی جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ اسی طرح جب حمزہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا حالانکہ وہ مجھ سے بہت بہتر تھے، وہ بھی اس دنیا سے ایسے ہی تشریف لے گئے، لیکن اب دنیا ہمارے لیے کشادہ ہوگئی اور ہمیں دنیوی نعمتیں اس فراوانی سے عطا کی گئیں کہ مجھے خدشہ ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا ہی میں ہمیں مل گیا ہے۔ اتنا کہنا تھا کہ دل میں اس قدر رقت طاری ہوئی کہ وہ آنسوؤں کی شکل میں آنکھوں سے بہنے لگی اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ (بخاری، باب غزوۂ احد)

حب رسول ﷺ

حب رسول کا جذبہ بھی ایک مومن کے ایمان کا جزو اعظم ہے، وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید بھی ہمیں رسول اللہ ﷺ ہی کی معرفت حاصل ہوئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور اتباع بغیر محبت کے ہو نہیں سکتی۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بھی بارگاہ نبوت کے ایک مقرب صحابی ہونے کے ناطے رسول اللہ ﷺ سے شدید محبت کرتے تھے۔ روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کبھی باہر تشریف لے جاتے تو سیدنا عبدالرحمٰن آپ کے پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیتے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ باہر

Marfat.com

تشریف لے گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بھی حسب معمول آپ کے پیچھے ہو لیے۔ یہاں تک کہ سرکار دو عالم ﷺ ایک نخلستان میں پہنچ کر بارگاہ رب العزت میں سربسجود ہو گئے اور آپ اتنی دیر تک سجدہ میں رہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ شاید روح اطہر جسد عنصری سے پرواز کر کے اپنے رب سے جا ملی ہے۔ آپ گھبرا کر قریب آئے تو سرکار دو عالم ﷺ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور فرمایا: ''عبدالرحمٰن! کیا ہے؟'' سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ عرض کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جبرئیل نے مجھ سے کہا: کیا میں آپ کو یہ خوش خبری نہ دوں کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص آپ ﷺ پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا۔'' (مسند احمد بن حنبل: ص ۱۹۱) یعنی آپ ﷺ نے یہ بتایا کہ یہ طویل سجدہ اسی کا سجدۂ تشکر تھا۔

جنگ احد میں ایک موقع ایسا آیا جب پیغمبر اسلام ﷺ دشمنوں کے نرغہ میں پھنس گئے۔ انہوں نے پے در پے تابڑ توڑ حملے آپ ﷺ کی ذات اقدس پر شروع کر دیے کیونکہ اب پوری جنگ کا مرکز ثقل آپ کی ذات تھی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آواز دی "الی عباداللہ" یعنی اللہ کے بندو ادھر میری طرف آؤ۔ یہ وہ موقع تھا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانثاری اور دلی محبت کا نہایت سخت امتحان تھا۔ اس وقت طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوری طور پر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور آفتاب نبوت کے لیے ہالہ بن گئے۔ ان میں سات مہاجر اور سات انصار تھے۔ ان سات مہاجرین میں ایک سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے جو اس کٹھن آزمائش میں پورے اترے۔ اس میں آپ کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے اور جسم پر بیس زخم آئے جن میں ایک پاؤں پر ایسا کاری زخم آیا کہ لنگڑا کر چلنے لگے۔

(الاصابہ: ۳۱۳/۶، سیرۃ ابن ہشام: ۸۳/۲، طبرانی معجم کبیر: ۲۶۱)

مستدرک حاکم جلد ۳، ص ۳۰۸ میں ہے کہ اکیس (۲۱) زخم کھائے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے انتقال کے بعد بھی ہر وقت دل میں آپ ﷺ کی یاد تازہ رہتی۔ چنانچہ نوفل بن ایاس رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اکثر سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہتا تھا کیونکہ وہ ایک بہترین ہم نشین تھے۔ ایک روز وہ ہمیں اپنے دولت کدہ پر لے گئے۔ ہمیں بٹھا کر اندر تشریف لے گئے اور غسل کر کے باہر تشریف لائے۔ تھوڑی دیر کے بعد کھانا آیا تو روٹی

Marfat.com

اور گوشت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے۔ نوفل فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا: ابو محمد! اس میں رونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا لیکن پوری زندگی آپ ﷺ کو اور آپ کے اہل وعیال کو پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نہ ملی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے بعد اتنے عرصے تک دنیا میں رہنا ہمارے لیے بہتر نہیں ہے۔'' (الاصابہ: ۱۷۷/۴)

عدل وصداقت

ویسے تو نبی کریم ﷺ کا ہر صحابی عدالت وصداقت کا مینار تھا لیکن سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی زندگی کا عدل وصداقت ایک طرۂ امتیاز تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی صداقت پر اس قدر اعتماد تھا کہ مدعی یا مدعیٰ علیہ ہونے کی حیثیت میں بھی وہ تنہا ان کی روایت اور بیان کو کافی سمجھتے تھے چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی اپنی نماز میں بھول جائے تو وہ کیا کرے؟ اس بارے میں آپ نے نبی اکرم ﷺ سے کچھ سنا ہے تو بیان کریں۔ میں نے کہا: واللہ! مجھے اس بارے میں کچھ علم نہیں۔ اے امیر المؤمنین! آپ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا ہے تو آپ فرمائیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں سنا۔ اتنے میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ انہوں نے ہم سے پوچھا: آپ حضرات کیا بات کر رہے تھے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ سب بات سنائی۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں آپ کی عدالت وصداقت پر اعتماد ہے، فرمائیں آپ نے کیا سنا ہے؟ سیدنا عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی نماز میں بھول جائے اور اسے یہ پتہ نہ چلے کہ اس نے زیادہ رکعت پڑھی ہیں یا کم۔ اگر اسے یہ شک ہو کہ اس نے ایک رکعت پڑھی ہے یا دو تو وہ اس کو ایک ہی سمجھے۔ اگر یہ شک ہو کہ دو پڑھی ہیں یا تین تو اسے دو ہی سمجھے۔ اور اگر تین یا چار میں شک ہو تو اسے تین سمجھے حتیٰ کہ اسے زیادہ میں وہم ہو۔ پھر وہ دو سجدے کرے اس حال میں کہ وہ بیٹھا ہوا ہو اور یہ دو سجدے وہ سلام سے پہلے کرلے پھر وہ سلام پھیرے۔

(مسند احمد: ۱۹۰/۱، ترمذی، روایت: ۳۹۸، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۰۲۹، مستدرک حاکم: ۳۲۴/۱-۳۲۵، وصححہ ووافقہ الذہبی، ابن حبان، حدیث: ۵۳۳)

Marfat.com

اسی سلسلہ میں ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ایک استغاثہ دائر کیا کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ایک قطعہ اراضی خریدا ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بارگاہ نبوت سے جاگیر کے طور پر مرحمت ہوا تھا، لیکن سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا یہ دعویٰ ہے کہ انہیں اور عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ساتھ جاگیر عطا فرمائی گئی اور فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک ان کا حصہ ہے اور فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک میرا حصہ ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے موافق یا مخالف شہادت دے سکتے ہیں۔

(مسند امام احمد بن حنبل: ۱۹۲/۱)

یہ درست ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدول ہیں۔ یہ تمام امت کا اجماعی عقیدہ ہے لیکن بعض حضرات بعض سے زیادہ عدل اور اثبت ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سہو فی الصلوٰۃ والی حدیث میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت پر قناعت کی لیکن حدیث استئذان میں جس میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا استأذن احدکم ثلاثاً فلم یؤذن له فلیرجع۔

''کہ جب تم میں سے کوئی اندر آنے کی تین بار اجازت طلب کرے اور اسے اجازت نہ ملے (یا کوئی جواب نہ آئے) تو اسے واپس لوٹ جانا چاہیے۔''

تو اس روایت کو سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس روایت پر کوئی دلیل اور شہادت لائیں وگرنہ میں آپ کو سزا دوں گا۔ چنانچہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس پر شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: میں آپ کو اس روایت کے بارے میں متہم قرار نہیں دیتا، لیکن مجھے خدشہ ہے کہ لوگ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا نہ شروع کر دیں۔

(ابوداود، حدیث: ۵۱۸۰ تا ۵۱۸۴، مسلم، حدیث: ۲۱۵۳، بخاری، حدیث: ۶۲۴۵، مسند احمد بن حنبل: ۳۹۳/۴-۳۹۸-۴۰۰-۴۱۰-۴۱۷ وغیرہ)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مجھ سے کوئی شخص حدیث بیان کرتا ہے تو میں اس سے حلف لیتا ہوں لیکن جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرتے ہیں تو میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صداقت پر مجھے پورا پورا اعتماد ہے اور سید

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ ان سے حلف نہیں لیتے۔

(مسند احمد: ۱/۱۰۱، ابوداؤد، حدیث: ۱۵۲۱، ترمذی، حدیث: ۴۰۶-۳۰۰۹، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۳۵۹، مسند ابوداود طیالسی: ص ۲، صحیح ابن حبان، حدیث: ۲۴۵۴)

یہ بات بھی آپ کی دیانت و امانت اور صدق و عفاف پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا:

خیارکم خیارکم نسائی۔

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو میری ازواج (مطہرات) کے لیے بہتر ہوگا اور ان کی نگرانی و محافظت کرے گا۔''

یہ فرض خصوصی طور پر سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے متعلق تھا۔ وہ سفر اور حج کے موقعوں پر ازواج مطہرات کے ساتھ جاتے اور ان کے لیے سواری اور پردہ کا انتظام فرماتے تھے اور راستے میں بھی ان کے لیے ہر قسم کا انتظام و انصرام فرماتے تھے۔ ان کو اپنی امانت و دیانت اور اپنی عصمت و عفت کی وجہ سے امہارت المؤمنین کی خدمت و حفاظت اور ان کی نگرانی اور دیکھ بھال کا قابل فخر منصب نصیب ہوا۔ یہ ان کا ایک مخصوص طغرائے امتیاز تھا۔ (الاصابہ: ۴/۱۷۷)

ذریعہ معاش

آپ کا اصل ذریعہ معاش تجارت تھا مکہ مکرمہ میں بھی آپ تجارت کرتے تھے اور جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو تجارت ہی کو یہاں بھی آپ نے اپنا ذریعہ معاش بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کاروبار میں بڑی برکت دی تھی۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا ہوں تو اس کے نیچے سے سونا نکل آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ایک وسیع جاگیر بھی عطا فرمائی تھی۔ آپ نے خود بھی بہت سی قابل زراعت زمین خریدی اور کاشت کاری شروع کردی تھی۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ صرف ''جرف'' کے کھیتوں میں بیس اونٹ آپ کے کھیتوں میں آبپاشی کا کام کرتے تھے۔ (الاستیعاب: ۲/۴۰۳)

بعض جنگوں میں بھی حصہ لیا جہاں سے کافی مال غنیمت حاصل ہوا۔ اس وجہ سے نہایت

Marfat.com

وافر دولت راہ خدا میں خرچ کی جو کہ آپ کی فیاضی پر دال ہے۔ آئے روز ان کے تجارتی قافلے آتے جاتے جس کی وجہ سے ان کے ہاں دولت کے ڈھیر تھے لیکن آپ اتنی ہی فیاضی سے اس دولت کو راہ خدا میں خرچ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کا تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ آیا۔ اس میں سات سو اونٹوں پر صرف گیہوں، آٹا اور دوسری اشیاء خوردنی لدی ہوئی تھیں۔ (سبع مئة راحلة تحمل البر والدقيق والطعام) جب وہ عظیم الشان قافلہ مدینہ میں داخل ہوا تو پورے مدینہ میں اس کا شور وغل پڑ گیا۔ جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس قافلہ کا علم ہوا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

عبدالرحمن لایدخل الجنة الاحبواً۔

''کہ عبدالرحمٰن جنت میں رینگتے ہوئے جائیں گے۔''

جب سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:

یا امه! انی اشهدك انها باحمالها واحلاسها فی سبیل الله۔

(مسند احمد بن حنبل: ۱۱۵/۶، طبرانی، حدیث: ۲۶۶۴، طبقات ابن سعد: ۹۳/۳، حلیۃ الاولیاء: ۹۸/۱، اسد الغابہ: ۳۱۶/۳)

''اے اماں! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ پورا قافلہ مع اسباب وسامان بلکہ اونٹ اور کجاوہ تک اللہ تعالیٰ کے راستہ میں وقف کرتا ہوں۔''

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت مال دار تھے۔ لیکن ان میں حب دنیا نہیں تھی اور ہر برائی کی جڑ دراصل حب دنیا ہے کسب دنیا نہیں۔ کسب دنیا تو ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ انقلاب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں سے دنیا اور مال کی حرص اور محبت نکال دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی اللہ کے راستے میں مال کو خرچ کرنے کا سندیسہ بارگاہ رسالت سے آیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ صرف مال بلکہ جان بھی قربان کر دی۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اپنا نصف مال چار ہزار درہم اللہ کے راستے میں صدقہ کیے۔ پھر چالیس ہزار دینار صدقہ کیے۔ اور پانچ سو گھوڑے مع سامان اور پانچ سو اونٹ اللہ تعالیٰ کے راستے میں تقسیم کیے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

كان عامة ماله من التجارة۔

(طبرانی، حدیث: ۲۶۵، حلیۃ الاولیاء: ۹۹/۱، الاصابہ: ۳۱۱/۶، کنز العمال، حدیث: ۳۶۶۷۹

ونسبہ الی ابن عساکر ورجالہ ثقات اسد الغابہ: ۳۱۶/۳)

''آپ کا عام مال تجارت کی وجہ سے تھا۔''

بعض روایات میں ہے کہ قرآن حکیم میں ہے:

''جو لوگ طعن کرتے ہیں ان مسلمانوں پر جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان پر جو نہیں رکھتے مگر اپنی محنت کا (یعنی جو محنت و مشقت سے تھوڑا سا کما کر لائے) پھر ان پر مذاق کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے'' (التوبہ: ۷۹)

اس آیت کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار ہزار دینار یا درہم حاضر کر دیے۔ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ایک سو وسق کھجوریں (جن کی قیمت چار ہزار درہم ہوتی تھی) پیش کیں۔ منافق کہنے لگے کہ ان دونوں نے دکھلاوے اور نام و نمود کے لیے اتنا دیا ہے۔ ایک غریب صحابی ابو عقیل حجاب جو محنت و مشقت سے تھوڑا سا کما کر لائے، ان میں سے ایک صاع تمر صدقہ کیا تو مذاق اڑانے لگے کہ یہ خواہ مخواہ زور آوری سے لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ بھلا اس کی ایک صاع کھجوریں کیا پکار کریں گی۔ غرض تھوڑا دینے والا اور بہت خرچ کرنے والا کوئی ان کی زبان سے بچتا نہ تھا۔ کسی سے طعن اور کسی پر ٹھٹھا کرتے۔'' (فوائد عثمانی: ص ۲۶۴)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کی آیت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تحسین اور کفار کی مذمت میں نازل ہوئی۔ (الدر المنثور: ۲۶۲/۳ للسیوطی)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ جب آپ نے اپنا آدھا مال یعنی چار ہزار دینار یا درہم اللہ کے راستے میں صدقہ کیا تو منافقین نے کہا:

ان عبدالرحمن لعظيم الرياء (سیر اعلام النبلاء: ۸۰/۱)

Marfat.com

''بے شک عبدالرحمٰن بہت بڑا ریاکار ہے۔''

ایک مرتبہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ عرض کی: اے ام المؤمنین! مجھے خوف ہے کہ میں ہلاک نہ ہو جاؤں کیونکہ میں قریش کا سب سے زیادہ مال دار شخص ہوں۔ میں نے ایک قطعہ اراضی چالیس ہزار دینار میں فروخت کیا ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بیٹا! راہ خدا میں اپنے مال کو صرف کرو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے اصحاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ مفارقت کے بعد انہیں میرا دیدار نصیب نہ ہوگا۔ (ان من اصحابی من لن یرانی بعد ان افارقه) فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں یہ بتایا۔ پس وہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور عرض کی:

''کیا میں بھی ان میں سے ہوں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: بالکل نہیں، میں آپ کے بعد کسی کو بری نہیں کرتی۔''

(الاستیعاب: ۶/ ۷۹-۸۰، مسند احمد: ۶/ ۳۱۷-۲۹۸-۳۱۲ ورجالہ ثقات)

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو چالیس ہزار دینار میں ایک قطعہ اراضی فروخت کیا اور وہ ساری رقم بنی زہرہ کے فقراء اور مہاجرین اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن میں تقسیم کر دی۔ مسور کہتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حصہ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یہ رقم کس نے بھیجی ہے؟ میں نے عرض کیا: ''عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: میرے بعد وہی لوگ تم پر مہربانی کریں گے جو صابر ہوں گے اللہ تعالیٰ ابن عوف رضی اللہ عنہ کو جنت کے چشمہ سلسبیل سے پانی پلائے۔ (مسند احمد بن حنبل: ۴/ ۱۰۴-۱۳۵، مستدرک حاکم: ۳/ ۳۱۰ وصحح)

عروہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے پچاس ہزار دینار اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی وصیت فرمائی اور ہر ایک آدمی کو ایک ہزار دینار دیا گیا۔

اور زہری فرماتے ہیں کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اصحاب بدر کے لیے وصیت فرمائی۔ اس وقت سو بدری صحابی مدینہ میں موجود تھے جن میں سے ہر ایک کو چار چار سو دینار ملے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۹۰، اسد الغابہ: ۳/ ۳۱۷)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خدمت کو آپ اپنا سرمایۂ زندگی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ازواج

Marfat.com

مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ایک باغ کی وصیت فرمائی جو چار لاکھ میں فروخت کیا گیا۔
(مستدرک حاکم: ۳/۳۱۱-۳۱۲، وقال صحیح علی شرط مسلم، ولم غیرجا، ووافقہ الذہبی، ترمذی: ۳۷۵۰)
اس سے قبل بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بڑی بڑی رقوم پیش کیں۔ ایک دفعہ ایک جائداد امہات المومنین کو پیش کی جو چالیس ہزار دینار میں فروخت ہوئی۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے صاحبزادے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے اکثر بطریق تشکر و دعا فرمایا کرتی تھیں خدا تمہارے باپ کو سلسبیل جنت سے سیراب کرے۔ (ترمذی: ص۶۲۱)

عام خیرات وصدقات کی یہ حالت تھی کہ ایک ہی دن میں تیس تیس غلام آزاد کر دیتے تھے۔ پوری زندگی میں اتنا کچھ اللہ کے راستے میں دینے کے باوجود وفات کے بعد بھی اس فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کو فراموش نہیں کیا۔ چنانچہ وفات کے وقت بھی پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے اللہ کے راستے میں وقف کر دیے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تجارت میں بڑے خوش قسمت انسان تھے۔ اور وفات کے وقت انہوں نے ایک ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں، ایک سو گھوڑے ترکہ میں چھوڑے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۹۲)
اور ابونعیم نے حلیۃ میں جعفر بن برقان کا قول نقل کیا ہے کہ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی میں تیس ہزار غلام آزاد کیے۔ (حلیۃ الاولیاء: ۱/۹۹)
زندگی میں اتنا اللہ کی راہ میں تقسیم کرنے کے باوجود اتنی وافر دولت چھوڑ گئے کہ ان کی چاروں بیویوں نے ان کے ترکہ کے صرف آٹھویں حصہ سے اسی اسی ۸۰،۸۰ ہزار دینار پائے۔
بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہر بیوی نے ایک ایک لاکھ دینار پایا۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۹۰-۹۱)
لکھا ہے کہ سونے کی اینٹیں اتنی بڑی بڑی تھیں کہ کلہاڑی سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کی گئیں اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے اور غیر منقولہ جائیداد سے جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ ایک ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں اور سو گھوڑے چھوڑے اور نقدی اس کے علاوہ تھی۔

(اسد الغابہ: ۲/۳۱۷)

دینی زندگی

سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی دینی زندگی نہایت اعلیٰ تھی اور ایک مومن کی دینی زندگی اعلیٰ ہی

Marfat.com

ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے بڑا حوصلہ عطا فرمایا تھا۔ کسی شخص کے بارے میں ان کے دل میں ذرہ برابر بھی بغض و کینہ نہیں تھا۔ ایک مرتبہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ رنجش پیدا ہو گئی۔ اسی اثناء میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو فوراً ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر کہا: میرے بھائی! خدا کی قسم، تم مجھ سے بہت بہتر ہو۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: طلحہ! ایسا نہ کہو۔ لیکن سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم میں نے بالکل درست کہا کیونکہ اگر تم بیمار ہوتے تو میں تمہاری عیادت کے لیے نہ جاتا۔ (سیر اعلام النبلاء: ۸۹/۱)

آپ نماز نہایت خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے خصوصاً نماز ظہر سے قبل دیر تک نوافل میں مشغول رہتے۔ (الاصابہ: ۱۷۷/۴)

روزے اکثر رکھتے اور حج کے لیے بھی کئی دفعہ تشریف لے گئے۔ امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سنہ ۱۳ھ میں یعنی جس سال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسند نشین خلافت ہوئے، امارت حج کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی تھی۔ (الاصابہ: ۱۷۷/۴)

حلیہ و معاشرت

آپ کا حلیہ کتابوں میں یوں منقول ہے:

قد طویل، رنگ سرخ و سفید، چہرہ کتابی، ریش دراز اور سر پر کان سے نیچے تک گھونگھرو دار زلفیں۔ کلائی مضبوط اور گٹھی ہوئی، انگلیاں لحیم و شحیم، سامنے کے دو دانت گرے ہوئے تھے۔ اور جنگ احد میں چونکہ بیس کے قریب زخم آئے تھے جن میں سے ایک زخم پاؤں پر آیا تھا اس وجہ سے پاؤں میں لنگ تھا۔

(طبقات ابن سعد: ۹۴/۳، مستدرک حاکم: ۳۰۸/۳، الاصابہ: ۳۱۲/۶، الاستیعاب: ۷۵/۶)

آپ کی معاشرت نہایت سادہ تھی، دستر خوان وسیع تھا لیکن تکلفات سے یک قلم خالی۔ اگر کبھی پُر تکلف اور خوش ذائقہ کھانا سامنے آتا تو گزشتہ فقر و فاقہ کو یاد کر کے مصروف گریہ و بکا ہو جاتے۔ بعض دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقر و فاقہ کی زندگی کو بھی یاد کرتے اور پھر آنکھیں نمناک ہو جاتیں۔

انہیں خاص طور پر ریشم پہننے کی اجازت دی تھی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان

Marfat.com

کے صاحبزادے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے بھی باپ کو دیکھ کر ریشمی کرتہ پہن لیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس کے چیتھڑے اڑا دیے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بھی پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کو پتہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ریشم پہننے کی خاص اجازت دی ہوئی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے لیکن وہ اجازت صرف تمہارے لیے ہے دوسروں کے لیے نہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۹۴/۳)

ازواج واولاد

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عربوں کے دستور کے مطابق مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں۔ بیویوں کے ساتھ ان کا برتاؤ نہایت اعلیٰ اور لطف ومحبت کا تھا۔ ایک انصاری عورت سے شادی کی تو بیس ہزار دینار حق مہر میں دیے۔ مختلف اوقات میں جو شادیاں کیں ان بیویوں کے نام یہ ہیں:

(۱) کلثوم بن عتبہ بن ربیعہ (۲) تماضر بنت الاصبغ (۳) کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط (۴) سہلہ بنت عاصم (۵) بجریہ بنت ہانی (۶) سہلہ بنت سہیل (۷) ام حکیم بنت قارظ (۸) بنت ابی الخشخاش (۹) اسماء بنت سلامہ (۱۰) ام حریث (یہ بہرا سے قید ہو کر آئے تھیں) (۱۱) مجد بنت یزید (۱۲) غزال بنت کسریٰ (یہ مدائن سے گرفتار ہو کر آئی تھیں اور خاندان کسریٰ کی شہزادی تھیں) (۱۳) زینب بنت الصباح (۱۴) بادیہ بنت غیلان۔ (استیعاب: ۴۰۲/۲)

سیدنا عبدالرحمٰن کی اولاد بہت زیادہ تھی۔ جن لڑکوں کے نام مؤرخین نے ذکر کیے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) سالم (یہ اسلام سے قبل ہی پیدا ہوئے اور پہلے ہی مرے) (۲) محمد۔ ان پر ان کی کنیت ابومحمد تھی (۳) ابوسلمہ فقیہ (۴) ابراہیم (۵) اسماعیل (۶) حمید (۷) زید (۸) معن (۹) عمر (۱۰) عدی (۱۱) عروہ اکبر (۱۲) سالم اصغر (۱۳) ابوبکر (۱۴) عبداللہ (۱۵) عبدالرحمٰن (۱۶) مصعب (۱۷) سہیل (ابوالابیض) (۱۸) عثمان (۱۹) عروہ (۲۰) یحییٰ (۲۱) بلال۔

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں:

(۱) ام القسم (یہ زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئی تھیں) (۲) حمیدہ (۳) امۃ الرحمٰن صغریٰ (۴) ام یحییٰ (۵) جویریہ (۶) امیہ (۷) مریم۔

Marfat.com

Marfat.com

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں اور ان کا تعلق بھی السابقون الاولون میں سے ہے۔ بدر واحد کی جنگوں میں نمایاں کردار ادا کیا اور ان چھ اہل الشوریٰ میں سے ایک ہیں جن کو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلیفہ کے لیے مقرر کیا تھا۔

نام ونسب

نام سعد، کنیت ابواسحاق، والد کا نام مالک اور کنیت ابووقاص۔ سلسلۂ نسب یوں ہے:

سعد بن مالک (ابی وقاص) بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن نضر بن کنانہ القرشی، الزہری المکی۔

والدہ کا نام حمنہ تھا جس کا نسب یوں ہے:

حمنہ بنت امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

(طبقات ابن سعد: ۹۷/۳، مستدرک حاکم: ۴۵۹/۳، الاصابہ: ۱۶۰/۴)

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ننہیال زہری خاندان سے تھی اس وجہ سے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا: یہ میرے ماموں ہیں جس شخص کا ایسا ماموں ہو وہ مجھے دکھائے۔

(ترمذی، حدیث: ۳۷۵۳، معجم کبیر طبرانی، حدیث: ۳۲۳، طبقات ابن سعد: ۹۷/۳، مستدرک حاکم: ۴۹۸/۳ وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

Marfat.com

چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کی والدہ زہری قبیلہ سے تھیں جن کا نسب یہ ہے:
آمنہ بنت وہب بن عبد مناف اور یہ ابو وقاص کے چچا کی بیٹی تھیں۔اس لحاظ سے آپ جناب رسول اللہ ﷺ کے ماموں ہوتے تھے۔

اسلام

سیدنا سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی عمر انیس تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو توحید ورسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی دعوت پر ایمان لائے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ صرف خود ایمان لائے بلکہ اس دین کی دعوت دوسروں تک بھی پہنچانا شروع کر دی۔چنانچہ خود اسلام قبول کرنے کے بعد وہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ بن عبید اللہ، سیدنا زبیر بن العوام اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ ان حضرات کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔(فانطلقوا الیٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعهم ابوبكر) اور یہ سب حضرات ایمان لے آئے۔اس طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت سے ۳۸ حضرات حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔(البدایہ والنہایہ:۳/۳۰)

گویا ان کا اسلام لانا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا مرہون منت ہے۔خود فرماتے ہیں کہ جس روز میں اسلام لایا اس روز اور کوئی اسلام نہیں لایا تھا اور اسلام لانے میں تیسرا مسلمان ہوں۔

(البدایہ والنہایہ:۳/۳۰)

لیکن محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ آپ سے پہلے چھ سات اور بزرگ حلقہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، البتہ یہ ممکن ہے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہ ہو کیونکہ وہ ایسا وقت تھا جو کہ لوگ اسلام لا کر اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

جونہی آپ نے اسلام کی اس صدائے سامعہ نواز پر لبیک کہا آپ کی والدہ پریشان ہو گئیں۔خود بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کا بڑا فرمانبردار تھا۔میں جب اسلام لایا تو میری والدہ نے کہا: اے سعد! یہ تو نے کیا نیا دین قبول کر لیا۔جب تک تو اس دین کو نہیں چھوڑے گا میں نہ کھاؤں گی، نہ پیوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں گی۔میرے لیے یہ نہایت آزمائش کا موقع تھا۔

Marfat.com

میں پریشان حال تھا کہ اگر میری ماں کھائے پیے بغیر مرگئی تو پوری زندگی میرے لیے یہ طعنہ رہے گا کہ میں اپنی ماں کا قاتل ہوں۔ چنانچہ میں نے والدہ سے استدعا کی کہ اماں! تو ایسا نہ کر۔ میں یہ دین کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن والدہ نہ مانی اور میری استدعا کو اس نے درخور اعتنا نہ سمجھا۔ چنانچہ والدہ نے مسلسل تین روز بے آب و دانہ گزار دیا۔ میں نے والدہ کی اس ضد کو دیکھا تو اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اب میں نے جو اپنے دل کو ٹٹولا تو دیکھا کہ اس میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ میں نے اب اپنی والدہ سے کہا: اماں! اللہ کی قسم! تو یہ جان لے کہ اگر تیری لاکھ جانیں بھی ہوں اور وہ ایک اک کر کے نکل جائیں تو پھر بھی میری جبین استقلال پر کوئی شکن نہیں پڑے گا اور میں ہرگز ہرگز اس دین کو چھوڑنے کا نہیں۔ اب تیری مرضی ہے کہ تو کھائے پیے یا نہ۔ میری اس استقامت کو دیکھ کر والدہ نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ ادھر خداوند قدوس کو بھی میری یہ شان استقامت ایسی پسند آئی کہ حق تعالیٰ شانہ نے تمام مسلمانوں کے لیے ایک ضابطہ نازل فرما دیا کہ معصیت خداوندی میں والدین کی اطاعت ضروری نہیں۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (العنکبوت: ۸)

"اور ہم نے انسان کو تاکید کر دی اپنے والدین سے بھلائی سے رہنے کی، اور اگر وہ تجھ پر زور کریں (یعنی دباؤ ڈالیں) کہ تو شریک کرے میرا جس کی تجھ کو خبر نہیں تو ان کا کہنا مت مان۔ پھر تم کو مجھ ہی تک آنا ہے، سو میں بتلا دوں گا کہ تم کو جو کچھ تم کرتے ہو۔"

(مسند احمد بن حنبل: ۱/۱۸۱-۱۸۲، مسلم حدیث: ۱۷۴۸، ترمذی، حدیث: ۳۰۸۰-۳۱۸۸، ابوداود، حدیث: ۲۷۴۰، الدر المنثور: ۵/۱۴۱)

اس آیت کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"دنیا میں ماں باپ سے زیادہ حق کسی کا نہیں، پر اللہ کا حق ان سے زیادہ ہے۔ ان کی خاطر دین نہ چھوڑے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی والدہ نے جو مشرکہ تھی، بیٹے کے اسلام کی خبر سن کر عہد کیا کہ دانہ پانی کچھ نہ چکھوں گی، نہ چھت

Marfat.com

کے نیچے آرام رکوں گی تاوقتیکہ سعد (معاذ اللہ) اسلام سے نہ پھر جائے۔ چنانچہ کھانا پینا ترک کر دیا اور بالکل نڈھال ہو گئی۔ لوگ زبردستی منہ کھول کر کھانا پانی دیتے تھے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ گویا بتلا دیا کہ والدین کا اس طرح خلاف حق پر مجبور کرنا یہ بھی ایک ابتلا وامتحان ہے، چاہیے کہ مومن کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہو۔"

(فوائد عثمانی: ص ۵۲۸)

قبول اسلام کے بعد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مکہ ہی میں مقیم رہے۔ اس وقت مکہ کی جو حالت تھی وہ ان لوگوں کے لیے بڑی خطرناک تھی جو دعوت اسلامی کو قبول کرتے تھے۔ ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے جاتے۔ اسلام سے ہٹانے کے لیے ہر قسم کے استبداد سے کام لیا جاتا۔ مکہ کی فضا ان لوگوں کے لیے جان لیوا اور شرارتوں اور مخالفتوں سے بھری ہوئی تھی۔ ہر طرف مصائب وشدائد کے پہاڑ کھڑے تھے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھی اسلام لانے کے بعد ان تمام سختیوں اور مصائب سے واسطہ پڑا، لیکن انہوں نے ان کے ظلم وستم سے بچنے کا ایک راستہ یہ تلاش کیا کہ مکہ کی ویران وسنسان گھاٹیوں میں چھپ کر خالق حقیقی کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اس کا ایک فائدہ ان کے لیے یہ بھی تھا کہ مکہ سے باہر پہاڑوں کی سنسان وادیوں میں رہ کر وہ قریش کے فاسقانہ کلچر سے محفوظ رہتے تھے کیونکہ شراب اور بدکاری، جوا اور سود خوری، عورتوں کی تحقیر اور بیٹیوں کا زندہ درگور کرنا، آزادوں کا غلام اور کمزوروں پر ظلم ڈھانا یہ سب اس فاسقانہ کلچر کے لوازمات تھے۔ یہ کلچر اور معاشرہ صدیوں کی راسخ شدہ عاداتِ بد اور فخر آمیز قومی روایات بن جانے والی رسوم قبیحہ سے ترکیب پایا ہوا تھا۔

ایک دفعہ ایک گھاٹی میں وہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اپنے معبود حقیقی کی عبادت میں مصروف تھے۔ اتفاق سے قریش کی ایک ٹولی ادھر آ نکلی اور ان کو مصروف عبادت دیکھ کر اسلام کا مذاق اڑانے لگی۔ اس بے بسی کے عالم میں بھی سرشار بادۂ توحید سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جوش آ گیا جو کہ ان کے ایمان کا ایک قدرتی تقاضا تھا۔ انہوں نے اسی وقت اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ان پر ماری کہ ان میں سے ایک مشرک ناہنجار کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا لیکن ایک صاحب ایمان کے اس جذبہ ایمانی کے سامنے وہ کچھ کر نہ سکے اور وہاں سے چلے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خون ریزی تھی جو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ (اسد الغابہ: ۲/۲۹۱)

Marfat.com

ہجرت

ذی الحجہ سنہ ۱۳ نبوی میں بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی۔ قریش کو اس سے بہت گھبراہٹ ہوئی۔ قریش مکہ کی زیادتیوں اور ان کے ظلم وتشدد نے مسلمانوں کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا۔ وہ فتنہ کفر سے بچنے اور اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کے لیے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں تھے۔ ہجرت حبشہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں سیدنا ابو سلمہ، سیدنا عمر بن ربیعہ اور سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہم وغیرہم تھے، کو جب پتہ چلا کہ یثرب میں انہیں امن مل سکتا ہے تو وہ بیعت عقبہ ثانیہ سے ایک سال قبل ہی یثرب چلے آئے تھے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۴۶۸/۱، فتح الباری: ۱۸۰/۷)

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد قریش کے جور وستم میں تیزی آ گئی۔ اب مکہ مکرمہ میں دعوت حق کی مظلومی انتہا کو پہنچ گئی اور لبیک کی جگہ ہر طرف سے تلوار کی جھنکار سنائی دیتی تھی۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھائی بھی بنا دیے (جو ہماری نصرت کریں) اور وطن (مرکز) بھی بنا دیا ہے جس میں تم امن پاؤ۔''

(البدایہ والنہایہ: ۱۶۹/۳، الروض الانف: ۲۸۴/۱)

اس حکم کی بنا پر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح مدینہ کی راہ لی اور وہاں جا کر اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کے مکان میں فروکش ہوئے جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کا خون کیا تھا اور انتقام کے خوف سے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

(طبقات ابن سعد: ۹۹/۳)

غزوات میں شرکت

یہاں پہنچ کر اگرچہ مسلمانوں کو طمانیت نصیب ہوئی اور وہ آزادی کی کھلی فضا میں سانس لینے لگے، لیکن قریش مکہ نے انہیں یہاں بھی تنگ کرنے کا منصوبہ بنا لیا اور ہر وقت قریش کی حملہ آوری کا خطرہ موجود رہتا تھا۔ اسی خطرہ کے پیش نظر شوال سنہ ۱ھ میں رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کے ساٹھ یا اسی (۸۰) (علیٰ اختلاف الروایات) افراد پر مشتمل ایک دستہ سیدنا عبیدہ بن حارث

Marfat.com

بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت رابغ کی طرف بھیجا۔ اس دستہ میں کوئی انصاری نہ تھا بلکہ سب کے سب مہاجرین تھے۔ رابغ میں ابوسفیان سے سامنا ہوا جس کے ساتھ دوسو آدمی تھے، لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی۔ مگر دشمنان اسلام کے دستہ کو دیکھ کر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک تیر چلا ہی دیا۔ یہ اسلام میں سب سے پہلا تیر تھا جو چلایا گیا۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۵۹۴/۱، مستدرک حاکم: ۴۹۸/۳، الاصابہ: ۱۶۴/۴، طبقات ابن سعد: ۱۰۰/۳)

ابن ہشام وغیرہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے کچھ شعر بھی نقل کیے ہیں جن میں دو یہ ہیں ۔

الاهل اتی رسول الله انی
حمیت صحابتی بصدور نبلی
فما یعتد رام فی عدو
بسهم یا رسول الله قبلی

مسعودی نے قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے:

اول من رمیٰ بسهم فی سبیل الله سعد، وانه من اخوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس شخص نے سب سے پہلے اللہ کے راستے میں تیر چلایا وہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ اور بے شک وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموؤں میں سے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۹۸/۱)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ماموں ہونا مستدرک حاکم: ۴۹۸/۳ اور ترمذی، حدیث: ۳۷۵۳ وغیرہ سے بھی ثابت ہے۔

اس سریہ میں قریش مکہ کے دو آدمی جو پہلے ہی مسلمان تھے، لیکن قریش کے پنجہ میں ہونے کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکے تھے، مسلمانوں کے ساتھ آ ملے۔ ان میں سے ایک مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اور دوسرے عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ تھے۔

سیدنا عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا علم اس سریہ میں سفید تھا اور علم بردار لشکر سیدنا مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (زرقانی: ۳۹۱/۱، سیرۃ ابن ہشام: ۵۹۰/۲)

پھر ذی قعدہ سنہ ۱ھ میں بیس مہاجرین کی جمعیت پر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرما کر خرار کی جانب روانہ کیا۔ خرار جحفہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔ اس دستہ کو بھی

Marfat.com

آپ ﷺ نے قریش کے ایک قافلے کا پتہ لگانے کے لیے روانہ فرمایا تھا اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی فرمائی تھی کہ خرار سے آگے نہ بڑھیں۔ یہ سارے لوگ پیدل روانہ ہوئے۔ یہ حضرات رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے۔ جب یہ پانچویں روز خرار پہنچے تو پتہ چلا کہ قریش کا قافلہ ایک روز پہلے جا چکا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ واپس مدینہ منورہ آ گئے۔ (زاد المعاد: ۸۳/۲، طبقات ابن سعد: ۴/۲)

اس کے بعد آپ نے غزوہ بواط میں شرکت فرمائی۔ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس شامل ہوئے اور ربیع الاول سنہ ۲ھ یا ربیع الثانی میں دو سو مہاجرین کے ساتھ قریش کے ایک قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے بواط کی طرف روانہ ہوئے۔ (بواط ایک پہاڑ کا نام ہے جو مکہ سے شام جانے والی شاہراہ کے متصل اور مدینہ سے قریباً ۴۸ میل کے فاصلے پر ہے) قریش کے اس قافلہ میں ایک سو آدمی اور اڑھائی ہزار اونٹ تھے۔ امیہ بن خلف بھی اس قافلہ میں موجود تھا۔ بواط پہنچ کر پتہ چلا کہ قافلہ یہاں سے جا چکا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ بلا جنگ کے واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

اس غزوہ کے علم بردار سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔

(عیون الاثر: ۳۵۷/۱، سیرۃ ابن ہشام: ۵۹۸/۱، طبقات ابن سعد: ۷/۲، البدایہ والنہایہ: ۲۴۶/۳)

رجب سنہ ۲ھ میں رسول اللہ ﷺ نے بارہ مجاہدین کا ایک دستہ اپنے پھوپھی زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت مقام نخلہ کی طرف روانہ کیا۔ نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے۔ یہ مکہ سے ایک رات دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں طائف سے واپسی پر جنات نے آپ کا قرآن سنا تھا۔ یہ دستہ بارہ مہاجرین پر مشتمل تھا۔ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے۔ باقی گیارہ کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) سیدنا ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
(۲) سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
(۳) سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
(۴) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
(۵) سیدنا عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
(۶) سیدنا واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
(۷) سیدنا خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ
(۸) سیدنا سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ
(۹) سیدنا عامر بن ایاس رضی اللہ عنہ
(۱۰) سیدنا مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
(۱۱) سیدنا صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ

Marfat.com

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجنے کا ارادہ فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میں تم پر ایک ایسے شخص کو امیر بناؤں گا جو تم میں سب سے زیادہ بھوک اور پیاس کو برداشت کرنے والا ہو گا، لہٰذا بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور اسلام میں وہ پہلے امیر تھے۔ (زرقانی: ۱/۳۹۷)

اس سریہ میں دو آدمیوں کے پاس ایک اونٹ تھا جس پر دونوں باری باری سوار ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر سریہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک بند تحریر دی اور ہدایت فرمائی کہ جب دو دن سفر کر چکو تب اس تحریر کو کھول کر پڑھنا اور اپنے ساتھیوں کو بھی سنا دینا۔ پھر اس تحریر میں دی گئی ہدایت پر عمل کرنا اور جو ساتھی آگے نہ جانا چاہے اس پر جبر نہ کرنا۔ دو روز سفر کر چکنے کے بعد سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس تحریر کو کھولا تو اس میں لکھا تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: اللہ تعالیٰ کی برکت آپ کو نصیب ہو۔ آپ اور آپ کے جو ساتھی آپ کے ساتھ چلیں ان کو ساتھ لے کر روانہ ہوں یہاں تک کہ آپ بطن نخلہ پہنچ کر قیام کریں۔ وہاں قریش کے ایک قافلے کو جو غلہ لے کر جا رہا ہو گا اس کی تاک رکھیں۔ امید ہے کہ اس کی کوئی خبر لے کر آپ ہمارے پاس آئیں گے۔"

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر خود پڑھی، اپنے ساتھیوں کو سنائی اور فرمایا کہ جو شخص شہادت کا طلبگار ہے وہ میرے ساتھ چلے، میں کسی پر اس بارے میں جبر نہ کروں گا، لیکن ان بارہ حضرات میں سے کوئی بھی واپس جانے کو تیار نہ ہوا۔ اب سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھے۔ راستے میں ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا، یہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا اونٹ تھا۔ یہ دونوں اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے۔ باقی حضرات نے سفر جاری رکھا اور "بطن نخلہ" پہنچ گئے اور یہاں قریش کے قافلہ کا انتظار کرنے لگے۔ ان حضرات کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ قریش کا ایک قافلہ سامان تجارت لیے ہوئے سامنے آ گیا۔ عمرو بن حضرمی، حکیم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی اور نوفل بن عبداللہ مخزومی اس قافلہ کے ممتاز شرکاء میں سے تھے۔

تحریر میں صرف قافلہ کی خبر لانے کی ہدایت تھی اس پر حملہ کے بارے کوئی ہدایت نہ تھی لیکن جس اہتمام سے اس دستہ کو بھیجا گیا تھا اس سے بہت کچھ سمجھا جا سکتا تھا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی تیر اندازی کا واقعہ اس سے قبل ہو چکا تھا اور بارگاہِ رسالت پناہ سے ان کے تیر

Marfat.com

چلانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا تھا۔ اگرچہ ابھی تک حکم قتال نہیں ہوا تھا لیکن اذن قتال ہو چکا تھا۔ امیر لشکر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو سب کی یہ رائے ہوئی کہ قافلہ پر حملہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ مسلمانوں کے دستہ کے ایک مجاہد سیدنا واقد بن عبداللہ سہمی رضی اللہ عنہ نے تیر مارا۔ وہ تیر عمرو بن حضرمی کو لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس آدمی کے مرنے سے پورا قافلہ سامان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ مجاہدین اسلام نے بھاگتے کافروں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ عثمان بن عبداللہ مخزومی اور حکیم بن کیسان گرفتار اور باقی تمام لوگ بھاگ گئے۔ یہ دستہ قریش کے قافلہ کا تمام سامان اور ان دونوں قیدیوں کو لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ اسلام کی پندرہ سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے ایک غیر مسلم کا قتل ہوا، بلکہ یہ بھی پہلا موقع تھا کہ اس طرح گرفتار شدہ قیدی اور ضبط شدہ سامان آیا ہو۔ یہ سب کچھ سن دیکھ کر لسان نبوت سے یہ نکلا:

ما امرتکم بقتال۔

''میں نے تو تمہیں لڑنے کے لیے نہیں کہا تھا۔''

ضبط شدہ سامان کے بارے میں کوئی حکم خداوندی نہیں تھا لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان ایک طرف رکھ دیا اور جب مال غنیمت کے احکام آئے تو سامان کو اس کے مطابق تقسیم کر دیا۔ فدیہ ادا کر کے قیدیوں کو رہا کرانے کا طریقہ عرب میں بہت پہلے سے رائج تھا۔ اس رواج کے مطابق قریش نے فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو رہا کرانا چاہا لیکن چونکہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ جو اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے تھے، ابھی تک واپس نہیں آئے تھے اور شدید خطرہ تھا کہ قریش نے گرفتار نہ کر لیا ہو، اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی واپسی سے پہلے قیدیوں کی رہائی مناسب نہ سمجھی۔ جب یہ دونوں حضرات بخیریت واپس آ گئے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سو اسی درہم (تین اوقیہ) فی کس لے کر ان کو رہا کر دیا۔ عثمان بن عبداللہ مخزومی تو رہا ہو کر چلا گیا اور حالت کفر ہی میں مر گیا لیکن حکیم بن کیسان تو کچھ ایسے گرفتار ہوئے کہ رہائی پسند ہی نہ کی۔ پہلے سیاسی اسیر تھے پھر کاکل رسالت کے اسیر ہو کر مدینہ طیبہ میں ہی سکونت اختیار کر لی۔ گویا کہ

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

Marfat.com

دولت ایمان سے مشرف ہوئے اور زمرۂ صحابہ رضی اللہ عنہم میں داخل ہو کر تبلیغ و تعلیم کے لیے باہر بھیجے جانے لگے اور ایک روز بئر معونہ کے واقعہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۶۰۱/۲، البدایہ والنہایہ: ۲۴۸/۳، عیون الاثر: ۳۶۹/۱، زرقانی: ۳۹۷/۱، روض الانف: ۶۰/۲، زاد المعاد: ۸۳/۲-۸۵)

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو حملہ کرنے کے لیے نہیں بھیجا تھا لیکن ان کے ساتھی کے ہاتھوں عمرو بن حضرمی کا قتل اور حکیم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی کی گرفتاری کی توثیق اللہ تعالیٰ نے فرما دی۔ پہلے مسلمانوں کے لیے اذن قتال تھا اب حکم قتال بھی بارگاہ الوہیت سے مل گیا۔ جس کا ذکر قرآن حکیم کی سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۹۱ تا ۱۹۳ میں ہے۔ جنگ کا یہ حکم حالات کا تقاضا تھا کیونکہ اب پورا کفر پورے اسلام کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اب حالات کا یہ تقاضا بھی تھا کہ دونوں فریقوں کے درمیان کوئی فیصلہ کن معرکہ ہوتا کہ حق پوری طرح کھل کر سامنے آ جائے۔

غزوۂ بدر

یہ غزوہ اسلام کے غزوات میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا غزوہ ہے جس میں پورا کفر پورے اسلام کے سامنے آیا۔ اسی غزوہ نے اسلام کی عزت و شہرت چار دانگ عالم میں پھیلا دی اور شرک کی اتنی ذلت و رسوائی ہوئی کہ وہ پھر کھل کر مسلمانوں کے سامنے نہ آ سکا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں بھی شرکت کی اور غیر معمولی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ سے نکلے تو کچھ نوخیز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو لیے۔ چنانچہ مدینہ سے باہر ''بئر ابی عتبہ'' پر آپ نے رفقائے سفر کا جائزہ لیا اور ان نوخیز اور نوعمر بچوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ مدینہ واپس چلے جائیں۔ ان میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی سیدنا عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ واپس جانے کا حکم سن کر وہ رونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روتے دیکھ کر مجاہدین میں شامل فرما لیا۔ چنانچہ جنگ بدر میں انہوں نے صرف سولہ سال کی عمر میں جام شہادت نوش فرما کر شہداء میں ایک امتیاز حاصل کیا۔

چنانچہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مجاہدین میں

Marfat.com

شامل ہونے کی اجازت دے دی تو میں نے خود انہیں تلوار باندھی اور میں نے بھی جب جنگ بدر میں شرکت کی تو میرے چہرے پر بھی کوئی بال نہیں تھا جس کو میں اپنے ہاتھ سے چھو سکتا۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱/۹۷)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں، میں نے سعید بن العاص کو قتل کیا اور اس کی نہایت عمدہ تلوار جس کا نام ''ذوالکتیفہ'' تھا، لے لی۔ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ تلوار مجھے مرحمت فرما دیں۔ ارشاد فرمایا: کہ تلوار نہ میری ہے اور نہ تمہاری اس کو مال غنیمت کے مال میں رکھ دو۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بہت افسوس ہوا کہ میں نے خیال کیا کہ نہ معلوم یہ تلوار کس کو مل جائے گی کیونکہ جو کام میں اس تلوار سے لے سکتا ہوں شاید اور کوئی نہ لے سکے۔ چنانچہ میں نے اس تلوار کو مال غنیمت میں رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پھر بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ یہ تلوار مجھے مرحمت فرما دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا اور سختی سے فرمایا کہ تلوار وہیں رکھ دو۔ مجھے اور زیادہ صدمہ اور افسوس ہوا۔ میرے بھائی عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اسی جنگ میں شہید ہوئے تھے ان کی شہادت کا بھی مجھے صدمہ تھا اور اس تلوار کے نہ ملنے کا افسوس بھی۔ میں کبیدہ خاطر واپس آ رہا تھا کہ مجھے بلایا گیا۔ میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے سورۂ انفال کی آیات سنا کر فرمایا کہ پہلے یہ تلوار میری نہیں تھی اور مجھے کسی کو دینے کا حق بھی نہیں تھا، اسی لیے میں نے تمہیں کہا کہ اس کو اپنی جگہ رکھ دو لیکن اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دے دیا ہے لہٰذا اب میں یہ تلوار تمہیں دیتا ہوں۔ (درمنثور: ۳/۱۵۸، مسند احمد: ۱/۱۸۰، مسلم، باب مناقب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)

غزوۂ احد

غزوۂ احد، غزوۂ بدر سے ایک سال بعد یعنی سنہ ۳ھ میں پیش آیا۔ غزوۂ بدر میں قریش مکہ کو مسلمانوں کے ہاتھوں جو صدمہ اٹھانا پڑا کہ ان کے بڑے بڑے اساطین اس میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے، غزوۂ احد اس کی ایک صدائے بازگشت تھی۔ یہ جنگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاعی حکمت عملی کے تحت میدان احد میں لڑی گئی۔ آپ نے احد پہاڑ کے ایک درہ پر کچھ تیر اندازوں کو متعین کیا تھا کہ دشمن عقب سے اسلامی لشکر پر حملہ نہ کر سکے۔ ان پچاس تیر اندازوں نے

Marfat.com

اپنی بہادری کے پورے پورے جوہر دکھائے اور انہوں نے بھی مشرکین کی شکست میں اپنا کردار ادا کیا، لیکن عین اس وقت جب اسلامی لشکر فتح ونصرت سے ہم کنار ہو کر دنیا کی تاریخ کے اوراق میں اپنی تابناک فتح کے نقش ثبت کر رہا تھا، درہ پر متعین تیر انداز دستہ کی اکثریت نے ایک ایسی خوفناک غلطی کی جس نے مسلمانوں کی فتح کو شکست میں تبدیل کر کے رکھ دیا اور اسلامی لشکر کو اتنا نقصان اور قائد اسلام کو اس قدر تکلیف پہنچی جو ناقابل بیان ہے۔ جس کا مفصل ذکر ہم نے اپنی کتاب ''سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم'' میں کیا ہے۔

درہ کا مورچہ چھوڑنے والے مجاہدین کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی خوف ناک غلطی کر رہے ہیں۔ درہ کو خالی دیکھ کر دشمن کی بھاگتی ہوئی فوج خالد بن ولید کی سرکردگی میں واپس پلٹی اور اس کے اونٹوں اور گھوڑوں کے پاؤں سے ایسا گردوغبار اٹھا کہ فضا مکدر ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک خالد بن ولید اور ان کے شہسوار آتے دکھائی دیے۔ ایسے نازک وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صرف دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اس وقت آپ کے ساتھ تھے، کے ساتھ تیزی سے بھاگ کر کسی محفوظ جگہ پر چلے جائیں اور اپنے لشکر کو جو اب دشمن کے نرغہ میں آیا ہی چاہتا تھا، اس کے حال پر چھوڑ دیں، اور دوسرا راستہ نہایت خطرناک تھا یہ کہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلائیں اور ان کی ایک معتد بہ تعداد اپنے گرد جمع کر کے ایک مضبوط محاذ تشکیل دیں اور اس کے ذریعہ مشرکین کا مقابلہ کریں۔ اس نازک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے راستہ کو اپنایا اور اپنی عسکری عبقریت اور بے نظیر شجاعت کو بروئے کار لا کر اپنی جان بچا کر بھاگنے کے بجائے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانوں کو بچانے کا فیصلہ فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں کھڑے کھڑے مسلمانوں کو آواز دی تو وہ آواز کافروں نے بھی سنی اور چند مسلمانوں نے بھی اس کو سنا۔ مسلمانوں سے پہلے کافر اس نور الٰہی کو بجھانے کے لیے آگے بڑھے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن قمئیہ جو قریش کا مشہور پہلوان تھا آپ کے اس قدر قریب پہنچ گیا کہ اس نے تلوار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ اسلام کی بہادر سیدہ ام عمارہ مازنیہ رضی اللہ عنہا سامنے آگئیں۔ تلوار ان کے شانے پر پڑی۔ زخم نہایت گہرا ہو گیا اور مندمل ہونے کے بعد بھی وہاں ایک گڑھا بن گیا۔ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بھی تلوار کا جواب تلوار سے دیا لیکن وہ زرہ پہنے ہوئے تھا لہٰذا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق اب چودہ صحابہ

Marfat.com

کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ہالہ بنا لیا جن میں سات مہاجر اور سات انصار تھے۔ ان سات مہاجرین میں ایک سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے جو دائیں بائیں سے آپ کی حفاظت کر رہے تھے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے آپ پر ایک پتھر پھینکا جس سے آپ گر گئے اور نیچے کے دو رباعی دانت ٹوٹ گئے اور نچلا ہونٹ بھی بری طرح زخمی ہو گیا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے میں اپنے بھائی عتبہ کے قتل کا جتنا خواہش مند رہا اتنا کسی اور شخص کے قتل کا خواہش مند نہیں ہوا۔ (فتح الباری: ۲۸۱/۷، زرقانی: ۳۷/۲)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بہت بڑے تیر انداز تھے۔ انہوں نے بھی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمنوں کے مقابلہ میں پورا پورا دفاع کیا۔ یہ اپنی نشست صحیح کر کے دشمنوں پر تیر برسانے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش کے تمام تیر ان کے سامنے ڈال دیے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دشمن کو تاک تاک کر مار رہے تھے۔ بخاری وغیرہ میں ہے کہ آپ جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو تیر دیتے تو فرماتے:

ارم فداك ابی وامی۔ (بخاری: ۵۸۱/۲)

''میرے ماں باپ تجھ پر قربان یہ تیر چلا۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کے لیے ''فداك ابی وامی' کا جملہ نہیں سنا۔''

(ترمذی، حدیث: ۳۷۵۳-۳۷۵۴، بخاری، حدیث: ۴۰۵۶-۴۰۵۷، مسلم، حدیث: ۲۴۱۲، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۳۰، مسند احمد: ۱۸۰/۱، کلھم من طریق سعید بن المسیب عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ و بخاری، حدیث: ۲۹۰۵-۴۰۵۸-۴۰۵۹-۶۱۸۴، مسلم، حدیث: ۲۴۱۱، ترمذی، حدیث: ۳۷۵۵، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۲۹، مسند احمد بن حنبل: ۱: ۹۲-۱۲۴-۱۳۶-۱۳۷ من طریق ابن شداد عن علی رضی اللہ عنہ)

عجیب اتفاق ہے کہ چشم فلک نے یہ نظارہ کم ہی دیکھا ہو گا کہ ایک بھائی (عتبہ بن ابی وقاص) نے پتھر مار کر رخِ انور کو لہولہان کیا جب کہ دوسرا بھائی (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) اسی رخِ انور کی حفاظت کے لیے تیر اندازی کر رہا ہے اور لسان نبوت سے کلمات تحسین سن رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات تحسین آپ کے لیے اتنا بڑا اعزاز تھا جس پر جتنا بھی فخر کیا

Marfat.com

جائے کم ہے۔ چنانچہ سیدنا سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

جمع لی رسول اللہ ﷺ ابویہ یوم احد۔

(مسند احمد بن حنبل: ۱/۱۷۴-۱۸۰، بخاری، حدیث: ۳۷۲۵- ۴۰۵۵- ۴۰۵۷، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۳۰)

''رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے احد کے دن اپنے دونوں ماں باپ جمع کیے۔''

آپ کی ایک صاحبزادی سیدہ عائشہ بنت سعد رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں:

انا ابنة المهاجر الذی فداہ رسول اللہ ﷺ یوم احد بالابوین۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۰۱)

''میں اس مہاجر کی بیٹی ہوں جس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے احد کے روز اپنے ماں باپ قربان کیے تھے۔''

جنگ کے دوران ایک مشرک سامنے آیا جس نے اپنے تیز وتند حملوں سے مسلمانوں کو پریشان کررکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو نشانہ بنانے کا حکم ارشاد فرمایا لیکن اس وقت آپ کا ترکش خالی ہو چکا تھا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کے لیے ایک تیر اٹھا کر جس میں پھل نہیں تھا اس صفائی کے ساتھ اس مشرک کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ ہوکر گر گیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کی قادر اندازی اور اس کافر کی بدحواسی پر بے اختیار ہنس پڑے یہاں تک کہ دندان مبارک نظر آنے لگے۔ (مسلم، حدیث: ۲۴۱۲، معجم کبیر طبرانی، حدیث: ۳۱۵)

اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ کے حلق میں تاک کر ایسا تیر مارا کہ زبان کتے کی طرح باہر نکل آئی اور تڑپ کر داخل جہنم ہوا۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۹۹)

اسحاق بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ابا نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ جنگ احد کے روز عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مجھے ملے اور کہا کہ آؤ مل کر دعا کریں۔ چنانچہ ہم دشمن سے مقابلہ کریں تو میرے سامنے ایک ایسا کافر آئے جو بڑا سخت ہو، ارادے کا پکا ہو، میں اس کو قتل کروں اور اس کا سارا مال واسباب لے لوں۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اس دعا پر آمین کہا۔ پھر سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی کہ اے اللہ! کل میرا ایک ایسے سخت کافر سے مقابلہ ہو۔ وہ

Marfat.com

مجھ کو قتل کرنے کی کوشش کرے اور میں اس کو قتل کرنے کی کوشش کروں۔ پھر وہ مجھ کو قتل کر دے میرے ناک کان کاٹ دے۔ پھر میں جب تجھ سے ملوں تو، تو مجھ سے کہے کہ اے عبداللہ! تیرا یہ ناک کان کس لیے کاٹے گئے تو میں کہوں اے اللہ! تیرے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے اور تو کہے کہ تو نے سچ کہا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس دعا پر آمین کہا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا مجھ سے بہت بہتر تھی اور میں نے دیکھا کہ دو پہر بعد ان کے ناک کان کٹے ہوئے ایک دھاگہ میں معلق تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۶۳/۳، مستدرک حاکم: ۱۹۹/۳-۳۰۰)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن فرمایا:

اللھم استجب لسعد۔ (کنز العمال، حدیث: ۳۷۱۱۰ ونسبہ الی ابن ابی شیبۃ)

''اے اللہ! سعد کو مستجاب الدعا بنا۔''

یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمائی۔ لیکن ابن ابی شیبہ میں تین بار کے الفاظ نہیں ہیں۔

مختصر یہ کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں اپنی بہادری اور جوان مردی کے جوہر دکھائے کیونکہ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے ابو اسحاق رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ بہادر صحابہ چار تھے:

① عمر ② علی ③ زبیر بن عوام ④ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ (الاصابہ: ۱۶۳/۴)

غزوۂ احد کے بعد جتنے بھی غزوات پیش آئے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ان سب میں شرکت کتابوں سے ثابت ہوتی ہے اور آپ نے ان میں اپنی بہادری، جواں مردی اور جانبازی کے جوہر دکھائے اور ہر معاملہ میں پیش پیش رہے۔ چنانچہ جنگ خندق میں بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دیا کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو تیر مارا جو اس کی پیشانی پر لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

(مسند احمد: ۱۸۶/۱-۱۸۷، ابوداود، حدیث: ۴۶۵۰، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۹۵/۱-۹۶)

فتح مکہ، غزوۂ حنین، غزوۂ طائف اور غزوۂ تبوک وغیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک غزوات رہے۔ پھر سنہ ۱۰ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو اس وقت بھی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔

امام زہری رحمہ اللہ ان کے صاحبزادے عامر بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا

Marfat.com

سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال مکہ میں، میں علیل ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں ایک مال دار آدمی ہوں اور ایک لڑکی کے سوا میرا اور کوئی وارث نہیں، تو کیا میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی وصیت کر جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کی: آدھا، فرمایا نہیں۔ میں نے کہا: ایک تہائی، فرمایا: تہائی بہت ہے۔ تم اپنے وارثوں کو تونگر اور متمول چھوڑ جاؤ یہ بہتر ہے کہ تم انہیں قلاش چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ تم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے صرف کرو گے تمہیں اس کا اجر ملے گا۔ یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمے ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب اور اجر حاصل کرو گے۔ میں نے پھر عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس سرزمین میں نہ مر جاؤں جس سے میں نے اللہ کے لیے ہجرت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اس وقت تک نہیں مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری کو نفع نہ پہنچ جائے۔

(مسند احمد بن حنبل: ۱/۱۷۹ بخاری، حدیث: ۱۲۹۵-۲۹۳۶-۶۳۵۳-۶۷۳۳، مسلم حدیث: ۱۶۲۸، ابوداود، حدیث: ۲۸۶۴، ترمذی، حدیث: ۲۱۱۷، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۷۰۸، فتح الباری: ۳/۱۶۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ میں بیمار ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میری عیادت فرمائی۔ آپ نے میرے چہرے، میرے سینے اور میرے پیٹ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی "اللھم اشف سعداً" اے اللہ! سعد رضی اللہ عنہ کو صحت فرما۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے ہاتھوں کی ٹھنڈک ابھی تک محسوس کر رہا ہوں۔ (بخاری، حدیث: ۵۶۵۹، نسائی: ۶/۲۶۷، مسلم، حدیث: ۱۶۲۸، مسند احمد: ۱/۱۶۸)

ان روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیش گوئی فرمائی اور یہ پیش گوئی ایرانی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی جن میں ایرانی حکومت کو انہوں نے زیروزبر کر دیا اور عرب قوم نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اور عہد فاروقی

ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان فانی سے انتقال فرما گئے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر مسند نشین خلافت ہوئے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بلاتوقف خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ سوا دو برس کے بعد جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا

Marfat.com

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد فرما کر رحلت گزین عالم باقی ہوئے، اس وقت عراق اور شام کی مہمات کی ابتدا ہو چکی تھی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشیر اور وزیر تھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر کام میں ان سے مشورہ لیتے تھے ملک کو جب اندرونی فتنوں سے نجات مل گئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عراق کی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایران پر ساسانی خاندان کی حکمرانی تھی۔ نوشیروان عادل کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نوشیرواں کا پوتا خسرو پرویز سلطنت ایران پر تخت نشین تھا اور یہی وہ بدبخت ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کو پھاڑا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق قیصر کی فوج کے ہاتھوں ایرانی فوجوں کی پے درپے شکست کے بعد خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن گیا۔ یہ منگل کی رات ۱۰ر جمادی الاولیٰ سنہ ۷ھ کا واقعہ ہے۔
(فتح الباری: ۱۲۷/۸)

پھر تھوڑے ہی عرصہ میں کئی بادشاہ قتل ہوئے یہاں تک کہ مردوں میں سے کوئی حکومت کرنے کے قابل نہ رہا اور ایک عورت پوران دخت کو تخت نشین کیا گیا۔ پوران دخت کے ہاتھ میں حکومت آئی تو اردگرد کے علاقوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ ایران بے تاج ہو گیا ہے اور اہل ایران ایک عورت کے در پر پناہ گزین ہیں۔ چنانچہ قبیلہ بکر بن وائل کے دو شخص جن میں سے ایک کا نام مثنیٰ بن حارثہ شیبانی تھا، انہوں نے اپنی جمعیت سمیت ایران کی سرحد پر خیمے گاڑ دیے۔ یہ وہاں کے زمینداروں اور جاگیرداروں پر یورش کرتے اور جو کچھ ہاتھ لگتا اٹھا کر لے جاتے۔ اگر ان کا تعاقب کیا جاتا تو یہ دور صحرا میں گھس جاتے اور کوئی انہیں پا نہ سکتا۔ مثنیٰ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق (ایران) پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی اور خلیفہ اسلام کو یہ اطلاع بھی دی کہ ایرانی بہت کمزور ہو چکے ہیں اور درخواست کی کہ وہ ان کی امداد کے لیے کوئی لشکر روانہ فرمائیں۔ مثنیٰ اگرچہ خود مسلمان ہو چکے تھے لیکن اس وقت تک ان کا تمام قبیلہ اسلام سے دور تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت سے واپس آ کر انہوں نے اپنے قبیلے کو اسلام کی ترغیب دی اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (فتوح البلدان: ص ۲۴۱) ان نو مسلم لوگوں کی ایک اچھی خاصی جمعیت ساتھ لے کر انہوں نے عراق کا رخ کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مثنیٰ شیبانی کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور

Marfat.com

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مانعین زکوٰۃ اور اعیان نبوت کی سرکوبی کی جنگوں سے فراغت حاصل کر چکے تھے، ان کی مدد کے لیے حرہ بھیجا۔ ان دونوں جرنیلوں نے نہ صرف حرہ بلکہ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام سرحدی مقامات فتح کر کے اپنی عظمت و فتح کا جھنڈا گاڑ دیا۔

(اخبار الطوال: ص ۲۲۵)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سوا دو سال حکومت کر کے داعی اجل کو لبیک کہا اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے مہمات عراق کی طرف توجہ دی جس کا جواب پہلے تو لوگوں نے سرد مہری سے دیا لیکن بعد میں جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور مثنیٰ بن حارثہ شیبانی دونوں نے مل کر ترغیب جہاد دی تو سب سے پہلے ابوعبید بن مسعود عمرو ثقفی رضی اللہ عنہ عراق جانے کے لیے آگے بڑھے۔ پھر لوگوں کا ایک تانتا لگ گیا اور فوری طور پر مدنی مجاہدین کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز کر گئی۔ جہاد عراق کے لیے لوگوں کا یہ ذوق وشوق دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بے حد خوش ہوئے اور ان کا دل اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے دھڑکنے لگا۔

مثنیٰ عراق جا کر اپنے لشکر سے جا ملے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ تاکید فرمائی کہ جب تک مدینہ سے یہ لشکر نہ پہنچے لڑائی سے گریز کریں۔ بعد میں آپ نے ابوعبید بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت کئی ہزار سپاہیوں پر مشتمل لشکر چند ہدایات دے کر عراق روانہ کر دیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی مہمات نے ایرانیوں کو ہوشیار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے فوجی تنظیم نو کی اور انہوں نے رستم کو جو نہایت بہادر، مدبر اور معاملہ فہم جرنیل اور پہلوان تھا۔ (یہ وہی رستم ہے جس کو سہراب کا باپ بتایا جاتا ہے) وزیر جنگ اور ایرانی فوجوں کی شکست سے نہایت مضطرب تھا جس میں اس کے قابل ترین جرنیل مارے گئے اور نرسی اور جابان گرفتار ہوئے۔ چنانچہ اس نے وزیر دفاع بنتے ہی اپنے مشیران خاص سے مشورہ کیا اور مردان شاہ کو جس کو نوشیروان نے بہمن کا خطاب دیا ہوا تھا، ایک بہت بڑی فوج دے کر روانہ کیا۔ اس لشکر کے آگے درفش کاویانی تھا جو چیتے کی کھال کا بنا ہوا تھا اور اس کا طول بارہ ہاتھ تھا اور جو کئی ہزار سال سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آ رہا تھا اور فتح وظفر کا دیباچہ تصور کیا جاتا تھا، اس کے سر پر سایہ کرتا تھا۔ ابوعبید رضی اللہ عنہ کی ایک غلطی سے اس اسلامی لشکر کو بہت سا نقصان ہوا۔ چنانچہ بعض تواریخ میں ہے کہ مسلمانوں کی ۹ ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی، چھ ہزار نے اپنی جان اللہ کے راستے

Marfat.com

میں دے دی۔ ان شہداء میں بڑے بڑے جرنیل بھی تھے۔ خود ابو عبید رضی اللہ عنہ بھی اس میں شہید ہو گئے۔ (یہ غلطی کیا تھی؟ اس کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''سیرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ'')

اس جنگ نے جس کو ''معرکہ جسر'' کہا جاتا ہے مسلمانوں کی ساکھ کو بہت نقصان پہنچایا۔ چنانچہ جلد ہی ایرانیوں سے ایک اور جنگ لڑنی پڑی جس کو جنگ بویب کا نام دیا جاتا ہے۔ اس جنگ کی قیادت مثنیٰ شیبانی کے ہاتھ میں تھی۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور ایرانی شکست سے دو چار ہوئے، لیکن مثنیٰ کے بھائی مسعود جو ایک بہادر جرنیل تھے اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ بویب کی اس فتح کے بعد مثنیٰ نے فوجی افسروں اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ سواد عراق کو طے کرتے ہوئے مدائن کے بالمقابل ساباط پہنچ جائیں۔ ایرانی فوجیں مویشیوں کی طرح بے تحاشا ان کے آگے آگے بھاگی جا رہی تھیں۔ نہ کوئی شے ان کے قدم روکتی اور نہ ہی ان میں سے کسی کو ٹھہرنے کی جرأت ہوتی تھی۔ چنانچہ اب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرح تمام عراق میں مثنیٰ کا طوطی بولنے لگا۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور جنگ قادسیہ

جنگ بویب میں مسلمانوں کو جو کامیابی اور کامرانی نصیب ہوئی اس نے ایرانی فوج کے ہیڈ کوارٹر کو ہلا کر رکھ دیا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ عرب ایک نہ ایک دن ان کے پایۂ تخت میں داخل ہو کر ان کے قصر ابیض (White House) پر قابض ہو جائیں گے اور کسریٰ کی اولاد کو باج گزار بنالیں گے۔ اس ذلت سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے کہ ایرانی اپنا اندرونی خلفشار اور انتشار ختم کر کے باہم متحد ہو کر مسلمانوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جم جائیں۔ چنانچہ انہوں نے پوران دخت کے بجائے سلطنت کے اصلی وارث یزدگرد کو اس کے آبائی تخت پر بٹھایا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۱ سال تھی اور اپنے تمام اختلافات ختم کر کے ایرانی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ یزدگرد کی تخت نشینی سے سلطنت ایران میں نئے سرے سے جان آ گئی اور انتظامی اور فوجی افسر پوری طرح مستعد ہو گئے اور تمام چھاؤنیاں اور قلعے مستحکم کر دیے گئے۔

سیدنا مثنیٰ شیبانی رضی اللہ عنہ کو ایرانیوں کی ان جنگی تیاریوں سے کچھ پریشانی ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں فوجی ضروریات کے علاوہ اس متوقع بغاوت کا بھی ذکر کیا، لیکن قبل اس کے کہ ان کا خط بارگاہ خلافت میں پہنچے ایرانیوں کا لشکر تیار ہو گیا۔ لشکر کی تیاری

Marfat.com

نے مختلف شہروں میں بغاوت کے شعلے بھڑکا دیے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے مثنیٰ اپنی فوج لے کر عرب کی سرحد کے قریب سمٹ آئے اور یہاں اردگرد کے علاقوں میں جتنے لوگ انہیں مل سکے ان کو اپنی فوج میں شامل کرلیا اور مدینہ منورہ سے کمک کا انتظار کرنے لگے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب مثنیٰ شیبانی رضی اللہ عنہ کے خط سے ایرانیوں کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: ''بخدا! میں شاہان عجم کو ملوک عرب سے ضرور ٹکراؤں گا۔'' چنانچہ آپ نے مثنیٰ کو فوری طور پر مطلع کیا کہ وہ عراق کی سرحدوں پر پہنچ کر ایران کے قریبی ساحل پر پھیل جائیں اور وہاں کے قریبی لوگوں سے مدد چاہیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے خود بڑے ساز و سامان سے فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ ہر طرف نقیب اور خطیب دوڑائے کہ فوراً مجاہدین کو بارگاہ خلافت میں بھیجیں۔ خود تو آپ حج پر تشریف لے گئے لیکن حج سے فراغت سے قبل ہی ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان امڈ آیا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عہد صدیقی میں ہوازن کے عامل تھے انہوں نے اپنے اثر سے تین ہزار جانباز بھیجے جن میں سے ہر ایک تیغ و سنان کا ماہر تھا۔ آپ اتنی بڑی تعداد میں مجاہدین کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور لشکر کو ترتیب سے آراستہ کرنے کا حکم فرمایا۔ نیز فرمایا: میں لشکر کی کمان خود کروں گا۔ چنانچہ ہراول پر سیدنا طلحہ، میمنہ پر سیدنا زبیر اور میسرہ پر سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کو مقرر فرمایا اور خود مدینہ سے نکل کر جرف روانہ ہوئے۔ (طبری: ۳/۷۰، البدایہ والنہایہ: ۳۵/۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس مستعدی سے لوگوں میں ایک جوش پیدا ہو گیا اور سب نے مرنے مارنے پر کمریں باندھ لیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے نکلے اور صرار نامی ایک چشمے پر جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا قیام فرمایا۔ اب تک اکثریت کو یہ پتہ نہیں تھا کہ اس فوج کی قیادت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود فرمائیں گے یا یہ خدمت کسی اور کے سپرد فرمائیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کی قیادت کے لیے عوام کی رائے معلوم کی تو انہوں نے کہا کہ آپ خود اس لشکر کی قیادت فرمائیں۔ اہل الرائے صحابہ رضی اللہ عنہم نے یک زبان ہو کر کہا کہ امیر المومنین اس لشکر کی قیادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو مرحمت فرمائیں اور خود مدینہ میں رہ کر کمک روانہ کرتے رہیں۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس رائے کی پُرزور تائید کی۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عوام سے خطاب کیا اور فرمایا: ''میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا لیکن اہل الرائے حضرات اس سے متفق نہیں۔'' اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خواص سے معلوم کیا کہ کس کو اس لشکر کی قیادت سونپی جائے۔ مختلف

Marfat.com

لوگوں نے مختلف نام پیش کیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی گئی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس لشکر کا سپہ سالار کس کو بنایا جائے کہ دفعتاً سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پالیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کون؟ جواب دیا: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ اس انتخاب کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پسند فرمایا۔ سیدنا سعد ان دنوں نجد میں تھے اور وہیں سے انہوں نے تین ہزار مجاہد اس لشکر کے لیے بھیجے تھے۔ ان کو وہاں سے بلایا گیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سپہ سالار نامزد ہونے کے بعد پہلی ہدایت انہیں یہ فرمائی ''اے سعد! اس بات پر کبھی فخر نہ کرنا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں نیکی سے مٹاتا ہے اور اللہ اور اس کے بندے کے درمیان اطاعت کے سوا اور کوئی رشتہ نہیں۔ اللہ کے دین میں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں۔ سربلندی صرف اطاعت کیش لوگوں کے لیے مقدر کی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا اور صبر و استقامت کا دامن کسی صورت ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔''

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ چار ہزار فوج لے کر جو اپنے بال بچوں کو بھی ساتھ لائی تھی، مدینہ سے عراق روانہ ہو گئے ان کے جانے کے بعد چاروں طرف سے لوگ آ کر مدینہ میں جمع ہوتے رہے اور آپ رضی اللہ عنہ انہیں سعد رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجتے رہے۔ اس لشکر کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس میں عرب کے بڑے بڑے نامور سورما، شہ سوار، شاعر اور خطیب شامل تھے جن میں عمرو بن معدی کرب، طلیحہ بن خویلد، اسدی اور اشعث بن قیس کندی جیسے زعمائے عرب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۱۷، ۱۸ منزلیں طے کرنے کے بعد سیدنا سعد رضی اللہ عنہ ثعلبہ پہنچے تو ان کے لشکر کی تعداد یہاں بیس (۲۰) ہزار کے قریب ہو گئی تھی۔ مثنیٰ کی کچھ فوج ذی قار میں سمٹ آئی تھی۔ اس کی تین ہزار کے قریب تعداد تھی جس میں اردگرد کے پانچ ہزار افراد آ کر شامل ہو گئے۔ اور جو افواج ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں شام سے چلی تھیں ان کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ اس طرح قادسیہ کی جنگ میں فوج کی کل تعداد ۳۶ ہزار کے لگ بھگ تھی اور یہ عہد صدیقی سے لے کر اب تک سب سے بڑا لشکر تھا۔

ثعلبہ میں قیام کے بعد سیدنا سعد رضی اللہ عنہ شراف پہنچے تو شام سے آنے والی فوج کے سوا باقی تمام فوجیں پہنچ گئیں۔ ذی قار سے جو فوج آئی اس میں مثنیٰ نہیں تھے۔ معرکہ جسر میں جو زخم انہیں آیا تھا وہ جان لیوا ثابت ہوا اور وہ بشیر بن خاصیہ کو فوج پر کمانڈر مقرر کر کے خود اللہ کو پیارے ہو

Marfat.com

گئے۔ یہاں مثنیٰ شیبانی رضی اللہ عنہ کے بھائی معنیٰ بھی اپنی بیوہ بھاوج کو ساتھ لے کر پہنچ گئے۔ مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیے تھے معنیٰ نے وہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے بیان کیے۔ اب یہاں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ قادسیہ جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

سلمیٰ (مثنیٰ کی بیوہ) اور معنیٰ دونوں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مثنیٰ کی وصیت انہیں سنائی۔ انہوں نے مثنیٰ کی خدمت ان کے بھائی معنیٰ کے سپرد کر دی اور مثنیٰ کی بیوہ سلمیٰ سے نکاح کر لیا تاکہ اس کو وہی عظمت و بزرگی حاصل رہے۔ یہاں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خط ملا جس میں انہیں حکم دیا گیا کہ وہ فوراً قادسیہ چلے جائیں جو ایام جاہلیت میں ایران کا دروازہ تھا اور یہ بھی ہدایت فرمائی کہ حدود عرب سے قریب تر رہ کر ایرانیوں کے تمام راستے بند کر دیے جائیں۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق شرف سے قادسیہ روانہ ہو گئے۔ قادسیہ روانہ ہونے والی فوج کے افسر بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی نے مقرر فرمائے۔ یہ لشکر اتنا بابرکت تھا کہ اس میں چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نبرد آزما ہونے کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ ستر (۷۰) سے کچھ اوپر اصحاب بدر تھے، تین سو سے اوپر بیعت رضوان میں حاضر ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ تین سو فتح مکہ کے مجاہدین تھے اور سات سو تابعین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد۔ اس مبارک لشکر کو لے کر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نہایت وقار و جلال اور عظمت و شان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ قادسیہ پہنچ کر آپ نے فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے مختلف مقامات پر مامور کر دیا اور فوج کے لیے مال مویشی اور کھانے پینے کا سامان فراہم کرنے کے لیے ادھر ادھر دستے روانہ کر دیے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے قادسیہ میں ایک ہفتے تک قیام فرمایا۔ اس دوران میں ان کی فوج نے بڑے اطمینان اور فراغت سے دن گزارے کیونکہ قادسیہ نہایت شاداب، سرسبز اور نہروں اور پلوں کی وجہ سے نہایت محفوظ مقام تھا۔ مدائن ایرانی حکومت کا پایہ تخت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فرودگاہ سے ۳۰، ۴۰ میل دور تھا، اس وجہ سے وہاں کی تمام خبریں آپ کو ملتی رہتی تھیں۔ آپ نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ اور رسد کی کیفیت وغیرہ سے بارگاہ خلافت کو مطلع کیا۔ وہاں سے حکم آیا کہ رزم گاہ میں مورچے اس طرح جمائیں کہ پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں اور سامنے

Marfat.com

دشمن کا ملک ہو۔

یزدگرد نے رستم سے کہا کہ تم ایران کے سب سے بڑے سورما ہو، میں چاہتا ہوں کہ عربوں کے مقابلے کے لیے تمہیں اس لشکر کا کمانڈر مقرر کروں۔ رستم یہ سن کر چونکا کیونکہ وہ مسلمانوں کے مقابلے سے جی چرا رہا تھا لہٰذا اس نے بادشاہ کو کہا کہ میری بجائے آپ جالینوس کو روانہ کریں، وہ بھی ایک بہت بڑا بہادر کمانڈر ہے۔ یزدگرد اس کے جواب سے کچھ پریشان ہوا۔ لیکن ملک کے جاگیرداروں اور زمینداروں کے لکھنے پر یزدگرد نے فوری طور پر رستم کو لکھا کہ تم میرا یہ پیغام ملتے ہی ساباط روانہ ہو جاؤ۔ اب تمہارا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ مجبوراً رستم کو ساباط جانا پڑا اور فوج کی کمان سنبھالنی پڑی۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کو لکھا کہ یزدگرد نے جنگ کی تمام ذمہ داریاں رستم کو سونپ دی ہیں۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں لکھا: ''دشمن کی تیاریوں سے بالکل پریشان اور خوف زدہ نہ ہونا۔ اللہ سے مدد طلب کرنا اور اسی پر توکل کرنا۔ تم اس کے پاس دعوت اسلام دینے کے لیے ایسے لوگوں کو بھیجنا جو وجیہہ، عقل مند اور بہادر ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس دعوت کو دشمن کی ذلت اور ہماری کامیابی کا ذریعہ بنائے گا اور مجھے روزانہ خط لکھتے رہنا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں یزدگرد کے پاس سفارت بھیجنے کے لیے لکھا تھا، اس حکم کی تعمیل کے لیے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عرب کے عقل منداور بہادر سیاست دانوں کا ایک وفد یزدگرد کے پاس بھیجا۔ یہ وفد سیدنا نعمان بن مقرن، سیدنا فرات بن حیان، سیدنا اشعث بن قیس کندی، سیدنا عمرو بن معد کرب، سیدنا معنیٰ بن حارثہ شیبانی اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھا۔ وفد جب مدائن پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے ان کے چہروں، لباس، ان کے کندھوں پر پڑی ہوئی چادروں اور دبلے پتلے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑتی ہوئی خاک کو دیکھ کر کہا: ''یہ لوگ کس برتے پر ہم سے لڑنے کے لیے آ گئے ہیں؟'' وفد جب یزدگرد کے دربار میں پہنچا تو اس نے نہایت نخوت وتکبر کے لہجے میں اس سے سوال کیا: ''تم لوگ ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟'' اس سوال کے جواب میں سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت اور اسلام کی دعوت کو بیان کیا اور کہا کہ ''اگر تمہیں اس دعوت سے انکار ہے تو جزیہ دینا قبول کرو، ورنہ تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔'' یزدگرد کو یہ بات نہایت ناگوار گزری۔

Marfat.com

یزدگرد سے سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی کافی باتیں ہوئیں لیکن بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ یزدگرد غصہ میں آگیا اور انتہائی غضبناک لہجے میں کہا کہ ''اگر قاصدوں کا قتل بین الاقوامی قوانین کے خلاف نہ ہوتا تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا، جاؤ تمہارے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس کے بعد اس نے مٹی کا بھرا ہوا ایک ٹوکرا لانے کا حکم دیا اور کہا کہ ''ان میں سے جو سب سے زیادہ معزز ہو یہ ٹوکرا اس کے سر پر لاد کر اسے ہانکتے ہانکتے مدائن سے باہر نکال دو۔'' پھر وہ وفد سے مخاطب ہو کر بولا: ''جاؤ اپنے سردار سے جا کر کہہ دو کہ میں تمہاری سرکوبی کے لیے رستم ابن فرخ زاد کو بھیج رہا ہوں۔ وہ تمہیں قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔'' سیدنا عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر مٹی کا وہ ٹوکرا اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا: ''بادشاہ! میں ان میں سب سے زیادہ معزز ہوں۔'' اور وہ مٹی کا ٹوکرا اٹھائے ایوان کسریٰ سے باہر نکل گئے اور لشکر میں آ کر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا: ''انہوں نے اپنی زمین خود ہمیں دے دی ہے۔'' پھر بولے: ''مبارک ہو، بخدا! ان کے ملک کی کنجیاں اللہ نے ہمیں عطا فرما دی ہیں۔''

رستم ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ ساباط سے قادسیہ کی طرف روانہ ہوا اور وہ اس شان سے قادسیہ پہنچا کہ ۳۳ ہاتھی فوج کے آگے آگے چل رہے تھے، جن کے وسط میں ایک سفید ہاتھی تھا جس کا نام شاپور تھا۔ وہ تمام ہاتھیوں کا سردار تھا۔ اتنے بڑے لشکر اور اتنے ہاتھیوں کے باوجود رستم کے دل پر مسلمانوں کی ہیبت طاری تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ میری مڈبھیڑ ہو۔

رستم لاکھوں کی فوج کے ساتھ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فوج کے سامنے قادسیہ کے میدان میں پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا، لیکن وہ لڑنے سے جی چراتا تھا، لہٰذا اس نے ایک دفعہ صلح کی کوشش کی اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھجوایا کہ کسی معتمد اور معتبر شخص کو سفیر بنا کر میرے پاس بھیجیں، شاید کوئی صلح کی صورت پیدا ہو جائے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپس میں یہ خون ریزی ہو۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اتمام حجت کے لیے سیدنا ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کو اس کے پاس سفیر بنا کر بھیجا لیکن یہ سفارت ناکام رہی۔ پھر سیدنا حذیفہ بن محصن رضی اللہ عنہ گئے وہ بھی ناکام آئے۔ آخر میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ گئے، ان سے بھی بات چیت کامیاب نہ ہو سکی۔ ان کے واپس آنے سے صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان ایک نہر تھی۔ رستم اس نہر کو پار کر

Marfat.com

کے آگے بڑھا اور جنگ کے لیے اپنے لشکر کی صف بندی کی۔ یزدگرد کی یہ خواہش تھی کہ اس اہم اور غیر معمولی جنگ کی خبریں لحہ بہ لحہ اس تک پہنچتی رہیں۔ اس کا طریقہ کیا گیا کہ قادسیہ کے میدان سے لے کر مدائن تک تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر آدمی کھڑے کیے گئے جو اس کو میدان جنگ کی پل پل کی خبریں پہنچاتے تھے۔

اب ایک طرف ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر جرار جو مرنے مارنے کا عزم لے کر گھر سے نکلا تھا، اور ہر قسم کے آلات حرب وضرب سے لیس، تمام وسائل سے مطمئن اور بے فکر، رستم جیسا جرنیل ان کی پشت پر اور یزدگرد کسریٰ ایران کے انعام واکرام ان کی راہ دیکھ رہے تھے۔ دوسری طرف مسلمان تھے، کل تیس ہزار مجاہد، وطن سے دور، کچھ ساز وسامان ان کے ساتھ، سامان رسد کی لیے صرف اللہ پر بھروسہ تھا، پیچھے سے کمک کی امید بہت کم، لیکن ایمان کی حرارت سینوں میں لیے ہوئے، اور یہی ان کا سب سے بڑا سامان تھا۔ وہ اللہ کے دین کی دعوت کے لیے اتنی دور آئے تھے، لہٰذا نصرۃ خداوندی پر پورا پورا یقین اور اعتماد۔ لیکن ایک بات کی انہیں فکر تھی وہ یہ کہ سپہ سالار لشکر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سخت بیمار تھے۔ انہیں عرق النساء کا درد لاحق ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ دو قدم بھی نہ چل سکتے تھے۔ لیکن اللہ کے یہ سپاہی ان باتوں سے بے نیاز تھے۔ انہوں نے خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ قادسیہ میں ایک نہایت قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان جنگ کے کنارے پر واقع تھا۔ وہ اس محل کے بالا خانے میں میدان کی طرف رخ کر کے تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے اور پرچوں کے ذریعے اپنے نائب کو پیغام بھجواتے۔ خالد رضی اللہ عنہ انہی ہدایتوں کے مطابق موقع بہ موقع لڑائی کا اسلوب بدلتے رہتے۔

اسلامی لشکر کی صف بندی کی گئی۔ پہلے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے جرنیلوں کو خطاب کیا۔ پھر جرنیلوں نے وہ ہدایات لشکر میں گشت کر کے سپاہیوں کو دیں۔ قاریوں نے تلاوت قرآن حکیم کی۔ ایرانیوں نے بھی اپنی فوج کو بڑھاوے دیے اور ان کے حوصلوں اور ہمتوں کو بلند کرنے کے لیے سب جتن کیے۔ اب طبل جنگ پر چوٹ پڑی۔ دونوں طرف آتش فشاں پھٹا۔ پہلے مبارزت ہوئی جس میں مسلمان سپاہیوں نے ایرانیوں کو شکست دی۔ پھر دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے۔ سیدنا عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کو بڑھاوا دیتے پھر رہے تھے کہ ایک ایرانی تیرانداز کمان لیے آگے بڑھا۔ کہتے ہیں کہ اس کا کوئی تیر خالی نہیں جاتا تھا۔ اس نے ایک تیر مارا جو ان کی زرہ میں

Marfat.com

لگا۔ عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ غصے سے جھنجھلا گئے۔ پلٹ کر شیر کی طرح اس پر حملہ کیا اور زریں کمر بند میں ہاتھ ڈال کر زمین پر پٹک دیا اور تلوار اس کے حلقوم پر رکھ کر اسے ذبح کر دیا۔

سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک دستہ دشمن پر بڑھ بڑھ کر وار کر رہا تھا۔ ان پر حملہ کرنے کے لیے ہاتھی بھیجے گئے۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کب دیکھے تھے۔ انہیں دیکھ کر گھوڑے بدکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بنو اسد کو ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ انہوں نے ایسا زوردار حملہ کیا کہ ہاتھیوں کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور قادسیہ کی فضائیں تھرا گئیں۔ سیدنا عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو تمیم نے ہاتھیوں پر اولوں کی طرح تیر برسائے۔ ہودجوں اور عماریوں پر ساون کی بوندوں کی طرح تیروں کی پھوہار پڑی اور ہاتھیوں کی آنکھوں میں تاک تاک کر تیروں کی باڑ چلی تو ہاتھیوں نے چنگھاڑیں مار مار کر فیل بانوں کو نیچے پھینکا اور بعض سواروں کو لے کر ہاتھی پیچھے کی طرف بھاگے جو سوار نیچے گرے وہ سب کے سب قتل کر دیے گئے۔ لیکن ہاتھیوں کے اس حملہ کو پسپا کرنے کے جواب میں بنو اسد کے پانچ سو سے زائد مردان کار اس کی نذر ہو گئے۔

دوران جنگ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بالا خانے سے جنگ کا تمام منظر دیکھ رہے تھے۔ انہیں اس بات کا نہایت صدمہ تھا کہ وہ اس قیامت آسا جنگ میں شرکت سے محروم ہیں۔ سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی بیوہ سلمیٰ جو اب ان کی بیوی تھی، ان کے پہلو میں بیٹھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور اپنے سابق شوہر مثنیٰ شیبانی رضی اللہ عنہ کے ایسے معرکوں میں کارناموں کی ایک فلم اس کے دماغ میں چل رہی تھی۔ جب انہوں نے ایرانیوں کو بنو اسد پر جھپٹتے اور انہیں قتل کرتے دیکھا تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا: "ہائے مثنیٰ! افسوس آج مثنیٰ نہ ہے۔" سیدنا سعد رضی اللہ عنہ پہلے ہی جنگ میں شرکت نہ کرنے کے باعث پریشان تھے، سلمیٰ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر آپے سے باہر ہو گئے اور زور سے سلمیٰ کے منہ پر تھپڑ مار کر کہا: "ان جانبازوں سے مثنیٰ کا کیا مقابلہ جو اس قیامت کا سامنا کر رہے ہیں۔" یہ طمانچہ اس جرأت مند بدویہ کا سر نہ جھکا سکا اور اس نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا: "یہ بزدلی اور غیرت یہ غیرت؟" سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی پیشانی اس جملہ سے عرق ندامت سے تر ہو گئی۔ ان لوگوں نے جب سعد رضی اللہ عنہ اور سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ کے بارے میں سنا تو انہوں نے اس جرأت مندانہ بدویہ کی بہت تعریف کی جب کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بھی ان کے

Marfat.com

نزدیک بزدل اور قابل ملامت نہ تھے۔

پورا دن بیت گیا۔ سورج افق مغرب میں ڈوب گیا۔ رات آگئی لیکن لڑائی جاری تھی۔ دشمن یلغار پر یلغار کرتا رہا لیکن مسلمان پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ جب ایک پہر رات گزر گئی تو دونوں لشکر پیچھے ہٹے۔ میدان خالی ہوا اور سپاہی اگلے روز کے لیے اپنے ہتھیار تیز اور صیقل کرنے لگے۔

دوسرے روز دونوں طرف سے فوجیں صف آرا ہوئیں۔ اتنے میں مسلمان فوجوں کے عقب میں نعرۂ تکبیر بلند ہونے شروع ہو گئے۔ یہ سیدنا قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ جو چھ ہزار فوجیوں کے ساتھ شام سے آرہے تھے اس لشکر کی قیادت سیدنا ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ اس لشکر کی آمد نے مسلمانوں کے حوصلے اور بلند کر دیے، ہمتیں جوان ہو گئیں۔ جنگ شروع ہوئی۔ تلواریں نیام سے نکلیں اور ایسی ٹکرائیں کہ ہوائیں سہم گئیں۔ دونوں طرف رزم گاہ میں کوئی نہ تھا جو دم سادھے نہ کھڑا ہو۔ سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ایرانی جرنیل بہمن پر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ وہ زمین پر ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ تمام ایرانی فوج میدان میں آگئی ہے تو مسلمانوں کو مخاطب کر کے للکارا: ''مسلمانو! اپنی تلواریں نکال لو، تلواریں ہی فتح و نصرت کی زمین کو دشمنوں کے خون سے سینچتی ہیں۔'' اس آواز کا سننا تھا کہ تلواریں لہرائیں، تیر برسے، نیزے چمکے، خون پانی کی طرح بہہ نکلا، قادسیہ کا میدان خوناب ہو گیا۔ مسلمان بڑھ بڑھ کر حملہ کرتے لیکن دشمن کی تعداد اتنی تھی کہ میدان جنگ میں پلڑا کسی طرف جھکنے نہیں پاتا تھا۔

ایرانی سپاہی نہیں تھے لوہے اور فولاد کی چٹانیں تھیں۔ ادھر مسلمان عزم و ہمت کے دھنی، زبان پر قرآن، دل میں نور ایمان، ہاتھوں میں تلواریں اور نیزے بادلوں کی طرح برستے اور بجلی کی طرح کڑکتے تھے اور سب کی تمنا اللہ کے راستے میں شہادت تھی ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اچانک میدان کارزار کے ایک کونے سے جوش و جذبہ سے بھری ایک آواز گونجی۔ یہ سیدہ خنساء کی آواز تھی۔ ہتھیار سجائے گھوڑوں کی باگ پکڑے چار بیٹے آگے ماں کے حضور کھڑے تھے اور ماں انہیں میدان جنگ میں رخصت کر رہی تھی۔ اس نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو جو کہا تاریخ نے اس کو اپنے سینہ میں محفوظ کر کے رکھا ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

Marfat.com

''میرے بیٹو! قسم ہے اس خدائے لم یزل کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تمہاری رگوں میں شریف خون دوڑ رہا ہے۔ تمہارا حسب ونسب بے داغ ہے۔ میرا سر فخر سے بلند ہے اور تمہارے ماموں اپنی عزت پر جس قدر ناز کریں کم ہے۔ یاد رکھو! جہاد بڑی عبادت ہے۔ اس دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ جب تم دیکھو کہ میدان کارزار گرم ہو گیا ہے تو دشمنوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑنا۔ اس پر ایسا حملہ کرو کہ اس کے ہوش اڑ جائیں اور اسے چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں شہادت کی دولت نصیب فرمائے گا۔'' (اسد الغابہ: ۴۴۲/۵)

اس بڑھیا کے بڑھاپے کا سہارا اور عصائے پیری یہی بیٹے تھے۔ خاوند کا انتقال ہو چکا تھا، لیکن کیسی شیر دل ماں تھی کہ اپنے جگر پاروں کو اسلام پر قربان کرنے کے لیے اپنے ہاتھوں سجا کر بھیج رہی تھی اور پھر ان کی شہادت کی دعائیں بھی مانگ رہی تھی۔

لڑائی جاری ہوئے دیر ہو گئی تھی اور دن کا پچھلا پہر گزر رہا تھا۔ اس وقت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بالاخانے کی پچھلی کوٹھڑی میں ایک قیدی کے دل میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ میدان جنگ میں مجاہدین کے نعرے اور ان کے کارنامے یہ کوٹھڑی سے دیکھ رہا تھا۔ اس قیدی کا نام ابو محجن تھا۔ عرب کے مشہور شاعر اور مانے ہوئے شہ سوار۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے انہیں کسی بے قاعدگی کی سزا میں نظر بند کر رکھا تھا۔ نظر بندی ہی نہیں بلکہ ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی تیمارداری میں ان کی اہلیہ سلمیٰ مصروف تھیں۔ انہوں نے کسی طریقہ سے ان سے درخواست کی کہ ان کی بیڑیاں کھول کر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا بلقاء نامی گھوڑا انہیں عطا فرما دیں، اور قسم کھائی کہ اگر زندہ رہا تو آ کر خود بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰ بنت حفص رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''میں نہ تمہاری بیڑیاں کھول سکتی ہوں اور نہ ہی تمہیں بلقاء نامی گھوڑا دے سکتی ہوں۔'' ابو محجن یاس و ناامیدی کے عالم میں رینگتے ہوئے اپنی کوٹھڑی کی طرف چلے اس وقت ان کی زبان پر کچھ اشعار تھے۔ سلمیٰ بڑی دلیر اور سمجھدار خاتون تھیں۔ انہیں ان شعروں سے بڑی حسرت ٹپکتی نظر آئی۔ بولیں: ''میں تمہارے وعدے سے مطمئن ہوں۔'' انہوں نے ابو محجن کی بیڑیاں کاٹ دیں اور کہا: جاؤ اپنے حوصلہ کو آزماؤ۔ ابو محجن نے شکریہ ادا کیا اور بلقاء پر سوار ہوئے جو ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ میدان جنگ میں جا کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ کبھی میمنے میں گھس جاتے اور کبھی میسرے

Marfat.com

میں اور ایرانیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر پھینکنا شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی وقت میں کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ لوگ حیران تھے یہ جانباز کون ہے؟ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بھی بالا خانے سے اس جانباز کی کارکردگی دیکھ رہے تھے اور بار بار اس کی جوانمردی کی داد دینے کے لیے درد کے باوجود کھڑے ہو جاتے۔ تلوار اس کے ہاتھ میں اس طرح کھیلتی تھی جیسے بادلوں میں بجلی کا کوڑا۔ کبھی یہ بولتے: واللہ! اگر ابو محجن قید میں نہ ہوتا تو میں کہتا یہ ابو محجن ہے اور اس کی سواری میں میرا گھوڑا ابلقاء۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ داد شجاعت دینے والا شخص جو میدان جنگ میں تیرتا پھرتا ہے، کون ہے؟

سورج حجلہ مغرب میں چھپا تو ابو محجن میدان جنگ سے واپس آ گئے۔ آتے ہی اپنی بیڑیاں پہن لیں اور قید خانے میں چلے گئے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی طبیعت پہلے سے کچھ بہتر ہوئی تو بالا خانے سے نیچے آئے دیکھا کہ بلقاء پسینوں میں نہا رہا ہے۔ پوچھا تو سیدہ سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نہایت خوش ہوئے اور ابو محجن کا قصور معاف کر کے اسے رہا کر دیا۔ جنگ سارا دن جاری رہی۔ ایرانیوں کی تعداد بے شمار تھی۔ ایک مرتا تو دس اس کی جگہ آ جاتے۔ آدھی رات گزرنے کے بعد فریقین کے لیے لڑائی بند کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا، لہٰذا لڑائی بند ہو گئی۔ اس روز مسلمانوں کے ہاتھوں دس ہزار ایرانی موت کے گھاٹ اترے جب کہ دو ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

آج لشکر کے سپہ سالار سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کچھ زیادہ ہی خوش تھے اور قلب میں اطمینان بھی انگڑائیاں لے رہا تھا انہوں نے اپنے ایک سپاہی کو بلایا اور کہا:

''ہر ایک خیمے میں جاؤ، دیکھو مجاہد کیا کر رہے ہیں؟ اگر وہ ایک دوسرے کی تعریف کر کے خوش ہو رہے ہیں تو ٹھیک ہے، اور اگر کچھ لوگ خاموش ہیں تو پھر بھی کوئی بات نہیں، لیکن اگر کسی خیمہ میں ضرورت سے زیادہ ایک دوسرے کی تعریفیں ہو رہی ہیں تو مجھے جگا دینا۔ یہ بات غرور و حماقت کی ہوگی جو امت کے لیے خطرناک ہیں اور حق تعالیٰ شانہ کو بالکل پسند نہیں۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے آدمی نے حسب ہدایت سارے لشکر کو گھوم پھر کر دیکھا۔ ہر طرف شجاعت و بہادری کے تذکرے تھے۔ ہر طرف خوشی و مسرت دلوں سے اچھل رہی تھی۔ ہر دل میں

Marfat.com

کامیابی اور فتح کی امید تھی، لیکن ایک خیمے کے آگے اندھیرا تھا۔ چار جانبازوں اور بہادروں کی لاشیں یہیں دفن کرنے کے لیے رکھی ہوئی تھیں۔ خیمے میں ایک بوڑھی خاتون بیٹھی تھیں جس کے چہرے پر غم واندوہ کے بجائے اطمینان اور شکر کی جھلک ٹپک رہی تھی۔ یہ سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا تھیں اور وہ لاشے اس کے چاروں جگر پاروں کے تھے جن کو اس نے آج اپنے ہاتھ سے سجا کر میدان کارزار میں بھیجا تھا۔ اس نیک بخت اور شیر دل خاتون کی زبان پر یہ کلمہ تھا ''حق تعالیٰ کی کیسی عنایت اور مہربانی ہے کہ مجھے چار شہیدوں کی ماں ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ اب میں ان کے سایۂ رحمت میں اپنے بچوں سے ملوں گی۔''

یہ وہی خنساء رضی اللہ عنہا تھیں جن کا مرثیہ گوئی میں کوئی نظیر نہیں تھا۔ سوق عکاظ میں ان کے خیمے کے دروازہ پر ایک علم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا ''ارثی العرب'' یعنی عرب میں سب سے بڑھ کر مرثیہ گو۔ انہوں نے اپنے بھائی صخر کی موت پر وہ مرثیہ لکھا تو کہ پتھر کے کلیجے پانی ہو گئے تھے۔ سوق عکاظ کی فضائیں سوگوار ہوگئیں، لیکن آج اس کے لبوں پر مرثیہ نہیں بلکہ سجدۂ شکر تھا۔ علامہ اصفہانی نے اپنی کتاب الاغانی میں اس کے عجیب وغریب واقعات زندگی لکھے ہیں۔ وہ اسلام لائیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہوئیں، لیکن اسلام لانے کے بعد زندگی کی اقدار (Values) ہی تبدیل ہوگئیں۔

تیسرے روز دونوں لشکر پھر میدان میں آئے۔ آج پھر ہاتھی میدان میں لائے گئے۔ آج رستم نے ہر ہاتھی کے دائیں بائیں سوار اور پیادے بھی کھڑے کر دیے تھے۔ آج اس فوج کی کمان وزیر دفاع رستم بن فرخ زاد کے ہاتھ میں تھی جو ایران میں سب سے بڑا کمانڈر مانا جاتا تھا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے لشکر کو تین صفوں میں ترتیب دیا۔ انہوں نے ہر قبیلے کا ایک ایک کمانڈنگ افسر مقرر کیا۔ سیدنا قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ نے آج ایک نئی جنگی چال چلی۔ آج طبل جنگ پیٹا گیا تو دونوں طرف کے لشکر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ رستم اپنے تخت زرنگار پر بیٹھا میدان جنگ میں ہدایات بھیج رہا تھا۔ ہاتھی مسلمانوں کے لشکر میں تباہی مچا رہے تھے۔ لیکن سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ اور سیدنا عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ دونوں نے اپنے اپنے نیزے ابیض ہاتھی کی آنکھوں میں گھونپ دیے۔ اسی طرح دوسرے ہاتھیوں کی آنکھوں کو تیروں سے زخمی کیا گیا اور ان کی سونڈوں کو بھی تلواروں سے کاٹا گیا۔ وہ چنگھاڑتے ہوئے پیچھے بھاگے اور ایرانیوں کی صفوں کو

Marfat.com

روندتے ہوئے نہر میں جا کودے۔ اس بات کو مسلمانوں نے دشمن کے خلاف اللہ کی نصرت قرار دیا۔ عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نے بھی آج اپنی بہادری کے وہ جوہر صفحہ تاریخ پر نقش کیے جو ہمیشہ یادر کھے جائیں گے۔ رستم نے دیکھا کہ فوجی جی چھوڑ رہے ہیں اور وہ مسلمانوں سپاہیوں کو دیکھتے ہی پیٹھ پھیر دیتے ہیں تو اس نے بہت سے حربی داؤ اختیار کیے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے چند بہادروں کو اکٹھا کر کے کہا کہ جب تک رستم زندہ ہے جنگ کا کوئی فیصلہ نہیں ہو گا۔ چلو دشمن کے اس مینارۂ ہمت کو مسمار کریں۔ اب مجاہدوں کا ہدف ایرانی نہیں بلکہ رستم تھا۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ غنیم کو چیرتے اور اس کی صفوں کو پھاڑتے رستم کے تخت تک پہنچ گئے۔ رستم ان کو دیکھ کر تخت سے نیچے اتر کر لڑنے لگا لیکن مجاہدوں کی تلواروں سے گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ ایک خچر پر لدے سامان کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ ہلال بن علقمہ رضی اللہ عنہ نے ایک خچر پر تلوار کا ہاتھ مارا جس سے اس پر لدے ہوئے سامان کی رسی کٹ گئی جس کے نیچے رستم چھپا کھڑا تھا۔ سارا بوجھ رستم پر پڑا اور اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ رستم دوڑ کر نہر میں کود گیا۔ ہلال اس کے پیچھے نہر میں کود گئے اور اس کو نہر سے نکال کر قتل کر دیا۔ پھر اس کے تخت رواں پر کھڑے ہو کر چلائے ''رب کعبہ کی قسم! میں نے رستم کو قتل کر دیا۔'' مسلمان نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے ہلال بن علقمہ کے گرد جمع ہو گئے۔ ایرانیوں کو جب پتہ چلا کہ رستم مارا گیا ہے تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ جونہی وہ بھاگتے ہوئے دریا کے پل پر پہنچے تو پل کمزور تھا۔ سپاہیوں کا اتنا بوجھ برداشت نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تیس ہزار ایرانی اپنی زرہوں سمیت دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ کافی لوگ بھاگتے ہوئے قتل ہوئے۔ اور ہزار ہا نے اپنے ہتھیار مسلمانوں کے سامنے ڈال دیے۔ اس طرح جنگ قادسیہ کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ مسلمان شہداء کی تعداد چھ ہزار تھی جبکہ ایرانیوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی۔

اس جنگ میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عرق النساء کے درد کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے، اس وجہ سے فوج کو ان کی طرف سے بدگمانی رہی یہاں تک کہ ایک شاعر نے ان کے بارے میں کہا:

وقاتلت حتی انزل اللہ نصرہ

وسعد بباب القادسیۃ معصم

Marfat.com

فــابـنــا وقــد آمـــت نســاء كثيــرة
ونسـوة سـعـد ليـس فيـهـن ايـم

''یعنی ہم لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح ونصرت عطا فرمائی، لیکن سعد رضی اللہ عنہ قادسیہ کے دروازہ سے چمٹے رہے۔ جب ہم واپس ہوئے تو ہماری بہت سی عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں، لیکن سعد رضی اللہ عنہ کی کوئی بیوی بیوہ نہ ہوئی تھی۔''

یہ اشعار عام لوگوں کی زبان پر جاری ہو گئے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو جب ان اشعار کے بارے میں پتہ چلا کہ بعض غیر ذمہ دار لوگ ان پر جنگ سے جی چرانے کا الزام لگا رہے ہیں اور انہیں بزدلی اور بے ہمتی کے طعنے دے رہے ہیں تو انہیں بہت دکھ ہوا، اور غصہ میں اپنے پاس والوں سے فرمایا: ''مجھے اٹھا کر لوگوں کے سامنے لے جاؤ۔'' چنانچہ آپ کو اٹھا کر لوگوں کے سامنے لے جایا گیا اور فوج نے ان کی تکلیف دیکھ کر انہیں واقعی معذور قرار دیا۔ لیکن سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو الزام لگانے پر بہت غصہ تھا، اس لیے فرمایا: ''واللہ! اگر تم دشمن کے مقابل نہ ہوتے تو میں تمہیں عبرت آفرین سزا دیتا۔ بخدا! آج کے بعد اگر کسی نے کوئی ایسی حرکت کی جو ہمیں دشمن سے غافل کر دے تو اس کے ساتھ میں وہ سلوک کروں گا جو آنے والوں کے لیے ایک مثال ہو گا۔'' ایک روایت میں ہے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار سن کر فرمایا:

اللهم ان كان هذا كاذباً وقال الذی قاله رياء وسمعة فاقطع لسانه۔

''اے اللہ! اگر یہ بات کہنے والے نے غلط کہی ہے اور ریا کاری کے جذبہ سے کہی ہے تو میری طرف سے اس کی زبان بند کر دیجیے۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نہایت مستجاب الدعوات تھے، لہٰذا وہ شخص صف میں کھڑا تھا کہ ایک تیر سیدھا اس کے منہ میں آ کر لگا۔ زبان بھی بند ہو گئی اور شہید بھی ہو گیا۔

قادسیہ کی اس فتح نے مسلمانوں کے لیے ایران کے پایۂ تخت مدائن کا راستہ کھول دیا اور اس کے اقتدار کو آخری ضرب لگانے کے لیے زمین ہموار کر دی۔

مدائن اور دیگر علاقوں کی فتح

قادسیہ کی فتح کے بعد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دو ماہ سے زیادہ عرصہ تک وہیں

Marfat.com

ڈیرے ڈالے رہے کیونکہ آگے بڑھنے کے لیے انہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت درکار تھی۔ قادسیہ میں شکست کھانے کے بعد ایران کے نائب سپہ سالار نے تو مدائن میں پناہ لی اور دوسرے جرنیل بابل چلے گئے یا پھر ایران کے مختلف علاقوں میں منہ چھپاتے پھر رہے تھے۔ یزدگرد کو شکست کے غم کی شدت نڈھال کیے ہوئے تھی۔ بلکہ پریشانی نے اس کے دماغ کو مفلوج کر دیا تھا۔ قادسیہ میں دو ماہ سے زائد قیام نے مسلمان فوجیوں کی تکان وغیرہ اب دور کر دی تھی۔ اب وہ بارگاہ خلافت سے آئندہ حکم کے انتظار میں تھے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو بارگاہ خلافت سے حکم ہوا کہ ''آگے بڑھو'' لیکن بال بچوں کو عتیق میں چھوڑ کر معتدبہ فوج ان کی حفاظت پر مامور کر دینا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے زہرہ بن حویہ کی سرکردگی میں ہراول دستہ روانہ کیا۔ زہرہ حیرہ سے ہوتے ہوئے مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں برس کے مقام پر ایرانیوں کی ایک جماعت سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی لیکن زہرہ نے انہیں جلد ہی شکست دے دی۔ زہرہ کو پتا چلا کہ بابل میں قادسیہ کے شکست خوردہ کئی جرنیل موجود ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس بارے میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی جو اس وقت ہاشم بن عتبہ کے ساتھ حیرہ میں مقیم تھے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ خود بابل کے ارادہ سے چلے اور اس کو فتح کیا۔ اب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے خود تو بابل میں قیام فرمایا اور زہرہ کی کمان میں کچھ فوجیں آگے روانہ کیں۔ انہوں نے کوثی پہنچ کر دم لیا اور وہاں کے رئیس شہریار کو ان کے ایک غلام نابل نے مبارزت میں قتل کر دیا کوثی ایک تاریخی مقام تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید کیا تھا۔ چنانچہ قید خانہ کی جگہ اس وقت تک محفوظ تھی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بابل سے تشریف لائے تو اس کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی:

﴿تلك الايام ندا ولها بين الناس﴾

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ خود تو بابل میں قیام پذیر رہے اور زہرہ کو مدائن جانے والے لشکر کا امیر بنا کر روانہ کیا۔ دوسری طرف ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ بھی مدائن کے ارادے سے نکلے۔ بہرشیر کے قریب سباط میں ان کا سامنا پوران دخت بنت کسریٰ کے شاہی رسالہ سے ہوا جس کے سپاہی روزانہ یہ قسم کھاتے تھے کہ جیتے جی ایران کی حکومت کو زوال پذیر نہ ہونے دیں گے۔ اس رسالہ کے ساتھ ایک شیر ببر بھی تھا۔ اس شیر ببر کو مسلمانوں پر چھوڑا گیا۔ بھوکا شیر گولی کی طرح پنجرے

Marfat.com

سے نکلا، ڈکارتا اور دندناتا ہوا مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ قبل اس کے کہ اسلامی لشکر میں کوئی آگے بڑھتا، ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ امیر لشکر خود آگے نکل آئے۔ ایرانی کھڑے اس نظارہ کو دیکھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ مسلمان کتنا بیوقوف ہے۔ موت کی طرف سے کیسا بے پروا۔ بات تو ٹھیک تھی کہ انسان اور درندے کی قوت کا کیا مقابلہ؟ درندہ بھی شیر خونخوار۔ ہاشم رضی اللہ عنہ اور شیر گویا ''نیا حریف تھا میدان کارزار میں'' ہاشم رضی اللہ عنہ اپنی موت سے کھیل رہے تھے اور ایرانی دم سادھے ان کے انجام کے منتظر تھے۔ تھوڑی دیر میں سب نے دیکھا کہ شیر یوں اچھلا جیسا کہ کوہ آتش فشاں کا ٹکڑا اڑتا ہے۔ اس کی اڑان موت کی کمند تھی اور اس کی دھاڑ قیامت کی دھمک۔ سب کی نظریں شیر خونخوار پر جمی ہوئی تھیں۔ شیر ہاشم رضی اللہ عنہ کے سر پر گرنے ہی کو تھا۔ سب کی آنکھوں نے دیکھا کہ پلک جھپکنے میں اللہ کے سپاہی کے ہاتھوں میں کوندا سا لپکا اور ابھی موت کا سایہ مجاہد اسلام کے سر پر پڑنے بھی نہ پایا تھا کہ فضا ہی سے شیر غراتا دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ دونوں فوجیں حیرت سے اس منظر کو تک رہی تھیں ایرانی یہ منظر دکھ کر بھاگ گئے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بہر شیر پہنچے تو اسلامی لشکر میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ ہاشم کی تلوار آنکھوں سے لگائی جا رہی تھی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے بھتیجے کی اس شیر افگنی کا حال سنا تو بہت خوش ہوئے۔ بہرشیر کی فتح مدائن کی فتح کا دیباچہ تھا کیونکہ مدائن کا وہ حصہ جو دجلہ کی دوسری طرف تھا بہرشیر کہلاتا تھا۔ بہرشیر کی فتح کا واقعہ ذی الحجہ سنہ ۱۵ھ کا ہے۔

شیر کو فضا میں دو ٹکڑے ہوتے دیکھ کر ایرانی بہرشیر کے اندر داخل ہو گئے اور شہر کے دروازے بند کر لیے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ دو تین ماہ جاری رہا، لیکن آخر ایرانیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اب یہ خوف ان کے دلوں میں جاگزین ہو گیا کہ جو بھی مسلمانوں کے مقابلے میں جائے گا شکست ہی سے دوچار ہو گا۔ اہل شہر کی شکست کی خبریں روزانہ بلکہ لحظہ بہ لحظہ یزدگرد کو پہنچ رہی تھیں۔ چنانچہ غم اور اندوہ کا سایہ اس پر چھا گیا اور مایوسی اور یاس اس کے دل میں رینگنے لگی۔ بامر مجبوری اب اس نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں صلح کی درخواست بھیجی اور دریائے دجلہ کو ایران و عرب کے درمیان حد فاضل قرار دیا یعنی دجلہ کے اس طرف جو کچھ ہے ہمارا اور اس طرف پہاڑ تک جو کچھ ہے وہ تمہارا۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے صلح کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ ہمارے

Marfat.com

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا حکم ہے کہ مدائن کو فتح کیا جائے۔ اس لیے ہم مدائن پر قبضہ کر کے ہی رہیں گے۔ اس بات نے ایرانیوں اور یزدگرد کے حوصلے پست کر دیے۔ وہ اپنی ہمتیں ہار گئے۔ مسلمان جب فاتحانہ طور پر بہر شیر شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ شہر بالکل سنسان تھا۔ اس میں موت کی سی خاموشی تھی۔ صرف ایک شخص امان طلب کرتا ہوا ان کے پاس آیا اور اس نے یہ بتایا کہ بہر شیر کی ساری آبادی کو یزدگرد نے مدائن بلوا لیا ہے اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا ہے کہ دجلہ کے تمام پلوں کو آگے لگا کر گروا دیا جائے ساری کشتیاں مدائن کے ساحل پر منگوالی جائیں۔ چنانچہ یہ دونوں کام فوی طور پر ہوئے۔

اب مدائن اور اسلامی فوج کے درمیان صرف دریائے دجلہ تھا جس کی تند و تیز موجیں مسلمانوں کو روکے ہوئے تھیں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ دجلہ کے کنارے کھڑے اس کی موجوں کو دیکھ رہے تھے اور دریا کو پار کرنے کے بارے میں غور و فکر کر رہے تھے۔ اب مدائن کا بارونق شہر بغیر کسی رکاوٹ کے ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ وہ مدائن جہاں سے ان کے وفد کے ارکان کو ذلیل کر کے نکالا گیا تھا اور مٹی کا ٹوکرا ان پر لادا گیا تھا۔ ابھی وہ شہر کے در و دیوار ہی کو دیکھ رہے تھے کہ ایک طرف سے ایک آواز گونجی۔ یہ ضرار بن خطاب کی آواز تھی۔ وہ کہہ رہے تھے۔ مسلمانو! وہ دیکھو سامنے کسریٰ کا قصر ابیض ہے۔ وہی محل جس پر قبضہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی۔ یہ عمارت اتنی بلند تھی کہ اتنی بلند عمارت مسلمانوں نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔ اب ان کے دل میں ایوان کسریٰ میں داخل ہونے کا شوق انگڑائیاں لینے لگا۔ مسلمانوں کا یہ جوش و خروش دیکھ کر ان کا سپہ سالار (سیدنا سعد رضی اللہ عنہ) غور و فکر کے اتھاہ سمندر سے ابھرا اور اس دجلہ کو پار کر کے ایوان کسریٰ میں داخل ہونے کا عزم بے باکانہ اس کے چہرے پر دکھائی دے رہا تھا۔ یہ محل اس زمانے میں عجائبات عالم میں شمار ہوتا تھا۔ یہ محل نوشیرواں نے ۵۵۰ء میں بنوایا تھا۔ اس کی تعمیر میں رومی، یونانی اور ایرانی فن تعمیر کی تمام نزاکتیں صرف کر دی گئی تھیں۔ اسے جو دیکھتا بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔ ہما شما نہیں بڑے بڑے بادشاہوں کی ٹکٹکی بندھ جاتی۔ اس وقت اسے بنے ہوئے قریباً سو سال ہو گئے تھے لیکن معلوم ایسا ہوتا تھا کہ کاریگر ابھی بنا کر فارغ ہوئے ہیں۔

ادھر مسلمان قصر ابیض پر قبضہ کرنے کے خیالات میں مستغرق تھے اور وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے لیکن دوسری طرف یزدگرد کسریٰ ایران اپنے ایوان میں پراگندہ خاطر بیٹھا

Marfat.com

تھا۔ وہ کبھی یہ سوچتا کہ دریائے دجلہ کا یہ چوڑا پاٹ اور اس کی تیز و تند موجیں ایک قدرتی فصیل کا کام کر رہی ہیں۔ اس کی کف آگین موجیں اور اس کا گہرا پانی عربوں کو روکے رکھے گا، لیکن پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ اس خیال کی خود تردید کر دیتا اور اپنے آپ سے کہتا کہ جب بڑے بڑے خونخوار ہاتھی اور شیر اور میری لاکھوں کی تعداد میں فوج ان کا راستہ نہیں روک سکی تو اس دریا کی کیا حیثیت ہے۔ اب اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ بھاگ کر اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان بچائے۔ چنانچہ اس نے شاہی خدام کو حکم دیا کہ قیمتی سامان، خزانہ، حرم شاہی اور شہزادے شہزادیوں کو لے کر حلوان چلے جائیں۔ لوگوں نے جب بادشاہ کا یہ حال دیکھا تو وہ بھی حوصلہ ہار گئے۔ چنانچہ ایرانیوں کی قوت مدافعت جواب دے گئی اور اب دریائے دجلہ کے سوا کوئی انہیں مجاہدین اسلام کے حملہ سے نہیں بچا سکتا تھا۔

اسلامی فوج کے سامنے اب سب سے بڑا مسئلہ دجلہ کو عبور کرنے کا تھا۔ سپہ سالار لشکر ہر وقت اسی خیال میں غرق تھے۔ اتنے میں انہیں اطلاع ملی کہ یزدگرد نے اپنا خزانہ حلوان منتقل کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ اس وقت سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے جرنیلوں اور سپاہیوں کو اکٹھا کر کے فرمایا:

''میرے ساتھیو! دشمن نے اس دریا کو اپنی سپر بنایا ہے۔ تم اس میں سے گزر کر اس کی طرف نہیں جا سکتے لیکن وہ جب چاہے کشتیوں میں بیٹھ کر تمہاری طرف آ سکتا ہے اور تم پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ تمہاری پشت پر کوئی خطرہ نہیں جس سے خوف کھایا جائے، مگر قبل اس کے کہ دشمن تمہیں گھیر لے تم قدم بڑھا کر دشمن پر حملہ کر دو۔ میں عزم کر چکا ہوں کہ دریا عبور کر کے ان تک ضرور پہنچوں گا۔''

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر سب نے یک زبان ہو کر کہا: ''اپنے ارادہ کو روبہ عمل لایئے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔'' لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ دریا کو عبور کیسے کیا جائے؟ اگر وہ کشتیوں پر بھی دریا عبور کریں تو ایرانی لشکر دریا کے دوسرے کنارے پر کھڑا خشم گین نظروں سے انہیں دیکھ رہا ہے۔ وہ انہیں دریا سے باہر کیسے نکلنے دے گا؟ آخر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک بات صلائے عالم کے طور پر کہی کہ ''کون ہے جو پہلے اس کنارے پر جا کر دشمن کو روکے تاکہ وہ لشکر کو دریا پار کرنے سے باز رکھ سکیں۔'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر قوت و شجاعت کے پتلے سیدنا عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اس کام کے لیے پیش

Marfat.com

کیا۔ان کے ساتھ چھ سو جانباز اور تیار ہو گئے۔سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کو ان کا افسر بنا دیا۔جب یہ لوگ دریائے دجلہ کے کنارے پر پہنچے تو عاصم رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: ''دوسرے کنارے پر پہنچنے کے لیے دریا میں سب سے پہلے میرے ساتھ کون اترے گا؟'' ساٹھ سوار آگے بڑھے۔انہوں نے دوسروں سے کہا: ''تم اس پانی سے ڈر گئے؟'' پھر یہ آیت پڑھی:

﴿وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا﴾

(آل عمران:۱۴۵)

''اور کوئی شخص مر نہیں سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو۔اس نے لکھ رکھا ہے وقت مقررہ پر۔''

یہ کہہ کر عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے دریا میں گھوڑا ڈال دیا اور ان کے پیچھے ان کے ساتھی بھی دریا میں اتر گئے۔سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مجاہدین اسلام کی یہ پہلی ٹکڑی آگے بڑھ رہی ہے اور دریائے دجلہ کے دوسرے کنارے پر ایرانی ان سے مقابلہ کی تیاری کر رہے ہیں تو انہوں نے بھی اپنے چھ سو سپاہیوں کو حکم دیا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔چنانچہ انہوں نے بھی اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔ایرانی فوجیں یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئیں۔ان میں سے کچھ تو انہیں دیوانے لگنے لگے اور کچھ نے کہا: ''یہ انسان نہیں جن ہیں۔''

تھوڑی دیر تو ایرانی انہیں حیرت سے تکتے رہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی دریا کے وسط میں پہنچ گئے ہیں تو مقابلہ کے لیے چند سوار دریا میں اتار دیے۔جب یہ لوگ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچے تو سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں کو حکم دیا کہ تیر چلاؤ اور ان کی آنکھیں پھوڑ دو۔اب جب مسلمان فوجیوں نے ایک ساتھ تیر چلائے اور وہ ایرانی گھوڑوں اور ان کے سواروں کی آنکھوں میں ترازو ہونے لگے تو وہ گھبرا کر بھاگے اور مسلمان مجاہدین تھے کہ ہنستے کھیلتے دریا کی مرگ آفریں موجوں کا سینہ چیرتے چلے جا رہے تھے اور دجلہ کا ساحل سہم کر ان جگرداروں اور بہادروں کو تکنے لگا۔کیسے صاحب عزم اور صاحب ایمان تھے یہ لوگ۔دریا میں چلے تو اس شان کے ساتھ صفوں کی ترتیب میں کوئی فرق نہ آیا۔یمین و یسار برابر تھے اور دشمن کا خیال یا موت کا خوف ان میں سے کسی کو چھو کر بھی نہ گیا تھا۔

Marfat.com

عاصم رضی اللہ عنہ اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ جب دوسرے کنارہ پر پہنچے تو ایرانی انہیں دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کے پیچھے سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ بھی اپنے چھ سو ساتھیوں کے دستے کو لے کر کنارے پر پہنچ گئے۔ اس وقت مشرقی کنارے پر ایک بھی ایرانی سپاہی نہ تھا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ مدائن والے کنارے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے تو انہوں نے باقی سواروں کو بھی دریا عبور کرنے کا حکم دیا۔ جب ان مجاہدوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے تو سارا دریا گھوڑوں سے اس طرح پٹ گیا کہ پانی تک نظر نہ آتا تھا۔ ویسے سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے مشرقی کنارے پر جا کر ملاحوں کو حکم دیا تھا کہ اپنی کشتیاں بہرشیر کی طرف لے جائیں۔ چنانچہ پیادہ فوج ان کشتیوں میں بیٹھ کر آئی۔ جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے دریا عبور کیا تو مدائن سے تمام ایرانی فوج بھاگ گئی تھی۔ شہر کے لوگوں نے جزیہ پر آمادگی ظاہر کر کے شہر کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھول دیے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ جب دریا عبور کر رہے تھے تو سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی اس وقت ان کے ساتھ تھے۔ وہ بے حد خوش تھے کہ ایمان کی روشنی آج ان کے ملک میں پہنچ رہی ہے۔ انہوں نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں مسلمان کی جان ہے جیسے ہی ہم دریا میں اترے ہیں ویسے ہی صحیح سلامت ہم دریا کے پار ہوں گے۔ بلاذری نے ابان بن صالح سے روایت کیا ہے کہ ''مسلمان دجلہ کی طرف آئے۔ وہ اس وقت پانی سے اتنا لبریز تھا کہ اس سے قبل اتنا پانی اس میں نہیں دیکھا گیا، لیکن مسلمانوں نے اس میں اپنے گھوڑے ڈال کر اسے پایاب ثابت کر دیا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ مسلمان دریا میں اس طرح باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے جس طرح زمین پر باتیں کرتے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل سکون و اطمینان سے لبریز تھے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کی نصرت و سلامتی کے لیے اللہ سے دعا کی اور اسے دریا کی موجوں کے سپرد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی اور مسلمانوں کا کوئی آدمی یہاں تک کہ سامان بھی ضائع نہ ہوا۔ صرف لکڑی کا ایک پیالہ جو سامان کی رسی ڈھیلی ہو جانے کی وجہ سے دریا میں گر گیا تھا لیکن پانی کا بہاؤ اس کو بھی اسی سمت لے گیا جس سمت یہ لشکر جا رہا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے اسے اٹھا کر اس کے مالک کے سپرد کر دیا۔ دریا کو عبور کرتے وقت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ

Marfat.com

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ فرمانے لگے "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" خدا کی قسم! اللہ اپنے بندوں کو ضرور اپنی نصرت سے نوازے گا۔ وہ یقیناً اپنے دین کو غالب کرے گا اور لازم طور پر اپنے دشمن کو شکست دے گا۔" سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "بخدا! ان کے لیے زمین کی طرح دریا بھی پامال کر دیے گئے ہیں۔"

دجلہ کی ایسی طغیانی کی حالت میں ساٹھ ہزار سواروں کا اطمینان وسکون کے ساتھ باہم گفتگو کرتے ہوئے اس طرح پار ہو جانا اور کسی کی جان و مال کا نقصان نہ ہونا ایک بڑی عجیب و غریب بات اور اسلام کا کھلا معجزہ اور اس کے آسمانی دین ہونے کی ایک بین شہادت تھی، لیکن اس سے زیادہ حیرت میں ڈالنے والی یہ بات تھی کہ دریا کے زور وشور میں تیرتے ہوئے جو گھوڑا تھک جاتا، اس کے آرام کے لیے اسی جگہ پانی میں ایک ٹیلہ ظاہر ہو جاتا تھا جس پر کھڑے ہو کر ستا لیتا اور اپنی تھکن اتار لیتا تھا۔ قریب قریب تمام گھوڑوں کو ایسا ہی اتفاق ہوا۔ اس عجیب وغریب آسمانی تائید کو نافع بن اسود نے اپنے اشعار میں بیان کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"ہم نے مدائن میں گھوڑوں کو جھکا دیا کیونکہ مدائن کا دریا ان کے واسطے میدان کی طرح خوش نما تفریح کی جگہ تھی۔ پھر ہم نے کسریٰ کے خزانوں کو نکال لیا جب کہ ان لوگوں نے پشت پھیری اور کسریٰ مغموم ہو کر ہم سے بھاگا۔"

مسلمانوں کا لشکر دریا سے نکلا تو گھوڑوں نے ہنہنا کر اپنے جسم سے پانی جھاڑا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مدائن میں داخل ہوئے تو ان لوگوں کے سوا جو قلعہ میں چھپے ہوئے تھے پورا شہر خالی تھا۔ یہ اس لیے کہ خود بادشاہ اپنے سامان اور خزانہ کو لے کر حلوان بھاگ گیا تھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے قلعہ بند لوگوں کو نکل آنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ نکل آئے۔ اس کے بعد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو لے کر قلعہ میں داخل ہوئے اور کسریٰ ایران کے عجائب ونوادرات کا جائزہ لیتے ہوئے ان آیات کی تلاوت فرمائی:

﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ﴾ (الدخان: ۲۵ تا ۲۹)

Marfat.com

"وہ بہت سے باغات، چشمے، کھیت، پاکیزہ مقام اور نعمتیں چھوڑ گئے جن میں وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے، اور اس طرح ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا وارث بنایا۔ پس نہ ان پر آسمان رویا اور نہ ہی زمین اور نہ ہی انہیں ڈھیل دی گئی۔"

اس روز جمعہ تھا۔ کسریٰ کے ایوان عام میں مدائن کی سرزمین پر پہلی بار نماز جمعہ کے لیے اللہ کی تکبیر بلند ہوئی اور اس قصر ابیض کے در و دیوار نے گواہی دی:

اشهد ان لا اله الا الله واشهدان محمدا رسول الله

اس سے قبل قصر ابیض کے در و دیوار نے توحید الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی نہیں سنی تھی۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے محل میں قیام فرمایا اور ایوان کسریٰ کو مسجد بنا دیا۔ ہر طرف سے مال غنیمت اکٹھا کر کے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سامنے ڈھیر لگائے جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک سپاہی مال غنیمت کے خزانچی کے پاس جواہرات کا ایک ڈبہ لے کر آیا جسے دیکھ کر خزانچی اور حاضرین مجلس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا: "جتنا سامان اب تک ہمارے پاس اکٹھا ہوا ہے اس میں ایک شئے بھی ایسی نہیں جسے اس کے مقابلہ میں رکھا جائے۔" پھر جب اس سے پوچھا گیا کہ اتنا قیمتی ڈبہ تو نے رکھ کیوں نہ لیا؟ تو اس اللہ کے نیک بندے نے بڑا خوب جواب دیا:

"وجہ بتاؤں تو تم سن کر میری تعریف کرو گے، لیکن میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں، اور اس اجر پر مطمئن ہوں جو ایمان داری کے صلہ میں مجھے اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔"

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو جب اس سپاہی اور اس جیسے دوسرے سپاہیوں کا حال معلوم ہوا تو فرمایا:

"خدا کی قسم! لشکر کا لشکر ایمان دار ہے۔ اگر اصحاب بدر کو ایک خاص فضیلت حاصل نہ ہوتی تو میں کہتا کہ یہ لوگ جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کے ہم مرتبہ ہیں۔"

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تمام مال غنیمت میں سے اس کا خمس (پانچواں حصہ) علیحدہ کیا اور چھانٹ چھانٹ کر اس میں ایسی چیزیں رکھیں جنہیں دیکھ کر عرب کے بادیہ نشین تصویر حیرت بن جائیں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ساٹھ ہزار سواروں میں یہ مال غنیمت تقسیم کیا اور ایک ایک سوار کے حصہ میں بارہ بارہ ہزار آئے۔

Marfat.com

معرکہ جلولا

مدائن سے کوئی چالیس میل دور بغداد کے قریب خراسان کے راستے میں عراق عجم کی سرحد پر ایک شہر کا نام جلولا تھا۔ یزدگرد حلوان کے قصر شیریں میں بیٹھ کر دن رات یہی سوچتا رہتا تھا کہ مسلمانوں سے مدائن کی فتح کا کیسے انتقام لیا جائے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو یزدگرد کے بارے میں ہر قسم کی خبروں سے ان کے جاسوس مطلع کرتے رہتے تھے۔ پتہ چلا کہ اس وقت جلولا میں مہران، فیروزان، رستم کا بھائی خرزاد اور وہ تمام جنگی بہادر اور جرنیل جمع ہیں جن کے سینوں میں عربوں کے خلاف انتقام کے شعلے بھڑک رہے ہیں، اور انہوں نے قسم کھا کر یہ عہد کیا ہے کہ جب تک عربوں کے ایک ایک فرد کو اپنے ملک سے نکال باہر نہ کریں گے، سکون سے نہیں بیٹھیں گے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خلافت میں ان تمام خبروں کی اطلاع دی۔ وہاں سے حکم آیا کہ ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو ۱۲ ہزار فوج لے کر ساتھ جلولا بھیج دو اور مقدمۃ الجیش کو قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دینا۔ چنانچہ جب یہ لشکر جلولا پہنچا تو لشکر اسلامی کو دیکھ کر اہل جلولا قلعہ بند ہو گئے۔ ہاشم نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ایرانی فوج کی قیادت مہران کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن مسلمانوں کا رعب کچھ اس طرح ایرانیوں کے دلوں پر بیٹھ گیا تھا کہ دو لاکھ سے زائد فوج ۱۲ ہزار مجاہدین سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنے سے خوف کھاتی تھی۔ ۸۰ روز تک شہر کا محاصرہ رہا۔ ۸۰ روز کے بعد یہ لوگ قلعہ سے باہر آئے اور کھلے میدان میں مسلمانوں سے جنگ کی لیکن شکست ان کے مقدر میں تھے۔ مسلمانوں کی تلواروں نے ایرانیوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ ایک لاکھ سے زائد ایرانی میدان میں کام آئے۔ تین کروڑ کی غنیمت ہاتھ میں آئی، اور لونڈی اور غلام اس کے علاوہ۔ بار برداری کے جانور بھی بہت زیادہ ہاتھ لگے۔ کچھ نوادرات بھی ملے۔ ہر سوار کے حصہ میں ۹ ہزار کی رقم اور نو بار برداری کے جانور آئے۔ غلام اور کنیزیں اس کے علاوہ تھیں۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جہاں جلولا کی فتح، وہاں سے حاصل ہونے والے مال و اسباب اور پھر سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کے حلوان کو فتح کرنے کی اطلاع بارگاہ خلافت میں دی، وہاں ایرانیوں کو ان کے اندرون ملک میں مار بھگانے کی اجازت بھی طلب کی لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

Marfat.com

''میں چاہتا ہوں کہ سواد اور پہاڑ کے درمیان ایک دیوار کھڑی ہو جائے کہ نہ وہ ہماری طرف آسکیں اور نہ ہم ان کی طرف جاسکیں۔ ہمارے لیے سواد کا علاقہ ہی کافی ہے۔ میں مسلمانوں کی سلامتی کو مال غنیمت پر ترجیح دیتا ہوں۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کو لکھا کہ موصل کے رومی تکریت میں اکٹھے ہو رہے ہیں جو مدائن کے شمال میں دجلہ کے کنارے واقع ہے۔ اس کے جواب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ عبداللہ بن معتم کو پانچ ہزار لشکر کے ساتھ تکریت روانہ کر دیں۔ رومی جب محاصرہ سے تنگ آ گئے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ کشتیوں پر اپنا سامان لاد کر بھاگ جائیں۔ چنانچہ رومی کشتیوں پر سوار ہونے کے لیے باہر نکلے تو وہ تلواروں پر دھر لیے گئے اور اس کے ساتھ ہی شہر پر حملہ کر دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہر کا ایک متنفس بھی زندہ نہ بچا۔

تکریت کی فتح کے ساتھ ہی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مزید کوئی علاقہ فتح نہ کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری کا زمانہ ختم ہو گیا اور اب وہ ایک گورنر کی حیثیت سے مدائن کو ایک صوبہ بنا کر نظم و نسق میں مصروف ہو گئے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے جس طرح اپنی سپہ سالاری کو خوش اسلوبی سے نبھایا، اب گورنر کی حیثیت سے بھی نہایت عمدگی اور خوبی کے ساتھ انہوں نے علاقے کا نظم و نسق چلایا۔ تمام عراق کی مردم شماری اور پیمائش کرائی، مفتوحہ اراضی کو ملک کے اصلی باشندوں کے ہاتھ ہی میں رہنے دیا۔ لگان اور جزیے کے اصول وضع کیے۔ اور رعایا کے امن و آرام کے لیے پورا پورا انتظام کیا۔ عجمیوں کے ساتھ اتنا اچھا اور شفقت آمیز سلوک کیا کہ ان کے دل اپنی مٹھی میں کر لیتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے بڑے امراء و رؤساء ان کے اسی شفقت آمیز سلوک سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے چنانچہ جمیل بن بصیری، بسطام بن نرسی، رفیل اور فیروز وغیرہ عراق کے مشہور رؤسا تھے، خود بخود حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اسی طرح دیلم کا شاہی رسالہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

کوفہ کی تعمیر

تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ عراق کے شہروں کی آب و ہوا نے اسلامی فوجوں

Marfat.com

کی صحت پر نہایت برا اثر ڈالا۔ جلولا، حلوان، مدائن، تکریت اور موصل وغیرہ سے فتح کی خبر اور مال غنیمت لے کر لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے تو ان کے مطالبات پر غور وفکر کیا، اس کے بعد فرمایا: ''بخدا! تمہاری صورتیں اب وہ نہیں رہیں جو یہاں سے جاتے وقت تھیں۔ قادسیہ اور مدائن سے جو لوگ آئے تھے میں نے اپنی آنکھوں سے بغور دیکھا کہ ان کی بھی یہی حالت تھی۔ آخر یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری صحت روز بروز گر رہی ہے۔'' انہوں نے جواب دیا: ''وہاں کی آب و ہوا کا اثر ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ عربوں کی رنگتیں کیوں جھلس گئی ہیں؟ انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ وہاں کی آب و ہوا کا اثر ہے۔ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مدائن میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقیم تھے۔ انہوں نے ان وفود کے پہنچنے سے قبل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ ''عربوں کے پیٹ پچک گئے ہیں، جسم سوکھ گئے ہیں اور رنگتیں جھلس گئی ہیں۔'' اس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سخت تشویش لاحق ہوئی اور انہوں نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا: ''عربوں کو وہی آب و ہوا راس آئے گی جو ان کے اونٹوں کو راس آئے گی، لہٰذا کوئی ایسا علاقہ تلاش کرو جس کو خشکی اور تری سے یکساں تعلق ہو اور میرے اور ان کے درمیان کوئی دریا یا پل حائل نہ ہو۔'' اس خط سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دو مقصد تھے۔ ایک یہ کہ ان عربوں کے قیام کے لیے جو مقام یا خطہ منتخب کیا جائے وہ صحرا کی طرح خشک ہو لیکن اس میں صاف ستھرے پانی کی نہریں اور چشمے بھی ہوں۔ دوسرا یہ کہ اگر کبھی ان لوگوں کو مدد کی ضرورت پڑ جائے تو راستہ میں کوئی دریا یا پل مزاحم نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بحری سفر کو نہایت خطرناک سمجھتے تھے اور اس لیے نہیں چاہتے تھے کہ ان کے اور ان کی فوج کے درمیان کوئی ایسی شئے حائل ہو جسے طے کرنے میں ان کو بھیجی ہوئی مدد خطرے یا ہلاکت سے دوچار ہو جائے۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے موصل سے عبداللہ بن معتم رضی اللہ عنہ اور جلولا سے قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ امیر المؤمنین کی پسند کے مطابق کوئی جگہ تلاش کریں۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ ذمہ داری سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی تھی۔ دوسری طرف مدینہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی باخبر لوگوں سے ایسی جگہ کے بارے میں مشورہ کیا۔ سب نے متفقہ طور پر رائے دی کہ حیرہ کے قریب کوفہ کا مقام نہایت موزوں ہے۔ ایک تو وہ حیرہ کی طرح فرات

Marfat.com

کے قریب سرسبز و شاداب مقام پر واقع ہے، دوسرے صحرا سے بھی کچھ دور نہیں اور اس کی زمین ریتلی اور کنکریلی ہے۔ اس وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے قبل نعمان بن منذر کا خاندان عراق عرب کا فرماں روا تھا۔ اس کا پایہ تخت یہی مقام تھا، اور اس کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اس کے آس پاس واقع تھیں۔ اس شہر کا منظر نہایت خوبصورت اور خوش نما تھا۔ یہ مقام دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا۔ اس وجہ سے پانی کی بہتات بھی تھی۔ اہل عرب اس مقام کو ''خد العذراء'' یعنی عارض محبوب کے نام سے پکارتے تھے کیونکہ یہ زمین زرخیزی کی وجہ سے عمدہ قسم کے عربی پھولوں اقحوان، قیصوم اور خزامی کا چمن زار تھا۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جگہ کے انتخاب کے بعد مدائن سے کوفہ کے مقام پر پہنچے اور ایک اونچی جگہ منتخب کر کے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس کے چاروں طرف اتنی جگہ چھوڑ دی گئی کہ اگر مسجد کے وسط میں کھڑے ہو کر تیر پھینکا جائے تو اس میدان کے آخری سرے پر گرے، اور اس جگہ کو بازار بنا دیا گیا۔ مسجد تعمیر ہوئی اور سنگ رخام کے ستونوں پر دوسو ہاتھ لمبی چھت ڈالی گئی۔ یہ ستون کسریٰ کے محلات سے لائے گئے تھے جن کی بلندی رومی کلیساؤں کی بلندی کے برابر تھی۔ مسجد کے چاروں طرف خندق کھود دی گئی تاکہ لوگ اس کی چاردیواری پر چڑھ سکیں۔ کسریٰ کے ایک ایرانی معمار نے مسجد کے قریب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے ایک مکان تعمیر کیا جس میں بیت المال یعنی سرکاری خزانہ بھی تھا۔ اس عمارت کا نام ''قصر سعد'' رکھا گیا۔ ایک مہمان خانہ بھی تعمیر کیا گیا جس میں باہر سے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

پہلے وہ گورنمنٹ ہاؤس جس کو قصر سعد کہتے تھے اور جس میں حکومتی خزانہ بھی تھا، مسجد سے دوسو ہاتھ پر تھا، لیکن اس کو تعمیر ہوئے ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ اس میں چوری ہو گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس چوری کا علم ہوا تو آپ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ گورنمنٹ ہاؤس مسجد سے ملا دیا جائے۔ چنانچہ ایک ایرانی انجینئر روزبہ نے جو ان تعمیرات کے کاموں پر مامور تھا، اس نے نہایت ماہرانہ طریقے سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اس ایرانی کی ماہرانہ صلاحیتوں سے بڑے متاثر ہوئے اور اسے بارگاہ خلافت میں بھیجا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بڑی قدر کی اور ہمیشہ کے لیے اس کا روزینہ مقرر فرما دیا۔

ایوان حکومت اور مسجد کوفہ کی تعمیر کے بعد شہر کی تعمیر شروع ہوئی۔ فوج نے مسجد کے

Marfat.com

چاروں طرف خیمے لگا لیے اور ہر قبیلے نے اپنے اپنے مطلب کی جگہ تلاش کر کے خیمے نصب کیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق ۴۰ ہزار آدمیوں کے لیے یہاں رہائش کا بندوبست کیا گیا۔ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تحریری حکم آیا تھا کہ بڑی سڑکیں ۳۰ سے ۴۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور اندرون شہر گلیوں کی چوڑائی سات سات ہاتھ ہو۔ مسجد کی وسعت اس قدر تھی کہ اس میں تیس ہزار آدمی ایک وقت میں نماز ادا کر سکتے تھے۔ اس کے اردگرد چاروں طرف کھلی زمین کافی چھوڑ رکھی گئی تاکہ اگر نمازی زیادہ ہوں تو وہ بھی اپنی نماز ادا کر سکیں۔ جامع مسجد کے علاوہ ہر ہر قبیلے کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی گئیں اور قبائل اس میں آباد کیے گئے۔ ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے۔ اور بھی مختلف قبائل آباد کیے گئے جن میں سلیم، ثقیف، ہمدان، تغلب، بنو اسد اور ہوازن وغیرہ شامل تھے۔

جب لوگ آباد ہو گئے تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ میں نے حیرہ اور فرات کے درمیان کوفہ میں قیام کیا ہے۔ یہ مقام خشکی اور تری سے یکساں تعلق رکھتا ہے اور شاداب اور زرخیز بھی ہے۔ میں نے مسلمانوں کو اجازت دے دی ہے کہ چاہے مدائن میں رہیں چاہے یہاں آ کر آباد ہو جائیں۔ جن لوگوں نے مدائن میں رہنا پسند کیا میں انہیں وہاں مسلح پہرے داروں کی حیثیت میں چھوڑ کر آیا ہوں۔

کوفہ کا قیام سب کو اچھا لگا۔ ان سب کی صحتیں بحال ہو گئیں، چہروں کی رنگتیں بدل گئیں، مرجھائے ہوئے جسم توانا ہو گئے اور ان میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ اب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ خلافت میں عرضداشت بھیجی کہ بانسوں کے مکانات بنانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے وہ خیموں سے زیادہ پائیدار رہیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دیتے ہوئے تحریر فرمایا: ''چھاؤنی ایسی ہونی چاہیے جو تمہاری اچھی طرح حفاظت کر سکے اور تمہارے لیے زیادہ سے زیادہ مفید ہو۔ میں تمہاری مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب کے آنے کے بعد لوگوں نے بانس کے مکانات بنانے شروع کر دیے۔ بانس کے مکانوں کو ایک روز اچانک آگ لگ گئی اور وہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئے۔ اب لوگوں کے سر چھپانے کے لیے کوئی جگہ نہ رہی۔ خیموں سے وہ بانسوں کے مکانات میں منتقل ہوئے اور بانسوں کے مکانوں کو آگ لگ گئی، اب وہ اس سوچ اور فکر میں تھے کہ ہم خیمے نصب کر لیں یا پھر کھلے آسمان تلے رہیں؟ اب خیموں کی زندگی

Marfat.com

سے گزر کر وہ مکانوں کی زندگی کے عادی ہو گئے تھے لہٰذا آتش زدگی کی خبر کے ساتھ یہ درخواست بارگاہِ خلافت میں روانہ کی گئی کہ اینٹوں کے مکانات بنانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بھی اجازت دے دی، لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ''بنا لو، لیکن کوئی شخص تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے اور مکان کی دیواریں بہت اونچی نہ کرے۔ تم سنت کے پیچھے چلو، دولت تمہارے پیچھے چلے گی۔'' اس طرح کوفہ کے مکانوں کی تیاری کے بعد لوگ اس میں رہائش پذیر ہو گئے اور اس نو آباد شہر نے حیرہ کی تمام عظمت و شوکت اس سے چھین لی۔ یہ شہر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ہی میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے خود بھی ''دار السلام'' قرار فرماتے تھے۔ اور وہ عربوں کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب یہ شہر تیار ہو گیا تو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مدائن کو چھوڑ کر کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ اپنی قیام گاہ میں ایک دروازہ بنوا کر اس پر چھت ڈلوا دی، اس لیے کہ بازار کا شور و غل ان کے مشاغل اور گفتگو میں مخل ہوتا تھا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے معمار سے فرمایا: ''مجھے اس ہنگامے سے نجات دلاؤ۔'' اس کی اطلاع سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ملی اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگ اس مکان کو قصر سعد رضی اللہ عنہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے محکمہ احتساب کے آفیسر سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ روانہ فرمایا اور انہیں حکم دیا: ''محل کے دروازہ کو آگ لگا کر الٹے پاؤں واپس آ جانا۔'' چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل میں سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہیں بلایا لیکن انہوں نے قصر سعد میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ خود باہر آئے اور ان کے سامنے کھانا پیش کیا۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کھانا بھی قبول نہ کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خط انہیں دے دیا۔ خط میں لکھا تھا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے محل تعمیر کر لیا ہے جو قلعہ بن گیا ہے اور ''قصر سعد'' کہلاتا ہے۔ تمہارے دروازے پر لوگوں کی روک ٹوک ہے۔ یہ قصر سعد نہیں بلکہ قصر فساد ہے۔ اس کا وہ حصہ جو بیت المال سے ملا ہوا ہے، نکال ڈالو اور اس کو بند کر دو۔ خبردار محل کے دروازہ پر کوئی پہرہ چوکی نہ رہے جس سے لوگوں کی روک ٹوک ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ دروازہ کو آگ لگا دی گئی لیکن ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر قسم کھائی کہ لوگوں نے بارگاہِ خلافت میں غلط خبر پہنچائی ہے۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کی قسم کا اعتبار آ گیا اور وہ

Marfat.com

واپس آ گئے۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پوری تفصیل سنائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ''پھر تم نے سعد رضی اللہ عنہ کا عذر قبول نہیں کیا؟'' محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اگر آپ یہ چاہتے تھے تو مجھے لکھ دیا ہوتا یا اس کی اجازت دے دی ہوتی۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''صحیح معنی میں اہل الرائے وہ ہوتا ہے جس کے پاس اگر اپنے حاکم کا حکم نہ ہو تو وہ اپنی سمجھ بوجھ سے کام لے اور خاموش نہ رہے۔ یہ کہہ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا عذر قبول فرما لیا اور انہیں برقرار رہنے دیا۔''

کوفہ دراصل ایک فوجی چھاؤنی بنائی گئی تھی جس نے بعد میں ایک شہر کی شکل اختیار کر لی۔ یہاں قریباً ایک لاکھ جانباز اور نبرد آزما سپاہی بسائے گئے تھے۔ ان کو علی قدر المراتب تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ دس دس سپاہیوں پر افسر مقرر ہوتے تھے جن کو امراء الاعشار کہا جاتا تھا۔ سپاہیوں کی تنخواہیں ان کو دی جاتی تھیں اور یہ اپنے ماتحت سپاہیوں کو وہ تنخواہیں تقسیم کرتے تھے۔ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ امراء الاعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی اور اس کی وجہ سے فوج میں کچھ برہمی کے آثار نمایاں ہوئے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فوراً دربار خلافت کو اس بارے میں مطلع کیا چنانچہ فرمان خلافت کے مطابق دوبارہ نہایت چھان بین اور تحقیق کے بعد لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کیے اور اس دفعہ دس کے بجائے سات سات سپاہیوں پر ایک ایک افسر مقرر کیا گیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب سیرت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

روایات میں ہے کہ شام کی اسلامی فوجوں نے حمص پر چڑھائی کی تو جزیرہ کے لوگ بہت بڑی جمعیت کے ساتھ رومیوں کی مدد کے لیے روانہ ہوئے لیکن سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خلافت کی ہدایت پر عمرو بن مالک کی قیادت میں ایک لشکر وہاں بھیجا اور انہیں وہیں روک دیا اور آگے نہ بڑھنے دیا۔ (ابن اثیر: ۸۱/۲)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی گورنری سے معزولی

سرزمین عراق دو حصوں میں منقسم ہے۔ مغربی حصہ کو عراق عرب کہتے ہیں اور مشرقی حصہ کو عراق عجم۔ عراق عجم کا حدود اربعہ یہ ہے۔ مشرق میں خوزستان اور مغرب میں مراغہ واقع ہے۔

Marfat.com

شمال میں طبرستان اور جنوب میں شیراز ہے۔ اس وقت اس کے بڑے شہر اصفہان، ہمدان اور رے سمجھے جاتے تھے۔ موجودہ زمانے میں رے بالکل تباہ اور ویران ہوگیا ہے اور اس کے قریب طہران آباد ہوگیا ہے جو شاہان قاچار کا پایہ تخت ہے۔

یزدگرد مرو میں قیام پذیر تھا تو اسے پتہ چلا کہ عربوں نے خوزستان کے پورے صوبے کو فتح کرلیا ہے اور ہرمزان جو سلطنت ایران کا دایاں بازو سمجھا جاتا تھا، زندہ گرفتار ہوگیا ہے۔ یہ سن کر یزدگرد پریشان بھی ہوا اور اسے طیش اور غصہ بھی آیا۔ ایرانی ابھی تک یہی سمجھ رہے تھے کہ عربوں کی آندھی سرحدی مقامات تک ہی رہے گی لیکن خوزستان کی فتح نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ ہرمزان کی گرفتاری اور خوزستان کی فتح ان کے لیے ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔ چنانچہ اب ایرانی امراء نے ایک دوسرے کو خط لکھے کہ اگر ہماری باہمی بے اعتمادی اور پراگندگی اور انتشار کا سلسلہ ختم نہ ہوا تو ہمارا بھی وہی حشر ہوگا جو ہرمزان کا ہوا ہے، لہٰذا ہمیں متفق و متحد ہوکر عربوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانا چاہیے اور اس کی قیادت یزدگرد کے سپرد کرنی چاہیے کیونکہ وہ پورے ملک کی ایک مرکزی شخصیت ہے اور عوام اس کے جھنڈے تلے جمع بھی ہوجائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور کسریٰ نے پورے ملک کے امراء کو اس متحدہ محاذ کا مرکزی کردار ہونے کی حیثیت سے جو فرمان بھیجا تھا، ملک کے ہر چھوٹے بڑے نے اس پر لبیک کہا اور مسلمانوں کے مقابلے میں آہنی دیوار بن جانے کا یقین دلایا۔ تمام امراء نے اپنے اپنے لشکر نہاوند کی طرف روانہ کردیے یہاں تک کہ ڈیڑھ لاکھ کا جم غفیر فیروزان کے جھنڈے تلے جمع ہوگیا۔ فوج کے ہر سپاہی اور جرنیل نے یہ قسم کھالی کہ جب تک کسریٰ اور اس کی فوجوں کو فتح نصیب نہ ہوگی وہ اپنے وطن نہیں جائے گا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو عراق کی یہ حالت اور اس کے باشندوں کے یہ ہیجان خیز جذبات سن کر بہت فکر لاحق ہوئی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ، یزدگرد، فیروزان اور نہاوند میں جمع ہونے والے ایرانی لشکر کی خبریں امیر المؤمنین کی خدمت میں ارسال کررہے تھے۔ یہ لشکر اتنا بڑا تھا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "مالم یجتمع لهم قبل ذالك" یعنی اتنی بڑی فوجیں اس سے پہلے کبھی جمع نہیں ہوئی تھیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۰۵/۷)

دوسری طرف اہل کوفہ کا ایک وفد جراح بن سنان اسدی کی قیادت میں خلیفۂ اسلام سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور ایک یادداشت پیش کی جس میں قائد افواج گورنر

Marfat.com

کوفہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے خلاف شکایتوں کا ایک دفتر تھا۔ ان میں ایک شکایت یہ بھی تھی کہ وہ نماز ٹھیک طریقے سے نہیں پڑھاتے۔ ہمارے اس جمہوری دور میں بھی ایسے نازک موقع پر اس طرح کے احتجاج کو برداشت نہیں کیا جاتا اور فوجی قوانین کے لحاظ سے تو ایسا احتجاج کرنے والے گردن زدنی قرار دیے جاتے ہیں۔ مگر یہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی۔ ہر ایک کو کسی بھی وقت حاکم اور افسر کے بارہ شکایت کرنے کا پورا اختیار تھا۔ بایں ہمہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس اچانک شکایت نامہ پر چونکے۔ آپ نے فرمایا: ''اس وقت جب کہ وہ (سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اور دشمن کی افواج تمہارے مقابلہ پر جمع ہو رہی ہیں، اتنا لمبا سفر کر کے تمہارا یہاں آنا یہ خود تمہاری شرارت کی دلیل ہے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۱۰۶/۷)

پھر فرمایا: باوجودیکہ تمہاری شرارت واضح اور ظاہر ہے لیکن شکایت پہنچ جانے کے بعد جو مجھے کرنا چاہیے تمہاری شرارت مجھے اس سے نہیں روک سکتی۔

مع هذا لا يمنعني ان انظر في امركم۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۰۶/۷)

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ طلب کیا۔ جب وہ پیش ہوئے تو فرمایا: ''شكوك في كل شئى حتى الصلوٰة'' ان لوگوں نے سب کاموں میں تمہاری شکایت کی ہے یہاں تک کہ یہ شکایت بھی کی ہے کہ تم نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے۔ بارگاہ فاروقی میں شکایتوں کا جواب دیتے ہوئے جو حقیقت افروز اور رقت انگیز جواب آپ نے ارشاد فرمایا: ''میں سب سے پہلا عرب ہوں جس نے راہ خدا میں تیر چلایا۔ ان غزوات کی حالت اس وقت بھی میری نگاہ میں پھر رہی ہے۔ کیکر کے پتے ہماری خوراک ہوتے تھے۔ بکری کی مینگنیوں کی طرح ہمارا فضلہ خشک ہوتا تھا۔ ہماری باہوں میں زخم ہو گئے تھے۔ دولت اسلام سے مشرف ہونے میں، میں ساتواں آدمی ہوں۔ آج یہ لوگ میری اصلاح کر رہے ہیں۔ اتنی قدامت کے باوجود اگر میں نماز بھی صحیح نہیں پڑھا سکتا تو افسوس ہے میرے حال پر، مجھ سے زیادہ محروم القسمت کون ہو سکتا ہے۔

(بخاری: ۸۱۴/۲-۹۵۶، شمائل ترمذی: ص ۲۷)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی صداقت کا پورا یقین تھا لیکن پھر بھی آپ نے تحقیق ضروری سمجھی۔ چنانچہ آپ نے فوری طور پر ایک تحقیقاتی کمیشن کوفہ بھیجا۔ ارکان وفد نے لوگوں کے بیانات لیے۔ کسی شخص نے اس شکایت کو صحیح قرار نہ دیا، صرف قبیلہ بنی

Marfat.com

عبس کی ایک مسجد میں اسامہ بن قتادہ نے یہ کہا کہ جب آپ قسم ہی دیتے ہیں تو سن لیں:

فان سعداً کان لا یسیر بالسریة، ولا تقسیم بالسویة ولا یعدل فی القضیة۔ (بخاری: ۱/۱۰۴)

''سعد رضی اللہ عنہ مجاہدین کے دستہ کے ساتھ خود نہیں جاتے (کسی اور کو کمانڈر بنا کر بھیج دیتے ہیں) اور (مال غنیمت) مساوی طور پر تقسیم نہیں کرتے اور کوئی مقدمہ آتا ہے تو عدل و انصاف سے کام نہیں لیتے۔''

اسامہ بن قتادہ کے بیان سے جو صریحاً غلط تھا سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سخت دکھ ہوا۔ آپ نے فرمایا:

''اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹ بول رہا ہے اور اس نے صرف نمائش اور شہرت کے لیے یہ بیان دیا ہے تو تو اس کی عمر دراز کر، اس کے فقر کو طویل کر اور اس کو فتنوں کا نشانہ بنا۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی ایک ممتاز خصوصیت یہ تھی کہ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ دریائے دجلہ کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے پوری فوج کا پوری حفاظت سے دریا کے پار ہو جانا سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی دعا کی برکت ہی مانی جاتی ہے۔ یہاں بھی آپ کی بددعا اثر کیے بغیر نہ رہی۔ عبدالملک بن عمر جنہوں نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ واقعہ سنا تھا، ان کا بیان ہے کہ اس شخص کو میں نے بھی دیکھا۔ اس کی عمر بہت ہوئی۔ بڈھا کھوسٹ ہو گیا بھنویں آنکھوں پر لٹک آئی تھیں اور راستہ میں لڑکیوں کو چھیڑا کرتا۔ اگر اسے اس حماقت پر تنبیہ کی جاتی تو کہتا:

''شیخ مفتون اصابتی دعوة سعدٍ'' (بخاری: ۱/۱۰۴)

یعنی بوڑھا ہوں اور فتنہ میں مبتلا ہوں، مجھے سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگ گئی ہے۔

اگرچہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ تمام شکایات غلط تھیں تاہم آپ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدہ پر واپس کوفہ نہ بھیجا اور ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ سیدنا عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ نے بھی کوفہ سے بارگاہ خلافت میں ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کے بارے میں اطلاعات بھیجیں۔

(مسند احمد: ۱/۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۹-۱۸۰، مسند طیالسی، حدیث: ۲۱۷، بخاری: ۷۵۵-۷۵۸-۷۷۰، مسلم: ۴۵۶، نسائی: ۲/۲۱۷، سنن ابی داود: ۸۰۳، طبرانی: ۲۹۰-۳۰۸)

Marfat.com

شہادت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور مجلس مشاورت کا انتخاب

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ۱۰ سال چھ ماہ اور چار دن خلافت کے فرائض سرانجام دیے۔ انہوں نے اس طرح حکومت کی کہ نہ اس سے قبل کسی نے حکومت کی اور نہ اس کے بعد کوئی آج تک ایسی حکومت کر سکا۔ آخر ایک روز اللہ سے دعا کی کہ ''اے اللہ! میری عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ ہڈیاں کمزور ہو گئیں ہیں۔ قوتیں ایک ایک کر کے جواب دے گئی ہیں اور مملکت کی سرحدوں میں وسعت ہونے کی وجہ سے رعایا پھیل گئی ہے۔ اب مجھے اپنے پاس بلا لے اس حال میں کہ میرا دامن عجز و ملامت سے پاک ہو۔'' آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور نماز صبح میں ابولؤلؤ فیروز مجوسی ایرانی نے آپ کو عین نماز کی حالت میں شہید کر دیا۔ بعض حضرات نے آپ کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے لیے کہا لیکن آپ نے فرمایا:

''تمہارے لیے یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔ اور وہ عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوام اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی کو منتخب کر لو۔ جب وہ آپس میں سے ایک کو خلیفہ بنا لیں تو اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرو۔'' (طبری: ۲۹۳/۳)

ان حضرات کی خلافت کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ میں نے ان لوگوں سے زیادہ کسی کو خلافت کا اہل اور حق دار نہیں پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی ان سے خوش رہے ان میں سے جس کو بھی خلیفہ بنا لیا جائے وہی میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ پھر فرمایا: ''اگر خلافت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ملے تو انہیں دے دی جائے کیونکہ میں نے انہیں کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے گورنری سے معزول نہیں کیا تھا۔ اور اگر وہ خلافت کے لیے منتخب نہ ہو سکیں تو جو منتخب ہو اسے چاہیے کہ ان کی خدمات سے فائدہ اٹھائے۔''

(طبری: ۲۹۴/۳، الاصابہ: ۱۶۳/۴، معجم کبیر طبرانی: ۳۲۰)

پھر سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ''عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تم میں نہایت صاحب الرائے شخص ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے حافظ (حفاظت کرنے والا) ہے لہٰذا خلیفہ کے بارے میں ان کی رائے پر عمل کرنا۔ (ایضاً)

Marfat.com

مجلس مشاورت کے ان تمام اراکین کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت بھی فرمائی تھی کہ ’’چوتھا دن ایسا نہ آنا چاہیے کہ تمہارے اوپر تم میں سے کوئی امیر نہ ہو۔‘‘ (طبری: ۳/۲۹۳)

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی یہ رائے تھی کہ معاملہ کو مختصر کیا جائے لہٰذا معاملہ کو جلد نمٹانے کے لیے اہل مجلس نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اختیار دے دیا کہ وہ خلیفہ کے انتخاب کو مناسب طریقے سے حل کریں۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اہل مجلس کے سامنے یہ تحریک پیش کی کہ چھ میں سے تین حضرات دوسرے تین حضرات کے حق میں دست بردار ہو جائیں تا کہ اس معاملہ کو جلدی نمٹایا جا سکے۔ چنانچہ سیدنا زبیر، سیدنا علی کے حق میں، سیدنا طلحہ، سیدنا عثمان کے حق میں اور سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ بعد میں سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔ اب صرف دو رکن باقی رہ گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن نے نہایت غور و فکر اور اصحاب اہل الحل والعقد اور عوام الناس کے مشورہ سے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا۔ اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس الجھے ہوئے معاملہ کو سلجھا دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت چونکہ وصیت فرمائی تھی کہ جو شخص بھی خلیفہ ہو وہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی خدمات سے فائدہ اٹھائے چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو اس وقت سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طلب فرمایا اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ لیکن ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں کچھ اختلاف ہو گیا۔ اس اختلاف نے کچھ شدت اختیار کر لی۔ کچھ لوگ بھی اس اختلاف کو ہوا دینے لگے چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے واپس بلا لیا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہاں قطب الارشاد کی حیثیت سے قیام پذیر تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو وہاں مامور فرمایا تھا۔ درس قرآن، علمی مذاکرات، افتاء، قضا اور احتساب یعنی عوام کے اخلاق کی نگرانی کے فرائض آپ کے سپرد تھے۔ ان کے علاوہ بیت المال کے امین اور نگران بھی آپ ہی تھے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دونوں پر ناراض ہوئے لیکن معزول صرف سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو کیا۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۷/۱۵۱، الاستیعاب: جلد ۲، تذکرہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ)

Marfat.com

اب کی دفعہ کوفہ کی گورنری سے معزول ہونے کے بعد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایسی گوشہ نشینی اختیار کی کہ پھر کاروبار حکومت میں کبھی کوئی دخل اندازی نہیں کی۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری ایام میں سبائیت کا جو فتنہ اٹھا جس نے پوری مملکت اسلامیہ کی چولیں ہلا کر رکھ دیں، یہ فتنہ عظیمہ بھی ان کی گوشہ گیری میں مخل نہ ہوا۔ البتہ جب شورش پسندوں اور مفسدین نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا تو بعض روایات کے مطابق ان کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت تو کی لیکن ملکی معاملات سے یک قلم بے تعلق رہے۔ چنانچہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل کے لیے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے تو لوگوں نے انہیں بھی ساتھ چلنے کے لیے کہا، لیکن انہوں نے جانے سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا: ”مجھے ایسی تلوار بتاؤ جو مسلم اور کافر میں امتیاز رکھے۔“ (طبقات ابن سعد: ۲/۱۰۱، حلیۃ الاولیاء: ۱/۹۴، معجم کبیر طبرانی: ۳۲۲، مجمع الزوائد: ۲۹۹)

آپ کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ ان کے ابا سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک روز اپنی بکریوں میں تھے کہ ان کا بیٹا عمر آیا۔ جب اس کو دیکھا تو فرمایا: میں اس سوار کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچا تو کہا: ابا جان! کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل میں بکریاں چرائیں اور لوگ بادشاہت اور حکومت کے حصول کے لیے اپنی اپنی قسمت آزمائیں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا: خاموش رہ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ پرہیزگار اور مستغنی بندہ کو پسند فرماتے ہیں۔“

(مسند احمد بن حنبل: ۱/۱۶۸، مسلم، حدیث: ۲۹۶۵، حلیۃ الاولیاۃ: ۱/۹۴)

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فتنہ سے بالکل الگ تھلگ رہے نہ تو وہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں گئے اور نہ ہی تحکیم میں حاضر ہوئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ امامت اور خلافت کے اہل تھے اور وہ بڑی شان کے مالک تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۲۲)

وفات

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں جو عزلت نشینی میں

Marfat.com

گزارے وہ مدینہ طیبہ سے آٹھ میل دور حمراء الاسد میں گزارے۔ وہاں آپ نے ایک گھر بنایا جس کو تاریخوں میں ''قصر'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہیں سنہ ۵۵ھ میں آپ کے طائر روح نے قفس عنصری سے پرواز کیا۔ حمراء الاسد مدینہ سے اگر آپ ذوالحلیفہ جائیں تو راستہ کی بائیں جانب آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے۔ جنگ احد کے روز آپ نے مشرکین کا یہاں تک تعاقب کیا تھا۔ (زادالمعاد: ۲/۲۴۲)

بعض روایات میں ہے کہ مدینہ طیبہ سے دس میل کے فاصلہ پر عقیق کے مقام پر آپ نے ایک قصر تعمیر کیا تھا۔ عزلت نشینی کے ایام آپ نے یہیں بسر کیے۔ آپ کی وفات ہوئی۔ آخر عمر میں آپ کے قویٰ نہایت مضمحل اور کمزور ہو چکے تھے۔ آنکھوں کی بصارت بھی جواب دے چکی تھی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۲ سال تھی۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۲۴)

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ جنگ بدر میں جو اونی جبہ میرے جسم پر تھا، اس سے مجھے کفن دینا کیونکہ میں نے اس کو اس دن کے لیے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔
(مستدرک حاکم: ۳/۴۹۶، معجم کبیر طبرانی: ۳۱۶، اسد الغابہ تذکرہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، مجمع الزوائد: ۳/۲۵)

آپ کا جسد خاکی مدینہ لایا گیا۔ بعض امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن اس وقت بقید حیات تھیں، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جانثار کا جنازہ مسجد میں لایا جائے تاکہ ہم بھی اس میں شرکت کرسکیں۔ بعض حضرات نے مسجد میں نماز جنازہ پر اعتراض کیا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم حضرات کو یاد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضا رضی اللہ عنہ کی مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ چنانچہ مسجد میں جنازہ لایا گیا اور مسجد نبوی میں حجرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے سامنے نماز جنازہ ادا کی گئی۔

مستدرک حاکم میں امام زہری عامر بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وفات کے لحاظ سے یہ مہاجرین میں سب سے آخری ہیں۔ (مستدرک حاکم: ۳/۴۶۹)

غرض فاتح فارس سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نہایت تزک واحتشام سے جنت البقیع میں مدفون ہوئے، اور اپنے عظیم الشان کارنامے یادگار کے طور پر چھوڑ گئے جن پر ان کے اخلاف آج تک فخر ومباہات کرتے ہیں۔

Marfat.com

علم و فضل

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صرف ایک جانباز سپاہی اور بہادر جرنیل ہی نہ تھے بلکہ علم و فضل میں بھی ان کا مقام نہایت ارفع و اعلیٰ تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کوئی حدیث روایت کریں تو پھر اس کے بارے میں کسی دوسرے سے مت پوچھو۔

بخاری اور مسلم میں ان سے پندرہ احادیث مروی ہیں اور بخاری پانچ اور مسلم اٹھارہ احادیث میں منفرد ہے۔ ان سے جن لوگوں نے حدیث روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں: سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدہ عائشہ، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہم اور آپ کے بیٹے عامر، عمر اور محمد ابراہیم، عائشہ قیس بن ابی حازم، سعید بن المسیب، ابو عثمان الشہدی، عمرو بن میمون، احنف بن قیس، علقمہ بن قیس، ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف، مجاہد ایمن المکی، بشر بن سعید، ابو عبدالرحمٰن السلمی، ابو صالح ذکون، عروہ بن زبیر اور ان کے علاوہ اور بہت سی لوگوں نے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱/۹۳)

تفقہ فی الدین میں ان کا اپنا ایک مقام تھا، ایک رائے تھی اور ایک مسلک تھا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن مسور فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے والد، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن الاسود بن عبد یغوث کے ساتھ سام گیا اور مقام سرغ پر ہم نے پچاس راتیں قیام کیا۔ اس عرصہ میں رمضان کا مہینہ بھی آ گیا۔ مسور اور عبدالرحمٰن دونوں نے روزے رکھے جب کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے روزے نہ رکھے میں نے پوچھا: ابو اسحاق! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور اصحاب بدر میں سے ہیں۔ آپ روزے نہیں رکھتے جبکہ دونوں آپ کے ساتھی روزے رکھتے ہیں۔ فرمایا: میں ان دونوں سے زیادہ فقیہ ہوں یعنی ان دونوں سے زیادہ دین کو سمجھتا ہوں۔

(محلی لابن حزم: ۶/۲۴۸)

ایسا ہی ایک روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن مسور فرماتے ہیں کہ ہم شام کی ایک بستی عمان میں قیام پذیر تھے اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ دو رکعت نماز پڑھتے تھے یعنی قصر فرماتے تھے۔ جب ہم نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا: ہم زیادہ جانتے ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق: ۴۳۵۰، شرح معانی الاثار، طحاوی: ۱/۲۴۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تحصیل علم میں کبھی شرم و حیا دامن گیر نہ ہوتا تھا اور جب تک بات

Marfat.com

سمجھ میں نہ آتی تھی، برابر سوال کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کو کچھ عطیات مرحمت فرمائے لیکن ان میں سے ایک شخص کو محروم رکھا۔ اس شخص کی اس محرومی پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو بڑا تعجب ہوا۔ بارگاہ نبوت میں عرض کی: یا رسول اللہ! میرا خیال ہے کہ یہ شخص بھی مومن ہے۔ ارشاد فرمایا: مومن یا مسلم؟ لیکن سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو تسلی نہ ہوئی۔ انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا، لیکن سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی پھر تشفی نہ ہوئی۔ چنانچہ آپ نے کئی مرتبہ اپنے اس سوال کو دہرایا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرما کر ان کی تسلی و تشفی کر دی کہ بسا اوقات اس سے جس کو عطیہ دیتا ہوں وہ شخص جس کو عطیہ نہیں دیتا، میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ (بخاری: جلد ا، باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ)

اخلاق وعادات

رسول اللہ ﷺ خلق عظیم کے حامل تھے اور آپ ﷺ کا فرمان بھی ہے کہ "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" میں بہترین اخلاق پیدا کرنے کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ اس وجہ سے ہر صحابی رسول اخلاق کا مجسمہ تھا۔ لیکن "ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است" کے تحت ہر صحابی رسول ﷺ پر الگ الگ رنگ غالب تھا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی کتاب اخلاق میں خشیت الٰہی، حب رسول ﷺ، تقویٰ و طہارت، زہد و اتقاء، بے نیازی و بردباری اور خاکساری و قناعت سب سے زیادہ روشن ابواب تھے۔ خشیت الٰہی اور عبادت گزاری کا یہ حال تھا کہ رات کے آخری حصہ میں مسجد نبوی میں آ کر بارگاہ خداوندی میں سربسجود ہوتے تھے۔ (مسند امام احمد بن حنبل: ۱/۱۷۰)

دنیا کی بے ثباتی کا یقین دل میں جاگزین ہو چکا تھا اس وجہ سے طبیعت رہبانیت کی طرف بہت مائل تھی، سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے تبتل اور رہبانیت سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں اس کو اختیار کر لیتا۔ (مسند امام احمد بن حنبل: ۱/۱۷۵)

خشیت الٰہی کے ساتھ ساتھ حب رسول اللہ ﷺ کا جذبہ بھی دل کی اتھاہ گہرائیوں میں ہر وقت موجزن رہتا تھا۔ عتبہ بن ابی وقاص آپ کے حقیقی بھائی تھے، لیکن میدان احد میں وہ کفار مکہ کے ساتھ اور یہ اسلامی لشکر کا دفاع کر رہے تھے۔ عتبہ نے حالت کفر میں غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا روئے مبارک پتھر مار کر زخمی کیا تھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے: "خدا کی قسم! میں

Marfat.com

عتبہ بن ابی وقاص سے زیادہ کبھی کسی شخص کے خون کا پیاسا نہیں ہوا۔'' اور میدان احد میں اسے قتل نہ کرنے کا انہیں نہایت افسوس تھا۔ اسی عتبہ کا بیٹا ہاشم رضی اللہ عنہ تھا جس نے عہد فاروقی میں مختلف محاذوں پر اسلامی لشکر کی کمان کر کے کفر کو شکست دی تھی۔

قریباً تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا اور میدان جنگ میں اکثر و بیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی رہتے تا کہ کوئی کافر آپ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے۔ چنانچہ غزوۂ احد میں بھی آفتاب نبوت کے گرد ہالہ کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے اور اپنی تیراندازی سے کافروں کے سینے چھلنی کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرما رہے تھے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور آپ نے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا فرض ادا کیا، وہ انہیں کا حصہ تھا۔ سب سے پہلے شخص ہیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا دی کہ ''میرے والدین تم پر قربان ہوں۔'' جب سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی میں ہوتے تو اکثر رات کو خود شوق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے گرد پہرہ دیتے تھے۔ چنانچہ ایک واقعہ کو تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ رکھا ہوا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ رات کے وقت ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ اس جگہ دشمنوں کا نہایت خطرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دیر تک جاگتے رہے اور فرمایا: ''لیت رجلاً صالحاً من اصحابی یحرسنی اللیلة'' کاش میرے اصحاب میں سے کوئی مرد صالح آج رات میرا پہرہ دیتا۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابھی آپ کے منہ سے یہ جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سنائی دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کون ہے؟'' عرض کی: ''سعد بن ابی وقاص'' پوچھا: کیسے آئے؟ جواب دیا ''آپ کی پہرہ داری کے لیے۔'' یعنی قلب کی گہرائیوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آج جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہرہ داری اور حفاظت کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی فرض کی ادائیگی کے لیے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت اطمینان اور بے فکری میں سو گئے یہاں تک کہ آپ کے خراٹے میں سننے لگی۔

(بخاری، حدیث: ۲۸۸۵-۷۲۳۱، مسلم، حدیث: ۲۴۱۰، ترمذی، حدیث: ۳۷۸۵، مستدرک حاکم: ۵۰۱/۳)

Marfat.com

جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ کا اس طرح اظہار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو دنیا میں جنت کی بشارت دی۔ ان کو عشرہ مبشرہ میں شمار کیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اول من یدخل من هذا الباب رجل من اهل الجنة۔

جب سب سے پہلا شخص اس دروازے سے گزرا وہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔" (کنز العمال، حدیث: ۳۷۱۱۲-۳۷۱۱۶، مستدرک حاکم: ۴۹۹/۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا کی، اس دعا کی برکت سے وہ جو دعا بھی مانگتے حق سے اجابت استقبال کے لیے آتی۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللهم استجب لسعد اذا دعاك۔

"اے اللہ! سعد جب بھی تجھ سے دعا کرے تو اس کی دعا کو قبول فرمانا۔"

(ترمذی، حدیث: ۳۷۵۹، صحیح ابن حبان، حدیث: ۲۲۱۵، مستدرک حاکم: ۴۹۹/۳ وصححہ ووافقہ الذہبی، مجمع الزوائد: ۱۵۳/۹، وقال رجالہ رجال الصحیح)

جب محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ دل میں انگڑائیاں لے رہا ہو تو سنت رسول کی تابعداری بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تمام اعمال واحکام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی اور اتباع کو اپنے لیے باعث صد سعادت سمجھتے تھے۔ جب بعض اہل کوفہ نے دربار خلافت میں ان کے خلاف ایک یادداشت پیش کی جس میں ایک شکایت یہ تھی کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تحقیق احوال کے لیے بھیجا۔ وہ دونوں فریقوں کو ساتھ لیے ہوئے مدینہ طیبہ پہنچے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک ایسے عالی مرتبت صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ کیسے باور کر سکتے تھے کہ وہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے۔ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی پہلی صف میں کھڑے ہونے والے حضرات میں سے تھے۔ اس لیے جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بارگاہ خلافت میں پہنچے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "سعد تم نماز کیسی پڑھاتے ہو کہ لوگ شکایت کرتے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا کہ پہلی دو رکعتوں میں تو لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک میرا تمہاری

Marfat.com

نسبت یہی گمان ہو سکتا ہے'' فرمایا کرتے تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے راہ خدا میں سب سے پہلا تیر چلایا۔ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ درختوں کے سوکھے پتے کھا کھا کر لڑے تھے لیکن اللہ کی شان ہے کہ آج یہ بنو اسد مجھے دین کی باتیں سکھاتے ہیں اور عار دلاتے ہیں کہ میں نماز اچھی نہیں پڑھاتا۔

تواضع اور انکسار کا یہ حال تھا کہ اگرچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پورے عراق کا کمانڈر اور سپہ سالار بنایا تھا اور پھر بعد میں کوفہ کا گورنر مقرر کیا لیکن انہیں اونٹ اور بکریاں چرانے میں عار نہ تھا۔ چنانچہ جب جنگ جمل اور جنگ صفین کے معرکے ہو رہے تھے تو آپ اس وقت بھی مدینہ سے دور جنگل میں اپنی بکریاں اور اونٹ چرایا کرتے تھے اور ان باہمی الجھنوں میں بیٹے کے کہنے کے باوجود بھی نہیں الجھے۔ (ملاحظہ ہو مسند احمد بن حنبل: ۱/۱۶۸، مسلم، حدیث: ۲۹۶۵، حلیۃ الاولیا: ۱/۹۴)

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت پوری دنیائے اسلام حکومت کے جھگڑوں میں الجھی ہوئی تھی اس وقت وہ مدینہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر اس فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ حالانکہ جو لوگ حکومت کے جھگڑوں میں مبتلا تھے یہ ان سے کسی لحاظ سے کم نہ تھے اور اگر کوئی ان سے ان جھگڑوں کے بارے میں پوچھتا تو فرماتے تھے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے:

''میرے بعد عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا جس میں سونے والے بیٹھنے والے سے، بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہت بہتر ہوگا۔''

(مسند احمد: ۱/۱۶۹)

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص نے پوچھا کہ ان دو گروہوں (سیدنا علی اور سیدنا معاویہ یا سیدنا علی اور سیدنا زبیر و سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہم) میں سے کس کا ساتھ دیا جائے؟ آپ نے اس سوال پوچھنے والے سے فرمایا: ''تمہارے پاس بکریاں ہیں؟'' اس نے جواب دیا نہیں۔ فرمایا: بکریاں خرید لے اور ان کو لے کر باہر جنگل میں چلا جا اور اس فتنے سے بچنا۔

(مستدرک حاکم: ۳/۵۰۱، الاصابہ: ۳/۸)

اللہ تعالیٰ نے بے شمار فضائل و مناقب عطا فرمائے۔ پورے عراق کو ان کے ہاتھوں پر فتح کرایا، قادسیہ کی جنگ میں سپہ سالاری کے فرائض انجام دیے اور ایرانیوں پر نہ صرف فتح حاصل

Marfat.com

کی بلکہ ان کے وزیر دفاع رستم بن فرخ زاد کو قتل کیا، مدائن جو کہ ایرانی سلطنت کا پایہ تخت تھا، فتح کیا اور وہاں کی ساری دولت اور عجائبات بارگاہ خلافت میں بھیجے۔ جلولا کی جنگ میں جسے فتح الفتوح کہتے ہیں، دشمن پر فتح حاصل کی اور تیس کروڑ درہم وہاں سے مال غنیمت حاصل کیا اور کسریٰ ایران کی حکومت کو جڑ سے پامال کر دیا، لیکن اطاعت امیر اور تواضع وخاکساری کا یہ عالم تھا کہ سیدنا محمد بن مسلمہ کوفہ جاتے ہیں اور قصر سعد کے آگے جو ڈیوڑھی بنی ہوئی تھی، اس کو آگ لگا دیتے ہیں اور یہ نہایت خاموشی سے تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔

ذریعۂ معاش

اسلام لانے سے قبل آپ کا ذریعہ معاش کیا تھا، اس بارے میں کتابوں میں کچھ نہیں ملتا۔ اسلام لانے کے بعد غربت اور ناداری نے گھیر لیا تھا۔ خود فرماتے ہیں کہ میں نے درخت کے پتے کھا کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شرکت کی ہے اور اپنی بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھائے ہیں۔ لیکن دین اسلام نے مادی لحاظ سے بھی مسلمانوں میں عسرت وتنگی اور قلاشی اور ناداری کو ختم کر دیا اور دولت وثروت ان کے قدموں میں ڈھیر ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ایک جاگیر عطا فرمائی۔ پھر ایران جب فتح ہوا تو ڈھیروں مال مدینہ میں آیا۔ ان میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو بھی کافی کچھ ملا۔ دور فتنہ میں ایک غیر آباد جگہ خرید کر زراعت کو اپنا ذریعہ معاش بنایا۔ کوفہ میں اور مدینہ منورہ میں عالیشان محلات تعمیر کیے۔ ان کی صاحبزادی عائشہ بنت سعد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے ابا سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے گورنر مدینہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کو پانچ ہزار زکوٰۃ ارسال کی اور وفات کے وقت اڑھائی لاکھ دینار ترکہ میں چھوڑا۔ لیکن اتنی دولت چھوڑنے کے باوجود زندگی نہایت سادہ گزاری اور لباس اور غذا کی سادگی میں دولت کے آجانے سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

حلیہ

آپ کا حلیہ جو کتابوں میں مرقوم ہے حسب ذیل ہے:

قد درمیانہ، جسم فربہ، ناک چپٹی، سر بڑا اور ہاتھوں کی انگلیاں نہایت موٹی اور مضبوط۔

Marfat.com

ازواج واولاد

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں بیویوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) بنت الشہاب (۲) بنت قیس بن معدی کرب (۳) ام عامر بنت عمرو (۴) زبد (۵) ام بلال بنت ربیع (۶) ام حکیم بنت قارظ (۷) سلمٰی بنت حفص (۸) ظبیہ بنت عامر (۹) ام حجر۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی چونتیس اولادیں ہوئیں۔ ان میں ۱۷ لڑکے اور ۱۷ لڑکیاں تھیں جن کے نام کتابوں میں یہ ہیں:

(۱) اسحاق اکبر (انہی کے نام پر آپ کی کنیت ابو اسحاق تھی) (۲) عمر (۳) محمد (۴) عامر (۵) اسحاق اصغر (۶) اسماعیل (۷) ابراہیم (۸) موسیٰ (۹) عبداللہ (۱۰) عبداللہ اصغر (۱۱) عبدالرحمٰن (۱۲) عمیر الاکبر (۱۳) عمیر الاصغر (۱۴) عمرو (۱۵) عمران (۱۶) صالح (۱۷) عثمان۔

(۱) ام حکیم کبریٰ (۲) حفصہ (۳) ام القسم (۴) کلثوم (۵) ام عمران (۶) ام حکیم صغریٰ (۷) ام عمرو (۸) ہند (۹) ام زبیر (۱۰) ام موسیٰ (۱۱) حمنہ (۱۲) ام عمر (۱۳) ام ایوب (۱۴) ام اسحاق (۱۵) رملہ (۱۶) عمرہ (۱۷) عائشہ۔

Marfat.com

Marfat.com

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ بھی ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں جنت کی بشارت دے دی تھی اور جن کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔ یہ السابقون الاولون اور اصحاب بدر میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' کا پروانہ عطا فرمایا۔ (الاستیعاب لابن عبدالبر:۱۸۸/۴، الاصابہ:۱۸۸/۴)

سیدنا سعید کا نام ونسب حسب ذیل ہے:

نام سعید، کنیت ابوالاعور، والد کا نام زید اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب، القرشی العدوی۔ (سیر اعلام النبلاء:۱۲۴/۱)

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب کعب بن لوی پر رسول اللہ ﷺ اور نفیل پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کے والدان سعادت مند حضرات میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل ہی عرب کے کفر وشرک کے ظلمت کدہ میں دین ابراہیمی کو ماننے والے تھے اور بتوں کے شرک کی نجاست، فسق وفجور یہاں تک کہ مشرکین کے ذبیحہ سے بھی احتراز کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے بعثت سے قبل ملاقات ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت حضور ﷺ کے ساتھ تھے، کھانا پیش کیا تو فرمایا: میں بتوں اور ذبح کیا ہوا چڑھاوا نہیں کھاتا۔ (فتح الباری:۱۴۳/۷، سیر اعلام النبلاء:۱۳۰/۱)

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے زید بن عمرو کو بڑھاپے میں دیکھا کہ وہ

Marfat.com

کعبہ کی دیوار سے اپنی پیٹھ لگائے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے: ''اے گروہ قریش تم پر افسوس، زنا سے بچو کیونکہ یہ فقر اور ناداری کو لاتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۲/۲۴۱)

روایات میں ہے کہ جس زمانہ میں کعبہ کی تعمیر نو ہوئی اس زمانے میں قریش میں سیادت وقیادت کا ایک سخت بحران تھا۔ اسی بحران کا نتیجہ تھا کہ حجر اسود کو اس کے مقام پر نصب کرنے کے معمولی سے اختلاف کی وجہ سے ایک فریق نے خون کی انگلیاں تر کر کے اپنی موت کا قبالہ خون رگ جان سے لکھ دیا۔ حالات نے یہاں تک انگڑائی لی ہوئی تھی کہ پوری قوم میں کسی ایک شخص کو حق سیادت حاصل نہ تھا ان کے جد اعلیٰ قصی کی عظمت وشوکت، ہاشم کی وجاہت اور عبدالمطلب کا رعب و دبدبہ ایک ایک کر کے ان سے دامن جھٹک کر علیحدہ ہو گئے تھے۔ خواجہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد اہل مکہ کے لیے حوادث ومصائب کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور اگر نواحی ملکوں میں خانہ کعبہ کے تقدس کا سکہ دلوں پر نہ بیٹھا ہوتا تو کوئی نہ کوئی حریف مکہ کو اپنے زیر نگین کر لیتا۔

مکہ کے رہنے والوں کے دلوں میں ایک انقلاب آ چکا تھا۔ اس انقلاب کا ثبوت اس وقت بھی ملتا ہے کہ مقام نخلہ میں عزیٰ بت کا ایک میلہ لگتا تھا اور ہر سال وہاں قریش کا ایک بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ ایک سال جب میلے کے لیے اجتماع ہوا اور بڑے بڑے شیوخ اور سر برآوردہ لوگ اس بت کے حضور اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے، انہی لوگوں میں سے قریش کے چار اشخاص ایک طرف خفیہ طور پر خلوت میں جا بیٹھے۔ ان چار آدمیوں کے نام یہ تھے:

① زید بن عمرو ② عثمان بن حویرث ③ عبیداللہ بن جحش ④ ورقہ بن نوفل۔

ان چاروں نے باہمی طور پر اپنے عقیدے پر ندامت کا اظہار کیا۔ ان میں سے ایک صاحب نے کہا:

''ہم لوگ گمراہی وضلالت کے قعر مذلت میں گرے ہوئے ہیں۔ جن پتھروں کو ہم پوجتے اور ان کا طواف کرتے ہیں ان کی اپنی بے بسی یہ ہے کہ نہ وہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی دیکھنے پر انہیں قدرت حاصل ہے۔ ہم ان سے نفع ونقصان کی لمبی لمبی امیدیں لگائے ہوئے ہیں حالانکہ وہ کسی قسم کے نفع ونقصان کے مالک ومختار نہیں ہیں اور ہماری ان کے ساتھ وابستگی کا یہ عالم ہے کہ وہ ہماری طرف سے قربانی کے خون میں تیرتے

Marfat.com

ہیں، لہٰذا آؤ سب مل کر کسی اور دین کی پناہ ڈھونڈیں۔''

زبان پر بات اسی وقت آتی ہے جب دل میں اس کا داعیہ پیدا ہوا۔ ان چاروں نے جب آپس میں کسی اور دین کی پناہ لینے کی بات کی تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان بتوں کے لیے ان کے دلوں میں سخت نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ عزیٰ کا میلہ ختم ہو گیا اور یہ چاروں ان کے ساتھ دوسرے ہزاروں لوگ بھی اپنے اپنے گھروں میں واپس آ گئے، لیکن یہ چاروں مختلف ادیان کی پناہ میں آنے کے لیے جدوجہد کرنے لگے۔ چنانچہ ورقہ بن نوفل تو دین عیسائیت میں داخل ہو گئے اور عبیداللہ بن جحش اوائل اسلام میں کچھ دیر تک متردد رہنے کے بعد مسلمان ہو گئے اور مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے اور وہاں عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ اس سفر میں ان کے ساتھ ان کی بیوی اور رئیس مکہ کی بیٹی ام حبیبہ بن ابی سفیان بھی تھیں۔ تیسرے شخص زید بن عمرو اپنی اہلیہ اور چچا سے ناراض ہو کر گھر سے نکل گئے۔ اس زمانے کے مروجہ مذاہب (عیسائیت اور یہودیت) میں سے تو انہوں نے کوئی قبول نہ کیا، لیکن اپنے قدیم مذہب (بت پرستی) سے بھی ساری زندگی کنارہ کش رہے کیونکہ وہ ہر دین کے بارے میں متردد ہی رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے دیوار کعبہ کے سایہ میں کھڑے ہو کر یہ دعا کی تھی:

''اے اللہ! اگر مجھے پتہ چل جائے کہ تو فلاں دین سے خوش ہے تو میں اسی دین میں داخل ہو کر تیری عبادت کروں، لیکن مجھے کچھ علم نہیں کہ تو کس دین سے خوش ہے۔''

(سیرت ابن ہشام: ۱/۲۲۲، ابن اثیر: ۲/۴۷)

خود فرماتے ہیں کہ میں نے عیسائیت اور یہودیت دونوں کا مطالعہ کیا اور مجھے دونوں ہی پسند نہ آئے۔ میں اس زمانے میں شام میں تھا۔ چنانچہ میں ایک راہب کے پاس آیا اور اس سے اپنا یہ سارا واقعہ اور حالات زندگی بیان کیے۔ اس نے کہا: مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو دین ابراہیمی کا خواہش مند ہے۔ اے میرے مکی بھائی! تو اس دین کی طلب اور خواہش کر رہا ہے جو آج ناپید ہے۔ حق تو تیرے اپنے شہر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ تیری اپنی قوم میں سے ایک نبی مبعوث فرمائے گا جو دنیا میں دین ابراہیمی لے کر آئے گا۔ اور وہ دین توحید ہے، اور وہ دین لانے والا تمام مخلوق میں سب سے اعلیٰ اور اشرف ہو گا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۳۱)

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے زید بن عمرو کو بڑھاپے میں دیکھا، وہ

Marfat.com

خانہ کعبہ کی دیوار سے پیٹھ لگائے بیٹھے رہتے اور قوم کے لوگوں سے کہتے تھے: ''اے گروہ قریش! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں زید کی جان ہے، تم میں میرے سوا کوئی بھی آج دین ابراہیمی پر قائم نہیں۔'' سیدنا عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ زید بن عمرو نے ایک مرتبہ مجھے کہا: ''عامر! میں اپنی قوم کی راہ سے بالکل الگ تھلگ ہوں۔ میں ملت ابراہیمی کا پیرو ہوں۔'' انہی عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ زید بن عمرو مجھ سے کہا کرتے تھے کہ ''میں اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک نبی کا منتظر ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں گے، اور مجھے امید نہیں کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں کہ اس نبی کو دیکھ سکوں، البتہ اگر تم اس وقت تک زندہ رہو اور ان کو دیکھو تو ان کی خدمت اقدس میں میرا اسلام عرض کرنا۔'' عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کئی سال کے بعد جب میں دولت ایمان سے بہرہ اندوز ہوا تو میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زید بن عمرو کا یہ قول اور سلام عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دے کر زید کے لیے رحمت کی دعا کی اور فرمایا کہ میں نے زید کو جنت میں راحت کے ساتھ دامن کشاں دیکھا ہے۔ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں جب جنت میں داخل ہوا تو میں نے زید بن عمرو بن نفیل کے کھجور کے دو درخت دیکھے۔

(البدایہ والنہایہ: ۲/۲۴۱، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۵۶، السیر والمغازی: ص ۱۱۹، نسب قریش: ص ۳۶۵، الاغانی: ۳/۱۲۷، تہذیب تاریخ دمشق: ۶/۳۲-۳۴، مجمع الزوائد: ۹/۴۱۷، الاصابہ: ۱/۵۷۰، تاریخ اسلام ذہبی: ۱/۹۰، فتح الباری: ۷/۱۴۳)

یہ زید بن عمرو بن نفیل سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے چچا اور ان کے بہنوئی سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔

(زید بن عمرو بن نفیل کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام: ۱/۲۵۵، السیر والمغازی: ص ۱۱۶-۱۱۹، جمہرۃ انساب العرب لابن حزم: ص ۱۵۰، تہذیب الاسماء واللغات للنووی: ۱/۲۰۴-۲۰۵، اسد الغابہ: ۲/۲۳۶-۲۳۸، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۸۵-۹۱، روض الانف: ۱/۲۵۵-۲۵۷، تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر: ۶/۳۰-۳۶، الاغانی: ۳/۱۲۳-۱۳۱، طبری: ۲/۲۹۵، الاصابہ: ۱/۵۶۹)

ان میں چوتھے شخص عثمان بن حویرث تھے جو ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے عزیز اور قرابت دار تھے۔ یہ مکہ مکرمہ کی سکونت چھوڑ کر روم چلے گئے اور وہاں نصرانی ہو گئے۔ قیصر

Marfat.com

روم نے انہیں اپنے مصاحبین میں داخل کرلیا۔ اب عثمان کو یہ شرارت سوجھی کہ اہل مکہ کو قیصر روم کا باج گزار بنا کر خود وہاں کا گورنر بن جائے لیکن اہل مکہ اس کے دام فریب میں نہ آئے۔ عثمان نے جب اس معاملہ میں اپنی ناکامی دیکھی تو روم کو خیر باد کہہ کر حیرہ (شام) میں امیر غسان کے پاس چلا گیا اور اسے مکہ جانے والے تاجروں کی ناکہ بندی کرنے کے لیے اکسایا۔ جب قریش کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے امیر غسان کو تحفے تحائف سے اپنی طرف مائل کرلیا اور عثمان کو وہیں زہر دے کر مار دیا گیا۔

ان چار حضرات کے علاوہ اور بھی کئی ایسے لوگ تھے جو بتوں کی پرستش سے متنفر ہو کر غیر اللہ کی عبادت سے مجتنب رہے۔ انہی لوگوں میں سے ایک قیس بن ساعدہ ایادی بھی تھے جو تاریخ اسلامی میں "قیس" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ ایام جاہلیت میں سب سے پہلے شخص ہیں جو بعثت نبوی پر ایمان لائے۔ ایک بہت بڑے خطیب، حکیم، عاقل، نبیل اور دانشور تھے۔ حافظ طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا: "تم لوگوں میں کوئی قیس ایادی کو جانتا ہے؟" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! ہم سب جانتے ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "اس کا کیا حال ہے؟" عرض کیا: "یا رسول اللہ! وہ تو انتقال کر گیا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ذی قعدہ میں عکاظ کے میلہ میں سرخ اونٹ پر سوار خطبہ دے رہا تھا۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں عکاظ کے میلے میں قیس ایادی کو سرخ اونٹ پر خطبہ دیتے ہوئے کبھی نہیں بھول سکتا۔" اس نے کہا: "لوگو! اکٹھے ہو کر جاؤ اور سنو اور یاد رکھو، اور پھر یادداشت سے فائدہ اٹھاؤ اور جب بات کرو تو سچ بولو، جو زندہ ہے وہ فوت ہوگا اور جو فوت ہو گیا وہ اس دنیا سے چلا گیا۔ ہر آنے والی شئے آ کر رہے گی۔ بارش اور نباتات، زندہ اور مردہ، تاریک رات، برج والے آسمان، چمکدار ستارے، بحر بیکراں، روشنی اور تاریکی، دن اور رات، نیکی اور گناہ، بے شک آسمان میں خبر و آگہی ہے، زمین میں سامان عبرت ہے، اس میں دانشور حیرت زدہ ہے، زمین ہموار ہے، آسمان بالا ہے، ستارے مخفی ہیں اور سمندر ساکت ہے، موت قریب ہے، زمانہ فریب ہے، تیر کی دھار کی طرح اور ترازو کے تول کی طرح "پھر قیس نے کہا: "میں دیکھتا ہوں کہ لوگ دنیا سے جاتے ہیں اور پھر واپس نہیں لوٹتے، کیا وہیں

Marfat.com

انہوں نے اقامت کو پسند کر لیا ہے؟ یا دنیا کے دھندوں سے آزاد ہو گئے؟ اور محو خواب ہو گئے؟"
پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اس کے اشعار کون سناتا ہے؟" سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کے کچھ اشعار سنائے۔ (السیرۃ النبویہ: ۱۵۲/۱)

انہی حضرات میں سے ایک شخص امیہ بن ابوالصلت تھا جو طائف کے قبیلہ ثقیف کا مشہور شاعر تھا۔ اس کے اشعار میں توحید الٰہی، حشر ونشر اور دنیا کی بے ثباتی کے مضامین ملتے ہیں۔ اس کا ایک مشہور شعر یہ ہے

لك الحمد والنعماء والفضل ربنا
فلا شئی اعلیٰ منك احمداً ولا مجداً

"اے ہمارے رب! تیرے ہی لیے تمام حمد وستائش اور فضیلتیں ہیں اور تیری ہی طرف سے سب نعمتیں ہیں۔ نہ تجھ سے زیادہ کوئی تعریف کا مستحق ہے اور نہ ہی تیری ذات پاک سے بڑھ کر کوئی صاحب عز وشرف ہے۔"

حافظ ابن عساکر نے امام زہری سے نقل کیا ہے کہ امیہ بن ابی الصلت نے ایک مرتبہ کہا:

الا رسول لنا منا یخبرنا
بعد ما غایتنا من راس مجرانا

"یعنی کیا کوئی رسول نہیں ہے جو ہمیں آگاہ کرے کہ ہماری زندگی کے آغاز سے ماوراء تک کیا ہوگا۔"

امیہ بن ابی الصلت طائف کا رہنے والا تھا۔ یہاں سے وہ بحرین منتقل ہو گیا۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا۔ وہ بحرین سے آٹھ سال کے قیام کے بعد طائف آیا۔ اہل طائف سے پوچھا: "محمد بن عبداللہ کیا کہتا ہے؟" انہوں نے کہا: "اس کا خیال ہے کہ وہ نبی ہے جس کا تو منتظر تھا۔" چنانچہ اس نے سرکار دو عالم ﷺ سے ملاقات کی اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں۔" وہ دوسرے روز بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپ ﷺ سے ملا۔ کافی دیر تک گفتگو ہوئی، لیکن امیہ پاؤں گھسیٹتا ہوا مجلس سے اٹھ کر چلا آیا۔ امیہ کے پیچھے پیچھے اشراف قریش بھی اٹھ کر چلے آئے۔

Marfat.com

اشرافِ قریش نے پوچھا: کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: میں شاہد ہوں کہ وہ حق پر ہیں۔ قریش نے پوچھا: ''اس کی پیروی کرو گے؟'' اس نے کہا: ''میں ذرا غور کرلوں۔'' پھر وہ شام چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

جنگ بدر کے بعد امیہ بن ابی الصلت شام سے میدان بدر میں آیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ کسی شخص نے پوچھا: ''کیا حال ہے؟'' کہنے لگا: ''حضور ﷺ سے ملاقات کا ارادہ ہے۔'' اس نے کہا: ''معلوم ہے کہ قلیبِ بدر (بدر کے کنویں) میں کون کون سے لوگ مدفون ہیں؟'' اس نے جواب دیا: ''نہیں'' اس شخص نے کہا: ''اس میں عتبہ، شیبہ، پسران ربیعہ مدفون ہیں، اور یہ دونوں امیہ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ جونہی اس نے یہ وحشت اثر خبر سنی تو فوراً اپنی سواری کی دم اور کان کاٹ ڈالے اور قلیب بدر پر کھڑے ہو کر اک زوردار مرثیہ کہا۔ پھر مکہ آیا اور طائف میں قیام پذیر ہو گیا اور اسلام کو بالکل نظر انداز کر دیا اور بغیر اسلام لائے مرگیا۔ سچ ہے ؎

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
چو خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

یہ طولانی تمہید صرف اس لیے تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل کئی ایسے لوگ تھے جو بت پرستی سے متنفر اور دین حنیف کے متلاشی تھے۔ ان میں ایک سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کے والد زید بھی تھے جو اس بت پرستی کے ماحول میں رہتے ہوئے بھی شرک اور کفر سے متنفر تھے اور دین حنیف کی تلاش اور حق کی جستجو میں دور دراز ممالک کی خاک چھانی۔ شام پہنچے تو ایک یہودی عالم سے منزل مقصود کی رہبری چاہی۔ اس نے کہا کہ اگر غضب خداوندی میں حصہ لینا ہے تو ہمارے مذہب میں آجاؤ۔ زید نے کہا: میں تو اسی سے بھاگ کر یہاں آیا ہوں، پھر اسی میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ البتہ کوئی دوسرا مذہب بتا سکتے ہو تو بتاؤ۔ اس نے دین حنیف کا پتہ دیا۔ انہوں نے پوچھا: دین حنیف کیا ہے؟ اس نے کہا: دین حنیف وہ دین ہے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا جو نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ خدائے واحد و یکتا کی پرستش کرتے تھے۔ پھر ایک عیسائی راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا: اگر خدا تعالیٰ کی لعنت کا طوق چاہتے ہو تو ہمارا مذہب موجود ہے۔ زید نے کہا: خدا کے لیے کوئی ایسا دین بتاؤ جس میں نہ اللہ تعالیٰ غضب ہو اور نہ لعنت۔ میں ان دونوں سے بھاگ کر یہاں اتنی دور آیا ہوں۔ اس نے کہا: میرے خیال میں ایسا دین صرف اور صرف دین حنیف ہے

Marfat.com

جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا۔ غرض جب ہر طرف سے دین ابراہیمی کا پتہ ملا تو شام سے واپس مکہ آئے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا:

''اے اللہ! میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ اب میں دین حنیف کا پیروکار ہوں۔''

(بخاری، حدیث: ۳۸۲۸)

چنانچہ اسی بات کو فخریہ طور پر یوں ذکر فرمایا کرتے تھے کہ ''اے گروہ قریش! خدا کی قسم، میرے سوا تم میں سے کوئی بھی دین ابراہیم پر قائم نہیں ہے۔''

ایام جاہلیت میں عرب لوگ عموماً اپنی بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، لیکن زید بن عمرو ان بچیوں کو بچانے میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ جب کوئی باپ اپنی بچی کو قتل کرنا چاہتا یا اس کو زندہ درگور کرنا چاہتا تو وہ اس سے یہ فرماتے کہ اس کو چھوڑ دو میں اس کی کفالت اپنے ذمہ لیتا ہوں اور جب وہ بچی ان کی کفالت میں جوان ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے: اگر تو چاہتا ہے تو تمہیں یہ بچی واپس کر دیتا ہوں، ورنہ میری ہی کفالت میں رہنے دو۔

(بخاری، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل، حدیث: ۳۸۲۸، مستدرک حاکم: ۳/۴۴۰ وصحہ ووافقہ الذہبی، طبقات ابن سعد: ۳/۲۷۷، مجمع الزوائد: ۹/۴۱۸، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۲۵)

اسلام

سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کے گھر کا ماحول چونکہ پہلے ہی توحید پرستانہ اور دین حنیف کو ماننے والا تھا اور اس ماحول کے اثرات آپ پر بھی پڑے ہوئے تھے، اس لیے جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت توحید دی تو اگرچہ ان کے والد زید جو توحید کے سچے شیدائی تھے، اس دنیا میں موجود نہ تھے، تاہم ان کے صاحبزادے سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کے لیے یہ آواز کوئی انوکھی اور غیر مانوس نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے فوراً اس دعوت پر لبیک کہا اور اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم کو اپنی دعوت کا مرکز بنانے سے قبل ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ (مستدرک حاکم: ۳/۴۳۸، طبقات ابن سعد: ۳/۲۷۸، الاصابہ: ۴/۱۸۸)

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ ان کی چچازاد بہن اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وقت خود ابھی حقیقت اسلام سے ناآشنا تھے۔ بہن اور

Marfat.com

بہنوئی کے تبدیل مذہب کا حال سن کر نہایت برافروختہ ہوئے۔ چنانچہ وہ ان دونوں میاں بیوی کو اس قدر مارا کرتے تھے کہ لہولہان ہو جاتے تھے۔ چنانچہ بخاری میں سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی اپنی زبان سے یہ بات منقول ہے۔ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ عمر اپنے اسلام لانے سے قبل مجھے باندھ کر زمین پر ڈال دیا کرتے تھے۔ (بخاری: ۵۴۵/۱)

ایک غلط روایت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔ ہماری سیرت کی اکثر کتابوں میں وہی روایت لکھی ہوئی ہے اور نہایت افسوس کا مقام ہے کہ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ جیسے محقق نے بھی اپنی کتاب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور الفاروق رضی اللہ عنہ میں اسی روایت کو نقل کیا ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ ایک روز سیدنا عمر بن خطاب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا مصمم ارادہ کر کے گھر سے نکلے۔ اس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ صفا کے قریب دار ارقم میں اقامت فرما تھے اور مسلمانوں کی مجموعی تعداد اس وقت چالیس کے قریب تھی۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نعیم بن عبداللہ نحام رضی اللہ عنہ ملے۔ (یہ نعیم بن عبداللہ نحام مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا)۔ نحام کا لفظ نحمہ سے مشتق ہے۔ نحمہ کے معنی ہیں آہٹ یا کھنکار کی آواز۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

سمعت نحمته فى الجنتة

''میں نے جنت میں ان کی کھنکار سنی۔ اس خوش خبری کی وجہ سے ان کا لقب النحام پڑ گیا۔'' (سیرۃ حلبیہ: ۳۴۹/۱)

بعض روایات میں ہے کہ بنی زہرہ یا بنی مخزوم کے کسی شخص سے ملاقات ہوگئی۔

(عمر بن خطاب لابن جوزی: ۱۰، مختصر السیرۃ: ص ۱۰۲-۱۰۳)

نعیم رضی اللہ عنہ نے عمر کے تیور دیکھ کر اندازہ لگایا اور پوچھا: ''ابن خطاب! کہاں کا ارادہ ہے؟'' عمر نے جواب دیا: ''اس فتنہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے جا رہا ہوں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے برپا کر رکھا ہے۔'' نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کس طرح بچ سکو گے۔'' عمر نے کہا: ''معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی صابی (بے دین) ہو گیا ہے اور اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ بیٹھا

Marfat.com

ہے۔" نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "ابن خطاب! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے سے قبل اپنے گھر کی خبر لو، تمہاری بہن فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ دونوں صابی ہو گئے ہیں اور باپ دادا کے دین کو خیر باد کہہ کر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ میں داخل ہو چکے ہیں۔"

عمر ان اشتعال انگیز اور طعن آمیز فقروں کو کب برداشت کر سکتے تھے۔ ان فقروں کو سنتے ہی غصے سے بپھر گئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش چھوڑ کر بہن کے گھر پہنچ گئے۔ سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ جو ان کی بہن اور بہنوئی کو قرآن حکیم کی تعلیم دے رہے تھے، عمر کی آہٹ سنتے ہی چھپ گئے۔ عمر گھر میں داخل ہوئے مگر تلاوت کی کچھ بھنک عمر کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ عمر جیسے ہی مکان میں داخل ہوئے تو پوچھا: "تم کیا پڑھ رہے تھے؟" بہن اور بہنوئی نے بات کو چھپانا چاہا لہٰذا کچھ خاموش رہے۔ عمر نے اسی تیزی میں کہا: "میں نے سنا ہے کہ تم دونوں صابی (بے دین) ہو گئے ہو۔" بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا: "عمر! اگر تمہارا دین حق نہ ہو بلکہ اس کے سوا کوئی دوسرا دین حق ہو تو بتلاؤ کیا کرنا چاہیے؟" بہنوئی کے اس جواب نے عمر کے غصہ کو اور تیز کر دیا اور وہ ان پر پل پڑے۔ بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا شوہر کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں تو عمر نے اس کو اس قدر مارا کہ چہرہ لہو سے تربتر ہو گیا۔ اب بہن کو جوش آ گیا، بولیں: "اے خطاب کے بیٹے! تجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر لے، ہم تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کر چکے ہیں۔ اے اللہ کے دشمن! تو ہمیں محض اس لیے مارتا ہے کہ ہم اللہ کو ایک مانتے ہیں۔ خوب جان لے، ہم اسلام کے حلقہ میں داخل ہو چکے ہیں اگرچہ تیری ناک خاک آلود ہو۔"

یہ بات سن کر عمر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اصل حقیقت معلوم کرنے کا شوق اتنا بڑھ چکا تھا کہ بہن کے اس سخت اور توہین آمیز کلام کو نہایت صبر و سکون سے برداشت کیا۔ فوراً اٹھے اور وضو یا غسل کیا اور صحیفہ مطہرہ کو ہاتھ میں لیا۔ اس میں لکھا تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ جل شانہ کے یہ نام دیکھ کر لرزہ براندام ہو گئے اور صحیفہ مبارک کو وہیں رکھ دیا۔ جب آپ کے اوسان بحال ہوئے تو اسے پھر اٹھایا بسم اللہ کے بعد سورۃ طٰہٰ لکھی تھی۔ قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ ان کے قلب پر نقش ہو رہا تھا۔ فصاحت زبان، محاسن کلام، ندرت بیان، بلندی معانی، جامعیت مطالب، حسن انشاء، شگفتگی الفاظ اور تعلیمات ہدایت کی پاکیزگی پر سر دھنتے تھے۔ آخر جب اس بات پر پہنچے:

Marfat.com

﴿انی انا اللہ، لا الہ الا انا فاعبدنی واقم الصلوٰۃ لذکری﴾

"میں ہی معبود برحق ہوں میرے سوا کوئی پرستش کا اہل نہیں پس میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔"

تو صداقت کا جذبہ کامل اپنی پوری طاقت کے ساتھ قلب صافی میں محشر انگیز ہوا اور انوار رشد و ہدایت نے رہبری فرما کر چشم بصیرت کھول دی۔ آنکھیں پرنم ہو گئیں اور زبان سے بے اختیار نکلا: کیسا ہی پاکیزہ کلام ہے۔" حقیقت میں جس معبود کی یہ تعریف ہے اور جس کا یہ کلام ہے وہی قابل پرستش وستائش ہے۔ (ما احسن الکلام واکرمہ) اس کے بعد بے اختیار بول اٹھے:

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ۔

سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ مکان میں چھپے ہوئے یہ سب ماجرا دیکھ اور سن رہے تھے۔ جب انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے کلمۂ شہادت سنا تو فوراً باہر نکل آئے اور سب حضرات نے خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور جوش مسرت میں ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ خباب بن الارت رضی اللہ عنہ نے کہا: عمر! خوش خبری ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوئی۔ عمر نے خباب رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے اسی وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلو۔ اس کے بعد سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر دار ارقم کی طرف روانہ ہوئے اور یہ وہاں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو گئے۔

علامہ شبلی رحمہ اللہ نے نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ والی یہ روایت بیان کر کے لکھا ہے کہ

"یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان پر جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا، پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم کو تردد ہوا لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا: کیوں عمر، کس ارادے سے آئے ہو؟ نبوت کی پرجلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض

Marfat.com

کی ایمان لانے کے لیے۔ آنحضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بے ساختہ ''اللہ اکبر'' کا نعرہ اس زور سے مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔'' (سیرۃ النبی: ۲۲۴/۱-۲۲۶)

ان کے علاوہ اور بھی کئی حضرات نے اپنی کتابوں میں چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اس قصہ کو نقل کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۳۴۵/۱-۳۴۶، عیون الاثر لابن سید الناس: ۲۱۶/۱-۲۱۷، زرقانی: ۲۷۶/۱)

یہ قصہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا ہم نے سیرۃ النبی ﷺ اور دوسری کتابوں سے نقل کیا ہے اور علامہ شبلی رحمہ اللہ جیسے محقق نے اس کو اپنی کتاب ''الفاروق'' میں بھی نقل کیا ہے، لیکن علامہ شبلی رحمہ اللہ نے اس واقعہ کی اسناد اور روایت و درایت کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اردو میں کتابیں لکھنے والے دوسرے مؤرخین اور سیرت نگاروں نے بھی اس واقعہ کو بڑے شدومد سے لکھا ہے اور اسی کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب قرار دیا ہے۔ اس واقعہ کے بارے میں علامہ شبلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کو انساب الاشراف بلاذری، طبقات ابن سعد، اسد الغابہ، ابن عساکر اور کامل ابن اثیر میں نقل کیا گیا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم اس واقعہ پر کوئی بحث کریں علامہ شبلی رحمہ اللہ کے جانشین علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے اس واقعہ کے بارے میں جو وضاحت کی ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ سید صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''دار قطنی نے اس روایت کو مختصر لکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں (باب طہارۃ للقرآن) ذہبی نے مستدرک حاکم ص ۵۱۹ جلد ۴ کے استدارک میں لکھا ہے کہ یہ روایت واہی اور منقطع ہے اور میزان الاعتدال میں قاسم بن عثمان کے حال میں، جو اس روایت کا ایک راوی ہے، لکھا ہے کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا قصہ بیان کیا ہے ''وہی منکرۃ جداً'' اور وہ نہایت منکر ہے۔ کنز العمال (فضائل عمر ابن الخطاب) میں بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان، اسحاق بن ابراہیم الحسینی اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں اور یہ سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔'' (سیرۃ النبی ﷺ: ۲۳۵/۳)

Marfat.com

اس قصہ کی بعض روایات میں سورۃ حدید کی تلاوت کا ذکر ہے اور بعض میں سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات کا ذکر ہے اور بقیہ روایت وہی ہے۔ یہ روایات طبقات ابن سعد، مسند ابی یعلی، سنن دار قطنی، مستدرک حاکم، بیہقی، طبرانی، بزار اور ابونعیم وغیرہ میں موجود ہیں۔ ان سب کی روایات میں جو راوی ہیں ان کے بارے میں علمائے جرح وتعدیل نے جو جرح کی ہے وہ حسب ذیل ہے:

① قاسم بن عثمان: اس نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس قصہ کو روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قاسم کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ ایسی روایات بیان کرتا ہے جس کا کوئی شاہد نہیں ہوتا۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ نہایت ردی اور منقطع ہے (تلخیص مستدرک) میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا قصہ نقل کیا ہے جو انتہائی منکر ہے۔ (میزان الاعتدال: ۳/۳۷۵) حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا قصہ نقل کیا ہے جو انتہائی منکر ہے۔ امام دار قطنی فرماتے ہیں: ”یہ قوی نہیں ہے۔“ (لسان المیزان: ۴/۴۳۶) ایسا ہی دوسرے دو راویوں اسحاق بن ابراہیم اور اسامہ بن زید بن اسلم کے بارے میں ہے۔

(ملاحظہ ہو میزان الاعتدال: ۱/۹۷-۱۷۴)

گویا کہ اس قصہ کے سارے راوی ناقابل اعتماد اور غیر ثقہ ہیں۔

درایت کے لحاظ سے بھی یہ قصہ بالکل غلط ہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خونی، ظالم اور یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ بھی رکھتے تھے، ثابت کرنے کے لیے تراشا گیا ہے۔ اس کے غلط ہونے کے شواہد حسب ذیل ہیں:

① اس روایت کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنے بہنوئی سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے ناآشنا تھے اور آپ کو نعیم بن عبداللہ کی زبانی پتہ چلا کہ وہ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں حالانکہ یہ بات صحیح روایت کے خلاف ہے چنانچہ بخاری میں سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی اپنی زبان سے یہ بات منقول ہے:

والله، لقد راتنی عمر لموثقی علی الاسلام قبل ان یسلم عمر۔

(بخاری: ۱/۵۴۵-۵۴۶)

”اللہ کی قسم! میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل

Marfat.com

مجھے باندھ کر ڈال دیا کرتے تھے۔"

اس روایت صحیحہ سے غیر مبہم طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے بہنوئی سعید بن زید کو ان کے اسلام لانے کے بعد رسیوں سے باندھ کر زمین پر ڈال دیا کرتے تھے تاکہ وہ کہیں اور نہ جاسکیں اور کسی دوسرے قریشی تک اپنے ایمانی جراثیم منتقل نہ کر سکیں۔

(۲) اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی تاکید فرمائی ہوئی تھی کہ اہل ایمان اپنے ایمان کو مخفی رکھیں۔ چنانچہ جب سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو آپ نے ان کو بھی تاکید فرمائی تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی پوشیدہ طور پر دار ارقم میں رب واحد کی عبادت فرماتے تھے۔ جب حالات یہ تھے تو نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے ایمان کے راز کو کیوں فاش کر دیا؟ یہ تو انہوں نے ان دونوں سے گویا کہ اپنی کسی دشمنی کا بدلہ لیا ہوگا؟ یہ بات خلاف عقل ہے۔

(۳) اس واقعہ میں سورۃ الحدید کی ابتدائی آیات کی تلاوت کا ذکر ہے۔ جب کہ یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا وقعہ ۶ نبوی کا ہے اور بعض کے نزدیک ۵ نبوت کا ہے۔ (ملاحظہ ہو زرقانی شرح المواہب: ۱/۲۷۱) گویا کہ یہ آیات ۱۵ سال بعد نازل ہوئیں، لیکن کذاب اور سبائی راویوں نے ۱۵ سال قبل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے منہ سے ان کی تلاوت کرادی۔

(۴) سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے والد زید جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حقیقی چچا تھے، بعثت نبوی سے قبل ہی بت پرستی کے سخت مخالف اور توحید کے پرچارک تھے، زید کو ان کے اس نعرۂ توحید پر ان کے بھائی خطاب نے اور قریش کے دوسرے کئی افراد نے اذیتیں بھی دیں، اور بالآخر مکہ مکرمہ سے جلاوطن کر دیا۔ اسی زید کے فرزند ارجمند سیدنا سعید رضی اللہ عنہ اعلان نبوت کے چند روز بعد ہی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ اتنی جلدی مشرف باسلام ہونے میں ان کی گھریلو زندگی اور ماحول کے بھی اثرات تھے، لہٰذا یہ کہنا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا، بعید از عقل اور واقعات کا صریحاً خلاف ہے۔ ان شواہد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ دشمنان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سفاک، ظالم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنانے والا ظاہر کرنے لیے گھڑا

Marfat.com

ہے، وگرنہ حقیقت یہ نہیں ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی کیا وجوہات واسباب تھے اس کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۵۸ تا ۲۷۲، سیرۃ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: صفحہ ۳۳ تا ۴۵۔

غزوات میں شرکت

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے بھی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی اور یہ مہاجرین اولین میں سے تھے۔ مدینہ منورہ میں پہنچ کر یہ سیدنا رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ انصاری کے ہاں مہمان ہوئے اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھائی چارہ کروادیا اور ایک اور روایت میں ہے کہ رافع بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کا بھائی چارہ کرایا۔ (طبقات ابن سعد، ترجمہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ)

مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے لیکن قریش مکہ کو ان کا ایک مرکز میں اکٹھا ہونا اور زیادہ خطرہ نظر آنے لگا۔ اس وجہ سے وہ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کی اس طاقت کو تباہ و برباد کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ اس میں سب سے پیش پیش ابوجہل تھا۔ جنگ کے لیے سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اتنا سرمایہ ان کے پاس اگرچہ تھا لیکن کفر کے بخل کی وجہ سے وہ اپنا سرمایہ لگانا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا منصوبہ یہ بنایا گیا کہ چندہ کے بجائے تجارت کے ذریعہ سرمایہ فراہم کیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ شام بھیجا جائے۔ اس تجارتی قافلہ میں مکہ کا ہر شخص خواہ وہ عورت ہو یا مرد سرمایہ لگائے اور اس سے جو منافع حاصل ہو اس کو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں صرف کیا جائے۔ چنانچہ قریش کے ہر فرد نے اس میں سرمایہ لگایا۔

(طبقات ابن سعد: ۲/۷)

تاریخ میں ہے کہ مجموعی رقم جو اکٹھی ہوئی وہ پچاس ہزار دینار تھی۔ آج کل کے حساب سے یہ ساڑھے نو کروڑ کا سرمایہ تھا۔ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک بھی پہنچی لہٰذا نبوی بصیرت نے قریش کے اس منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے غزوہ عشیرہ میں دو سو مہاجرین کی معیت میں خود اس قافلہ کا تعاقب کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشیرہ پہنچنے سے پہلے وہ تجارتی قافلہ وہاں سے جا چکا تھا۔ رمضان المبارک میں یہی قافلہ بے شمار مال سے لدا پھندا واپس مکہ آرہا تھا کہ آپ کو اس کی واپسی

Marfat.com

کی اطلاع ملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو اس کے حالات کا پتہ لگانے کے لیے شمال کی جانب روانہ کیا۔ یہ دونوں صحابی مقام حوراء تک گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ تھا کہ اس تجارتی قافلہ کو روکا جائے اور اس طریقہ سے قریش مکہ کی اقتصادی ناکہ بندی کی جائے۔

تجارتی قافلہ کی واپسی شام سے کب ہوگی اور وہ کس راستہ سے واپس جائے گا اس کا علم کسی کو نہیں تھا۔ جانے کا راستہ تو معلوم تھا لیکن اس بات کا قوی امکان تھا کہ واپسی کا راستہ تبدیل ہو جائے اور مدینہ طیبہ کے قریب سے گزرنے کے بجائے اس شاہراہ سے گزرے جو ساحل سمندر کو چھوتی ہوئی ینبع کے قریب سے بدر کی جانب مڑتی ہے۔ بدر ایک جنکشن تھا جہاں مدینہ کو بھی راستہ جاتا تھا اور مکہ کو بھی۔ لہٰذا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں طرف آدمی روانہ فرما دیے۔ بسبس بن عمرو جہنی رضی اللہ عنہ کو بدر کی جانب اس راستہ پر بھیجا اور عدی بن زبی الرغباء رضی اللہ عنہ کو اس راستہ پر بھیجا جو مکہ کو جاتا تھا۔ اور سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو شام کی جانب روانہ فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ ۳/۲۶۲)

یہ دونوں حضرات شمال کی طرف روانہ ہوئے، لیکن انہیں قافلہ کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا۔ وہ پھر راستہ کی طرف مڑ گئے جو ساحل سمندر کو چھوتا ہوا گزرتا ہے۔ (تفسیر مظہری: ۴/۱۱)

ابن سعد نے طبقات میں روایت نقل کی ہے کہ جب یہ دونوں حضرات تجبار پہنچے جو حوراء کے علاقہ میں ہے تو قافلہ کی آمد آمد تھی۔ کش جہنی اس علاقہ کا رئیس تھا۔ قبیلہ جہنیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف تھا۔ یہ دونوں حضرات کشد جہنی کے ہاں مقیم ہو گئے۔ یہ دونوں حضرات ابن سعد کی روایت کے مطابق دس روز تک حوراء (عمرو بن شیبہ کی روایت میں حوراء کے بجائے خرار ہے۔ یہ دونوں مقام قریب قریب تھے (حوراء ینبع سے قریباً پچاس میل کے فاصلہ پر تھا اور ینبع مدینہ سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر تھا۔

دس روز گزر گئے لیکن یہ حضرات مدینہ واپس نہ آئے، البتہ بسبس بن عمرو جہنی رضی اللہ عنہ جن کو مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے راستہ پر بھیجا گیا تھا، وہ واپس تشریف لے آئے۔ ابوسفیان جو اس قافلہ کے انچارج تھے انہیں ان دونوں حضرات کی آمد کا پتہ چل گیا لہٰذا انہوں نے ساحلی راستہ اختیار کر لیا۔ ادھر مکہ سے اس قافلہ کی مدد کے لیے ایک بہت بڑی جمعیت آئی اور مسلمانوں اور

Marfat.com

مشرکین قریش کے درمیان بدر کے میدان میں وہ مشہور معرکہ پیش آیا جس نے اسلام کو ہمیشہ کے لیے سر بلند کر دیا اور قرآن حکیم نے اس کو ''یوم الفرقان'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ جس وقت سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے اس وقت جانبازان اسلام فاتحانہ سرور وانبساط کے ساتھ میدان جنگ سے واپس آ رہے تھے۔ چونکہ یہ بھی ایک خدمت پر مامور تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا اور جہاد کے ثواب سے بھی بہرہ ور ہونے کی بشارت دی۔

(طبقات ابن سعد: ۲۷۹/۳، مستدرک حاکم: ۳۶۹/۳-۴۳۸، سیرۃ ابن ہشام: ۶۸۳/۱، الاستیعاب: ۱۸۸/۴، طبری: ۴۷۸/۲، ابن اثیر: ۱۱۶/۲-۱۳۷)

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ جنگ بدر کے علاوہ دوسرے تمام غزوات جیسے احد، خندق، صلح حدیبیہ وغیرہ میں حاضر ہوئے لیکن کتابوں میں کوئی اہم واقعہ ان کے بارے میں منقول نہیں ہے۔ اسی طرح عہد صدیقی میں بھی ان کے بارے میں کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ البتہ عہد فاروقی میں جب شام پر باقاعدہ فوج کشی ہوئی تو سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ماتحت پیدل فوج کی افسری پر متعین ہوئے۔ محاصرہ دمشق اور یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں بھی نمایاں بہادری اور جانبازی کے ساتھ شریک کارزار رہے۔ کتابوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ اثناء جنگ میں سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دمشق کی گورنری پر مامور کیا لیکن جہاد کا کچھ ایسا شوق تھا کہ چند دنوں کے بعد ہی سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ جہاد کریں اور اس کی برکات سے حظ وافر حاصل کریں اور میں اس کے اجر وثواب سے محروم رہوں۔ اس لیے میرا یہ خط پہنچنے کے ساتھ ہی کسی کو میری جگہ پر بھیج دیجیے، میں جلد ہی آپ کے پاس پہنچتا ہوں۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ خط پڑھا تو مجبور ہو کر سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دمشق کا گورنر بنا کر بھیج دیا اور سیدنا سعید رضی اللہ عنہ پھر میدان جہاد میں آ گئے۔

وفات

شام کی فتح کے بعد سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ عقیق کے مقام پر اپنا گھر بنایا ہوا تھا اس میں نہایت سکون اور خاموشی کے ساتھ اپنی باقی ماندہ زندگی کے دن

Marfat.com

بسر کرنے لگے۔ اچانک ایک روز معدہ میں تکلیف ہوئی جو جان لیوا ثابت ہوئی۔ چنانچہ ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وفات کے وقت عمر ستر سال سے اوپر تھی۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز جمعہ کی تیاری کر رہے تھے کہ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر ملی۔ اسی وقت جمعہ چھوڑ کر عقیق کی طرف روانہ ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد: ۲۷۹/۳-۲۸۰، مستدرک حاکم: ۴۳۸/۳، بخاری، حدیث: ۳۹۹۰، سنن کبریٰ بیہقی: ۱۸۵/۳)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی ان دنوں عقیق ہی میں رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے انہیں غسل دیا اور کفن پہنایا اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے جنازہ کو مدینہ لائے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔ (طبقات ابن سعد: ۲۷۹/۳)

اخلاق وعادات

سیدنا سعید رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تھے اور آفتاب نبوت سے جن لوگوں نے سب سے زیادہ دینی روشنی پائی تھی ان میں ایک وہ بھی تھے، لیکن دنیوی شان وشوکت اور ظاہری جاہ وحشمت سے یکسر مستغنیٰ تھے۔ اگرچہ جہاد شام میں بھرپور حصہ لیا اور مال غنیمت میں سے کافی حصہ پایا لیکن سب کچھ اللہ کے راستے میں تقسیم کر دیا۔ صرف عقیق کی ایک جاگیر پر گزراوقات تھی۔ آخر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عراق میں بھی ایک جاگیر دی تھی۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اروی نامی ایک عورت نے جس کی زمین آپ کی جاگیر سے ملی ہوئی تھی، مدینہ کے گورنر سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کے ہاں استغاثہ دائر کر دیا کہ انہوں نے اس کی کچھ زمین اپنی جاگیر میں شامل کر لی ہے۔ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں ان سے پوچھا تو فرمایا: میں اس کی زمین سے کچھ زمین اپنی جاگیر میں کیسے شامل کر سکتا ہوں جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

من اخذ شیئاً من الارض طوقه الیٰ سبع ارضین۔

"یعنی جو شخص کسی کی تھوڑی سی زمین بھی دبا لے تو ویسی ویسی سات زمینیں قیامت کے

Marfat.com

روز اس کے گلے کا ہار بنیں گی۔"

مروان رضی اللہ عنہ نے کہا: "لا اسئلك بينة بعد هذا" میں اس کے بعد آپ سے کوئی دلیل نہیں پوچھوں گا ①۔

سیدنا سعید رضی اللہ عنہ اپنی زمین سے باز آ گئے اور اس عورت کے حق میں بددعا کی۔ فرمایا: اللهم ان كانت كاذبة فاعم بصرها واقتلها فى ارضها ۔ اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو یہ اندھی ہو اور اپنی زمین ہی میں مرے۔ آپ کی یہ بددعا کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگا۔ وہ عورت بہت جلد اندھی ہو گئی اور ایک روز گھر کے کنویں میں گر کر راہی ملک عدم ہوئی۔ چنانچہ یہ واقعہ اہل مدینہ کے لیے ضرب المثل ہو گیا۔ اور وہ عموماً بددعا دینے لگے:

اعماك الله كما اعمىٰ اروىٰ۔

"اللہ تمہیں اندھا کرے جیسے اروی کو اندھا کیا تھا۔"

(مسلم، حدیث: ۱۶۱۰، مسند احمد: ۱/۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰، حلیۃ الاولیاء: ۱/۹۶-۹۷، الاستیعاب: ۴/۱۹۱، الاصابہ: ۴/۱۸۹، مسند ابی داود طیالسی: ۱/۲۷۷)

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اپنی عمر میں بہت سے انقلابات دیکھے لیکن وہ اپنی سادگی اور زہد و اتقا کی وجہ سے ان جھمیلوں سے ہمیشہ کنارہ کش اور الگ تھلگ رہے، لیکن کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا۔ اپنی رائے کو نہایت آزادی کے ساتھ بیان کیا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سبائیوں نے مظلوم شہید کیا تو اس کے بارے میں وہ عموماً مسجد کوفہ میں فرمایا کرتے تھے: تم لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے اگر احد کا پہاڑ متزلزل ہو جائے تو کچھ عجب نہیں۔

(بخاری، باب بنیان الکعبہ)

اسی قسم کا ایک اور واقعہ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جس زمانے میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

---

① ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی ایک بالشت زمین بھی زبردستی اور ظلم سے لے گا تو ویسی سات زمینیں قیامت کے روز اس کے گلے کا طوق بنائی جائیں گی اور جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہو وہ شہید ہے۔"

(الاستیعاب: ۲/۵۵۴، مسند احمد: ۱/۱۸۷، نسائی: ۷/۱۱۵، ابوداود، حدیث: ۴۷۷۲، ابن ماجہ، حدیث: ۲۵۸۰، ترمذی، حدیث: ۱۴۲۱، بخاری، حدیث: ۲۴۵۲-۳۱۹۸)

Marfat.com

کوفہ کے گورنر تھے۔ ایک روز وہ مسجد کوفہ میں عوام کے ایک حلقہ میں تشریف فرما تھے کہ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ داخل مسجد ہوئے۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے نہایت تعظیم و تکریم سے ان کا استقبال کیا اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔ اسی دوران میں ایک اور شخص اندر آیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کچھ نا ملائم کلمات استعمال کرنے لگا۔ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ فوراً بول پڑے: ''مغیرہ! لوگ تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں اور صحابہ کو اس قسم کے کلمات کہتے ہیں اور تم انہیں روکتے نہیں۔ اس کے بعد اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے آٹھ آدمیوں کے نام لے کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے اور اگر تم چاہو تو میں نویں آدمی کا نام بھی لے سکتا ہوں۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا: نواں میں ہوں۔'' (مسند احمد: ۱/۱۸۷)

فضائل و مناقب

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کے باب میں یہی کافی ہے کہ یہ ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری دی تھی۔ پھر آپ السابقون الاولون میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دیا ہے اور بیعت رضوان میں بھی آپ شامل تھے، ان لوگوں کو بھی رضائے خداوندی کا پروانہ ملا۔

(الاستیعاب لابن عبدالبر: ۴/۱۸۸، الاصابہ: ۴/۱۸۸)

سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حراء پہاڑ پر جلوہ افروز تھے کہ پہاڑ ہلنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حراء سے فرمایا: ٹھہر جا، تم پر اس وقت ایک نبی، صدیق اور شہید ہیں۔ اس وقت پہاڑ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہم تھے۔

(مسند احمد: ۱/۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹، ابوداود، حدیث: ۴۶۴۸، ترمذی: ۳۷۵۸، ابن ماجہ: ۱۳۴)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا مروان رضی اللہ عنہ گورنر مدینہ کو لکھا کہ لوگوں سے ان کے بیٹے یزید کے لیے بیعت لی جائے۔ شام کے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ بیعت کیوں نہیں لے رہے۔ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس انتظار میں ہوں کہ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ تشریف لائیں اور پہلے وہ بیعت کریں کیونکہ (فانہ سید اھل البلد) وہ مدینہ کے

Marfat.com

لوگوں کے سردار ہیں۔ جب وہ بیعت کر لیں گے تو پھر دوسرے تمام لوگ بھی بیعت کر لیں گے۔
(متدرک حاکم: ۴۳۹/۳، معجم کبیر طبرانی: ۳۴۵، بخاری، تاریخ صغیر: ۱۱۲/۱)

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے اڑتالیس احادیث نبوی مروی ہیں۔ ان میں سے دو احادیث پر بخاری اور مسلم متفق ہیں اور ایک میں بخاری منفرد ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱۴۳/۱)

ازواج واولاد

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں۔ ازواج کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) فاطمہ بنت خطاب (۲) جلیسہ بنت سواد (۳) امامہ بنت الدجیج (۴) حزمہ بنت قیس (۵) ام الاسود (۶) ضخ بنت الاصبغ (۷) بنت قربہ (۸) ام خالد (۹) ام بشیر بنت ابی مسعود انصاری۔

ان بیویوں اور لونڈیوں کے بطن سے نہایت کثرت سے اولاد ہوئی لیکن ان میں سے اکثر لاولد ہوئیں۔ جن لڑکوں اور لڑکیوں کے نام تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہو سکے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) عبدالرحمٰن اکبر (۲) عبدالرحمٰن اصغر (۳) عبداللہ اکبر (۴) عبداللہ اصغر (۵) عمر اکبر (۶) عمر اصغر (۷) محمد (۸) اسود (۹) زید (۱۰) طلحہ (۱۱) ابراہیم اکبر (۱۲) ابراہیم اصغر۔

(۱) عاتکہ (۲) ام موسیٰ (۳) ام الحسن (۴) ام سلمیٰ (۵) ام حبیب کبریٰ (۶) ام حبیب صغریٰ (۷) ام زید کبریٰ (۸) ام زید صغریٰ (۹) ام سعید (۱۰) ام سلمہ (۱۱) حفصہ (۱۲) ام خالد (۱۳) عائشہ (۱۴) زینب (۱۵) ام عبدالحولاء (۱۶) ام صالح۔ (طبقات ابن سعد: ۲۸۰/۳)

Marfat.com

عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم

- سیدنا ابوبکر صدیقؓ
- سیدنا عمر بن الخطابؓ
- سیدنا عثمان بن عفانؓ
- سیدنا علی بن ابی طالبؓ
- سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ
- سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ
- سیدنا زبیر بن العوامؓ
- سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ
- سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ
- سیدنا سعید بن زیدؓ

محمد رسول اللہ

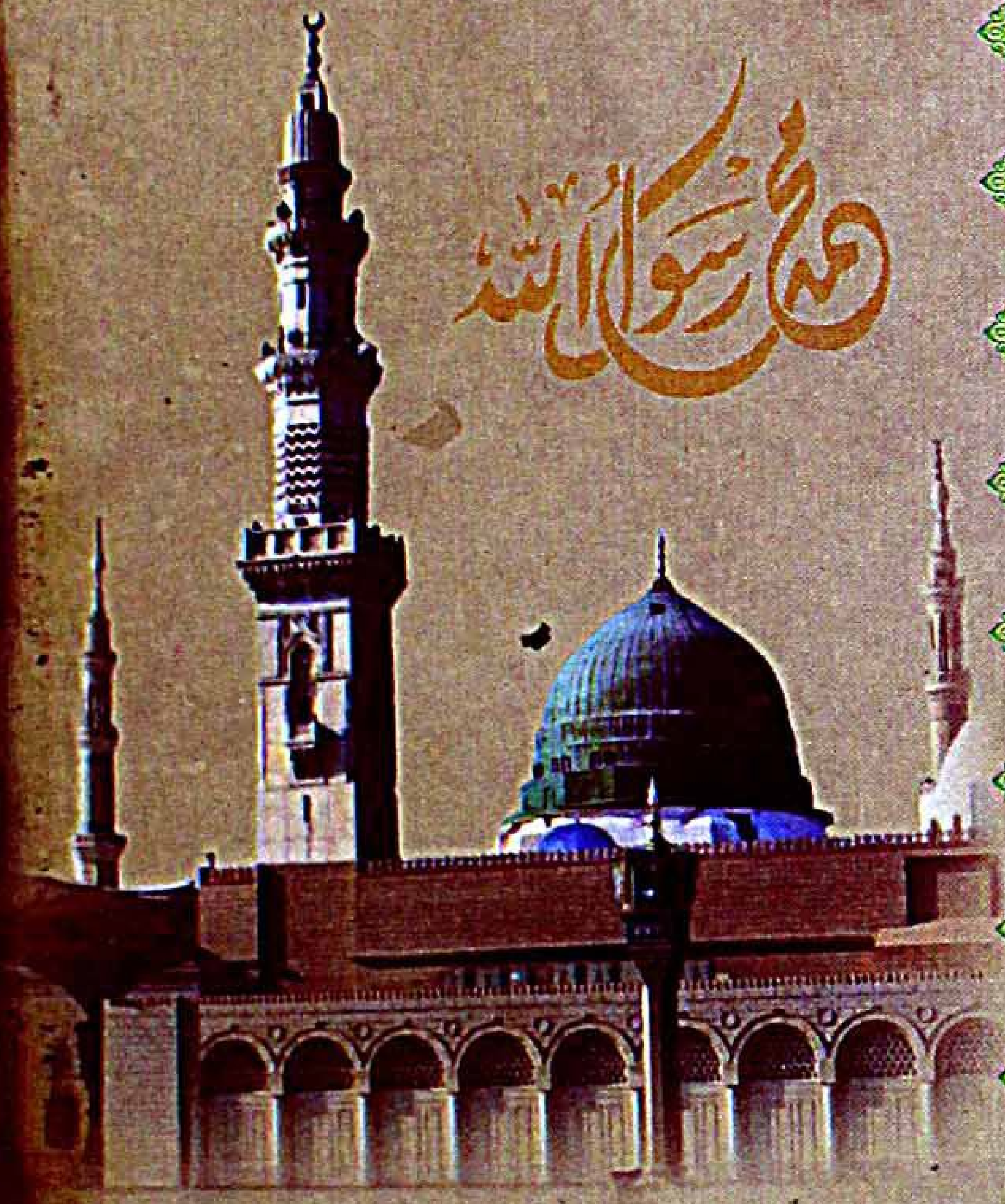

حکیم محمود احمد ظفر

نشریات

Marfat.com